# دانتے

زیڈ۔اے۔عثمانی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند
ویسٹ بلاک۔1، آر۔کے۔پورم، نئی دہلی۔110 066

پہلی اشاعت : 1980
دوسری طباعت : 2009
تعداد : 550
قیمت : -/126 روپے
سلسلہ مطبوعات : 1315

**Dante**
*by* Z.A. Usmani

**ISBN : 978-81-7587-284-4**

---

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک۔1، آر. کے. پورم، نئی دہلی۔110066
فون نمبر: 26103938، 26103381، 26179657، فیکس: 26108159
ای۔میل: urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in
طابع: سلاسار امیجنگ سسٹمس آفسیٹ پرنٹرس، C-7/5، لارینس روڈ انڈسٹریل ایریا، نئی دہلی۔53
اس کتاب کی چھپائی 70 جی۔ایس۔ایم۔ٹی۔این۔پی۔ایل۔میپلیتھو پیپر پر کیا گیا ہے۔

# پیش لفظ

انسان اور حیوان میں بنیادی فرق نطق اور شعور کا ہے۔ان دو خداداد صلاحیتوں نے انسان کو نہ صرف اشرف المخلوقات کا درجہ دیا بلکہ اسے کائنات کے ان اسرار و رموز سے بھی آشنا کیا جو اسے ذہنی اور روحانی ترقی کی معراج تک لے جاسکتے تھے۔حیات و کائنات کے مخفی عوامل سے آگہی کا نام ہی علم ہے۔علم کی دو اساسی شاخیں ہیں باطنی علوم اور ظاہری علوم۔باطنی علوم کا تعلق انسان کی داخلی دنیا اور اس دنیا کی تہذیب و تطہیر سے رہا ہے۔مقدس پیغمبروں کے علاوہ، خدارسیدہ بزرگوں، سچے صوفیوں اور سنتوں اور فکر رسا رکھنے والے شاعروں نے انسان کے باطن کو سنوارنے اور نکھارنے کے لیے جو کوششیں کی ہیں وہ سب اسی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔ظاہری علوم کا تعلق انسان کی خارجی دنیا اور اس کی تشکیل و تعمیر سے ہے۔تاریخ اور فلسفہ، سیاست اور اقتصاد، سماج اور سائنس وغیرہ علم کے ایسے ہی شعبے ہیں۔علوم داخلی ہوں یا خارجی ان کے تحفظ و ترویج میں بنیادی کردار لفظ نے ادا کیا ہے۔بولا ہوا لفظ ہو یا لکھا ہوا لفظ، ایک نسل سے دوسری نسل تک علم کی منتقلی کا سب سے موثر وسیلہ رہا ہے۔لکھے ہوئے لفظ کی عمر بولے ہوئے لفظ سے زیادہ ہوتی ہے۔اسی لیے انسان نے تحریر کا فن ایجاد کیا اور جب آگے چل کر چھپائی کا فن ایجاد ہوا تو لفظ کی زندگی اور اس کے حلقۂ اثر میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

کتابیں لفظوں کا ذخیرہ ہیں اور اسی نسبت سے مختلف علوم و فنون کا سرچشمہ۔قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اردو میں اچھی کتابیں طبع کرنا اور انھیں کم سے کم قیمت پر علم و ادب کے شائقین تک پہنچانا ہے۔اردو پورے ملک میں سمجھی جانے والی، بولی جانے والی اور

پڑھی جانے والی زبان ہے بلکہ اس کے سمجھنے، بولنے اور پڑھنے والے اب ساری دنیا میں پھیل گئے ہیں۔ کونسل کی کوشش ہے کہ عوام اور خواص میں یکساں مقبول اس ہردلعزیز زبان میں اچھی نصابی اور غیر نصابی کتابیں تیار کرائی جائیں اور انھیں بہتر سے بہتر انداز میں شائع کیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے کونسل نے مختلف النوع موضوعات پر طبع زاد کتابوں کے ساتھ ساتھ تنقیدیں اور دوسری زبانوں کی معیاری کتابوں کے تراجم کی اشاعت پر بھی پوری توجہ صرف کی ہے۔

یہ امر ہمارے لیے موجب اطمینان ہے کہ ترقی اردو بیورو نے اور اپنی تشکیل کے بعد قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے مختلف علوم وفنون کی جو کتابیں شائع کی ہیں، اردو قارئین نے ان کی بھرپور پذیرائی کی ہے۔ کونسل نے ایک مرتب پروگرام کے تحت بنیادی اہمیت کی کتابیں چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے، یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو امید ہے کہ ایک اہم علمی ضرورت کو پورا کرے گی۔

اہل علم سے میں یہ گزارش بھی کروں گا کہ اگر کتاب میں انھیں کوئی بات نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تاکہ جو خامی رہ گئی ہو وہ اگلی اشاعت میں دور کردی جائے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ
ڈائرکٹر

اپنے مشفق و محترم استاد
پروفیسر اسلوب احمد انصاری
کے نام
زیڈ۔اے۔عثمانی

# حرفِ آغاز

دنیا کے عظیم ترین شعراء میں دانتے وہ شاعر ہیں جن کی شاعری درجۂ کمال تک آفاقی اور ہمہ گیر ہے۔ اس آفاقیت اور ہمہ گیری کے اسباب کیا ہیں یعنی دانتے کی شاعری میں وہ کون سی خصوصیات ہیں جو اسے فنی عظمت کی اس معراج تک پہنچا دیتی ہیں، اس کتاب میں ان خصوصیات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے تاکہ ہم کسی ادبی تخلیق اور بالخصوص ہماری اپنی زبان کی کسی ادبی تخلیق کی عظمت کا اندازہ کرنے کے لئے کچھ بنیادی شرائط پیش نظر رکھ سکیں۔ چنانچہ اس کتاب میں اردو کے عظیم شاعر اقبال کی شاعری کو جو دانتے کی شاعری سے موضوعاتی مماثلت رکھتی ہے ان بنیادی شرائط کی روشنی میں مطالعہ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ یہ مطالعہ اگر اردو کی شعری اور ثقافتی روایات کے سیاق وسباق کو ملحوظ رکھتے ہوئے کیا جائے تو یقیناً نقدِ اقبال کے لئے سودمند ہو سکتا ہے۔ اس طرح اس کتاب کا مقصد نہ صرف یہ کہ اردو داں حضرات کو دانتے اور ان کی شاعری سے متعارف کرانا ہے بلکہ اقبال کے الفاظ میں خلاقی، مشاقی اور آفاق گیری کے اس بلند معیار کی طرف اشارہ کرنا ہے جو فن کے اعتبار سے ہی نہیں بلکہ ہر اعتبار سے انسانی روح کی اس عظمت کا معیار ہے جو صفات الٰہیہ کو منعکس کرتی ہے۔

میں اپنے ان تمام عزیز دوستوں اور بزرگوں کا بالخصوص پروفیسر اسلوب احمد انصاری اور مقبول حسن خان صاحب کا ممنون ہوں جن کے فیض سے مجھے شعر و ادب کی تفہیم میں مدد ملی ہے۔

زیڈ۔ اے۔ عثمانی
مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

# فہرست

# تمہید

دانتے کا شمار دنیا کے عظیم ترین شاعروں میں ہوتا ہے اور ان کی نظم طربیۂ خداوندی (Divine Commedia) یقیناً دنیا کے عظیم ترین فن پاروں میں سے ایک ہے۔ اطالوی زبان سے نابلد ہونے کی وجہ سے ہم میں سے بیشتر لوگ دانتے کی شاعری سے محض تراجم کے وسیلے سے ہی واقف ہو سکتے ہیں، اور یہ واقفیت "اصل دانتے" سے تقریباً ناواقفیت کے برابر ہے۔ ہماری ناواقفیت کے امکانات ایسی صورت میں اور بھی بڑھ جاتے ہیں جب ہم اس حقیقت سے دوچار ہوتے ہیں کہ دانتے کی شاعری ہم سے ساڑھے چھ سو سال کے فاصلے پر ہے اور بڑی حد تک اپنے زمانے کے مذہبی، سماجی اور سیاسی مسائل سے متعلق ہے۔ گویا ہم ثقافت کی دنیا کے وہ موسیٰ ہیں جو براہ راست دانتے کے جلوہ کو تو دیکھ نہیں سکتے مگر ترجمہ اور حواشی کے طور کی طرف دیکھتے ہیں اور غش کھا کھا کے گر گر پڑتے ہیں۔ ہمارے اس شوقِ دیدار کی توجیہ یہی ہے کہ دانتے کی شاعری ہر عظیم فن پارہ کی طرح ایک آفاقی حقیقت ہے، اور یہ حقیقت اس درجہ آفاقی ہے کہ ترجمہ کے پردہ کے پیچھے سے بھی جھلکتی نظر آتی ہے۔ ایلیٹ (Eliot) کہتے ہیں کہ دانتے دنیا کے سب سے بڑے آفاقی شاعر ہیں اور ان کی شاعری اتنی آفاقی ہے کہ ترجمہ میں بھی اس کا بہت کچھ اثر باقی رہ جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ شیکسپیئر کی زبان میں ایک اعتبار سے غیر شفافیت پائی جاتی ہے جو اس کے مقامی رنگ کی وجہ سے ہے، مگر دانتے کی زبان شعری اعتبار سے بالکل شفاف ہے، چاہے خیال کتنا ہی مبہم ہو۔ اس شفافیت کی وجہ ایلیٹ یہ بتاتے ہیں کہ دانتے کی فلورنطینی اطالوی زبان قرونِ وسطیٰ کی

لاطینی سے جذباتی قرب رکھتی ہے۔ بات یہ کہ قرون وسطیٰ کی لاطینی مختلف قوموں کے ثقافتی اتحاد کی پیداوار تھی اور اس کی اصلاحات میں وہ آفاقیت تھی جو ادبی اساطیر کی دین ہے۔ ان اصطلاحات کو تمثیلی شاعری (Allegorical Poetry) کے قالب میں ڈھالنا ایک فطری بات تھی، اور اسی لئے تمثیلی شاعری اس زمانہ کے ذہن کے لئے ایک فطری اظہار بیان تھی۔

اس زمانہ کی لاطینی زبان کی اس آفاقی خصوصیت کو ہماری زبان کے کچھ الفاظ کی مثال سے سمجھا جاسکتا ہے۔ جیسے لفظ ''پھول'' کے مقابلے میں لفظ ''گل'' میں ایک مخصوص آفاقی معنویت ہے، جس کی وجہ سے ''گل'' محبوب کی علامت بن سکتا ہے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ''گل'' شعری اعتبار سے شفاف ہے۔ اسی طرح کی شفافیت اردو کے بہت سے الفاظ میں پائی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر ـــ راہ، کارواں، منزل، پہاڑ، نور، قفس، آشیاں، گلستاں، صیاد، باغ وغیرہ۔ اردو کے اسی طرح کے الفاظ کسی حد تک ایک متحدہ تہذیب کی پیداوار ہیں اور اسی لئے جب یہ الفاظ اپنی اساطیری وقعت (Mythical value) کے ساتھ شاعری میں ڈھلتے ہیں تو اردو شاعری مختلف فرقوں کے لوگوں کو اپیل کرتی ہے۔ اسی کیفیت کو ایک بہت بڑے پیمانے پر تصور کیا جائے تو دانتے کے زمانے کی لاطینی زبان کی آفاقیت کا اور خود دانتے کی اطالوی شاعری کی آفاقیت کا انداز ہوسکتا ہے۔ دراصل اس زمانہ میں صدیوں کی علمی کاوشوں کے نتیجہ کے طور پر یورپ ثقافتی اعتبار سے متحد تھا اور لاطینی زبان کی زبردست آفاقیت اس اتحاد کی ضامن تھی۔ دانتے کی اطالوی زبان لاطینی زبان کے قرب سے فیضیاب ہوئی، اور جب دانتے نے اس کی اساطیری وقعت کو بروئے کار لاتے ہوئے اسے شاعری میں ڈھالا تو ان کی آواز نہ صرف یورپ کے ذہن کی بلکہ تمام انسانوں کے ذہن کی ترجمان بن گئی۔ اس میں لسانی اور ثقافتی روایات کی بات بھی تھی اور دانتے کے انفرادی نابغہ یا جینیس کی بھی۔

دانتے کی شاعری ہمارے لئے اسی وجہ سے اہم ہے کہ اس میں ہمیں اپنی اور تمام وجود کی معنوی حقیقت متشکل نظر آتی ہے، جس کا ادراک ہمارے شعور کو بالیدگی عطا کرتا ہے۔ فن ہمارے لئے اسی وجہ سے اہم ہوتا ہے کہ فن حقیقت کا انکشاف (Discovery) ہے۔ بقول کسرر (Cassirer) فن حقیقت کی اشکال کا وجدان ہے۔ اور یہ اشکال حسی پیکروں (Sensuous

(Forms) کی صورت میں نمودار ہوتی ہیں۔ یا ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ فن حسی تشکیل کے وسیلہ سے اقدار و معانی کی اس کھوج سے عبارت ہے جس کا مقصد وجود کی شعری تسخیر ہوتا ہے۔ چاہے وہ کسی قدیم غار میں بنی ہوئی ہرن کی تصویر ہو، چاہے دانتے یا ایلیٹ کی شاعری ہو، ان سب فن پاروں کا مقصد زمان و مکان کے لئے ترتیب اور بے معنی وجود سے اوپر اٹھ کر ایک ایسی دنیا کی تخلیق اور انکشاف کرنا ہے جو انسان کے لئے ابدی طور پر مرتب اور معنی آفریں ہو، باالفاظ دیگر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ فن کا مقصد انسانی شعور کے لئے حصول نجات ہے۔ ذہنی بے راہ روی کے اس دور میں یہ بات دہرانا بیجا نہ ہوگا کہ یقیناً فن کا بھی ایک مقصد ہوتا ہے (جیسا کہ آنند کو مارا سوامی نے اپنے تبصروں میں برابر زور دیا ہے)، اور یہ مقصد کوئی پروپیگنڈا نہیں، بلکہ وجود کی شعوری تسخیر ہے۔ قدما اس کو انسانی فلاح و بہبود یا تعلیم و ہدایت سے تعبیر کرتے تھے، عمومی طور پر اسے انکشاف حقیقت یا عرفان حقیقت یا تجدید شعور یا حصول نجات کہا جا سکتا ہے۔ اسی لئے ایلیٹ کا یہ خیال صحیح معلوم ہوتا ہے کہ کسی فن پارہ کی تنقید چاہے مذہبی معیار سے کی جائے چاہے ادبی معیار سے، ہم ایک ہی نتیجہ پر پہنچیں گے۔

دانتے فن کے مقصد سے باخبر تھے۔ وہ اس کا اعلان اپنے ایک خط میں کرتے ہیں اور انہوں نے کان گرانڈ ڈیلا اسکالا (Can Grade Della Scala) کو لکھا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ "طربیۂ خداوندی" لکھنے کا کام محض کسی خیال آرائی کی خاطر نہیں بلکہ ایک عملی مقصد کی خاطر شروع کیا گیا...... اس ساری تصنیف کا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ اس دنیا میں زندگی گزار رہے ہیں انہیں ابتری کی حالت سے نجات دلائی جائے اور بابرکت زندگی کی طرف سے ان کی رہنمائی کی جائے"۔ اس طرح دانتے کے لئے فن کا مقصد حصول نجات کا روپ لے لیتا ہے، اور یہ اس کا مقصد نہایت احسن اور جامع روپ ہے۔ یہ نجات سماجی، سیاسی، اخلاقی، روحانی غرضکہ ہر معنی میں اس کی نجات ہے۔ اس کو ہم انسانی وجودی نجات کہہ سکتے ہیں۔ موجودہ دور میں جب کہ انسان کو ہر اعتبار سے تباہی کا خطرہ درپیش ہے نجات کا یہ پیغام زبردست وقعت کا حامل ہے۔ دانتے کا مطالعہ ہمارے لئے اس وجہ سے اور بھی اہم ہو جاتا ہے۔ نجات یا تجدید کا موضوع ایک اساطیری موضوع ہے جو ہمیشہ سے انسانی جذبات کا ترجمان رہا ہے۔ یہی موضوع طربیۂ

خداوندی کی آفاقیت اور ہمہ گیری کا ضامن ہے۔

کسی فن پارہ کی انفرادیت اور یکتائیت سے کسی کو انکار نہیں لیکن ایک فن پارہ کے اساطیری موضوع کا ادراک ادب کے تقابلی مطالعہ میں ہماری مدد کرتا ہے، خارجی ادب کی تفہیم سے ہمارے اپنے ادب کی تفہیم میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ اکثر ہمیں اس بات پر غور کرنے سے بڑی مدد ملتی ہے کہ کسی موضوع کی فنی شکل ہمارے کسی شاعر سے کس طرح سے کی ہے اور اس فنی تشکیل میں کس وجہ سے عظمت پیدا ہوئی ہے اور کیوں مثال کے طور پر دانتے کی شاعری کے مطالعہ کی روشنی میں اقبال کی شاعری پر غور کرنا نقد اقبال کے لئے سودمند ہو سکتا ہے۔

# دانتے کی حیات اور پس منظر

دانتے کا زمانہ تیرہویں صدی کے نصف آخر اور چودھویں صدی کے ربع اول کے یورپ سے متعلق ہے۔ ثقافتی اعتبار سے یہ زمانہ جتنا متحد تھا، سیاسی اعتبار سے اتنا ہی غیر متحد اور تفرقہ پرور تھا، دینوی اقتدار کے لئے پوپ اور شہنشاہ کے بیچ صدیوں سے جو تنازعہ چلا آ رہا تھا وہ تیرہوں صدی میں انتہائی شدت اختیار کر گیا۔ اس صدی کے نصف اول میں شہنشاہ فریڈرک دوم نے جو کہ ایک طاقتور، شجاع، عاقل اور فیاض شہنشاہ تھا سیاسی اتحاد قائم کرنے کی کوشش کی۔ اس نے نیپلز میں یونیورسٹی قائم کی اور علوم وفنون کو فروغ دیا۔ اس نے سسلین اسکول کے شعراء کی سرپرستی کی جس کی وجہ سے اس کے دربار میں اطالوی غنائیہ شاعری کی بنیاد پڑی۔ اس نے جنوبی اطالیہ میں ایک اور متحد مضبوط حکومت قائم کی اور ایسا نظر آ رہا تھا کہ اس شہنشاہ کے زیر اثر یورپ میں نہ سہی تو کم از کم اطالیہ میں ضرور امن وانصاف کا راج ہو جائے گا۔ مگر اس لائق شہنشاہ کو جس نے صلیبی جنگوں میں بھی عیسائیت کا پرچم بلند کیا تھا پوپ نے برابر کلیسا سے عاق (Excummunicate) کیا، اور اس کے تخت کو کسی بھی دعویدار کو دینے کی پیش کش کی۔ فریڈرک دوم کی زندگی میں تو کسی کو دعویدار بننے کی ہمت نہ ہوئی۔ لیکن 1250ء میں اس کی وفات کے بعد شہنشاہیت کا زوال شروع ہو گیا۔ 1226ء میں پوپ کے آوردہ شارلز دانژو نے اس کے بیٹے مینفرڈ کو ہرا کر شہنشاہیت کا خاتمہ کر دیا۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ شہنشاہیت کے حامی اس کے بعد بھی جدوجہد کرتے رہے۔ تیرہویں صدی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس زمانے میں دو عظیم مذہبی تحریکوں یعنی فرانسسکن

(Fransiscan) تحریک اور ڈومینکن (Dominican) تحریک نے جنم لیا اور لوگوں کے ذہن ایک عام مذہبی بیداری سے آشنا ہوئے۔ اس کے علاوہ اس زمانہ میں اطالوی ادب کا جنم اور فروغ ہوا اور اس نے وہ مقام حاصل کیا جو پہلے صرف کلاسیکی ادب کو میسر تھا۔

دانتے کے زمانہ میں پوپ اور شہنشاہ کے تنازعہ کے جلو میں سرزمین اطالیہ میں خانہ جنگی اور فتنہ فساد کا بازار گرم تھا۔ شہنشاہ کے حامیوں کو گبلین (Ghibelines) کہتے تھے اور پوپ کے حامیوں کو گوئلف (Guelphs)۔ گبلین فرقہ میں زیادہ تر خارجی نسل کے جاگیردار امراء تھے، اور گوئلف فرقہ میں مقامی نسل کے تاجر پیشہ لوگ تھے جو آئینی جمہوریت قائم کرنا چاہتے تھے۔ دانتے کی ولادت کے وقت فلورنس میں گبلین فرقہ کا اقتدار تھا، لیکن اس کے کچھ ہی مہینے بعد مینفرڈ کی شکست ہو جانے سے شہنشائیت کا خاتمہ ہو گیا اور اقتدار گوئلف فرقہ کے ہاتھوں میں آ گیا، اور ان لوگوں نے گبلینوں کو اس طرح جلاوطن کرنا شروع کر دیا جس طرح اس سے پہلے گبلینوں نے گوئلفوں کو کیا تھا۔ دانتے گوئلف گھرانے میں پیدا ہوئے لیکن شہنشاہیت کے حامی ہونے کی وجہ سے ان کا تعلق گبلین فرقہ سے سمجھا گیا۔ ان پر کسی سیاسی فرقہ کی چھاپ لگانا ناسمجھی کی بات ہوگی۔ انہیں محض کسی فرقہ کے سیاسی اقتدار سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور وہ عملی سیاست کی گندگی سے ہمیشہ سے پاک رہے۔ وہ شہنشاہیت کے حامی اس لئے نہیں تھے کہ اس میں ان کا کوئی سیاسی مفاد تھا، بلکہ اس لئے وہ ایک لائق شہنشاہ کو انسانی فلاح و بہبود کا ضامن سمجھتے تھے۔ ایسا شہنشاہ ان کے لیے سرزمین اطالیہ کے نجات دہندہ کی علامت بن گیا تھا۔ مگر جیسا کہ وہ جنت میں کہتے ہیں وہ اپنے آپ میں ایک پارٹی بن گئے تھے۔ انہیں گوئلفوں کی محتاط مذہبیت اور آئینی جمہوریت کے اصول پسند تھے، مگر ان کی سوقیت اور بدذوقی سے انہیں تکلیف ہوتی تھی۔ اور پھر چونکہ یہ فرقہ پوپ کی ہوس پرستانہ اور گندی سیاست کی برابر حمایت کرتا گیا اس لئے وہ اس سے دور ہوتے چلے گئے۔ دوسری طرف وہ گبلین فرقہ کی شرافت، فراخدلی، علم دوستی اور ثقافتی معیار کے قدرداں تھے، مگر ان کی مذہب اور قانون کے معاملات میں بے پرواہی ان کا استبداد اور ان کے غیر جمہوری تصورات انہیں ناپسند تھے۔ یہ ان کی بدقسمتی تھی کہ وہ ان سیاسی فرقوں کے تنازعہ کا شکار ہوئے اور انہیں زبردست مصیبتیں اٹھانا پڑیں۔

دانتے الیگیری (Dante Alighieri) 1265ء فلورنس (Florence) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ایک چھوٹے سے گوئلف ساہوکار تھے۔ دانتے اپنا تعلق قرون وسطیٰ کے بلند مرتبہ خاندانوں ایلزی اور فرینگی پانی سے بتاتے ہیں اور اپنا سلسلۂ نسب ان رومن شرفاء سے منسوب کرتے ہیں جو فلورنس شہر کی نوآبادی کے بانی تھے۔ بوکاچیو (Boccaccio) سے روایت ہے کہ دانتے کی ولادت سے قبل انکی ماں نے خواب دیکھا کہ ان کا بچہ جو ایک شفاف چشمہ کے کنارے لارل (Laurel) کے درخت کے نیچے پیدا ہوا تھا اس درخت کے پھل کھا کر بہت جلد بڑا ہو گیا اور پھر طاؤس بن گیا۔ اس نوید سعادت کو پا کر ماں باپ نے بچہ کا نام "دانتے" یعنی دان کرنے والا یا دینے والا رکھا۔ دانتے نے جو کچھ نسل انسانی کو دیا اس سے اس اسم با مسمیٰ کی تصدیق ہوتی ہے بچپن میں جب وہ پانچ چھ سال کے تھے ان کی ماں کا انتقال ہو گیا اور باپ نے عقد ثانی کیا۔ ابھی ان کی عمر اٹھارہ سال کی بھی نہ ہونے پائی تھی کہ باپ کا بھی انتقال ہو گیا۔ باپ نے دانتے کو جیما دوناتی (Gemma Donati) سے منسوب کر دیا تھا اور بعد میں انہی خاتون سے انہوں نے ازدواج کیا۔ بوکاچیو کے مطابق دانتے کی تعلیم شاعری، مصوری، اور موسیقی سے شروع ہوئی۔ حیات نو (Vita Nouva) سے اندازہ ہوتا ہے کہ دانتے کا شعراء کا مطالعہ بہت گہرا تھا، خاص طور سے پرووانسال (Provencal) شعراء، ہمعصر اطالوی شعراء اور کچھ کلاسیکی شعراء کا انہوں نے مشہور عالم برونتو لاطینی (BRUNETTO LATINI) کو اپنا استاد بنایا ہے۔ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ انہوں نے باقاعدہ طور پر کسی یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی ہو۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ انہیں اپنے زمانہ کے تمام علوم وفنون پر کامل عبور حاصل تھا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں ان کی قابلیت اتنی مسلم تھی کہ گوئدو کاول کانتی (guidocavalcanti) جیسے استاد فن ان کے سانیٹ (Sonnet) سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کے قریبی دوست بن گئے، ایک زبردست عالم اور شاعر ہونے کے علاوہ دانتے ایک مصور، ایک موسیقی داں اور ایک سپاہی بھی تھے۔ انہوں نے ہمیشہ ایک بھرپور اور فعال زندگی گذاری۔ وہ فلورنس کی جانب سے 1298ء میں کیپالانو کی جنگ میں صف اول میں لڑے اور برابر اپنے زمانے کے تمام سماجی اور سیاسی معاملات میں پورے طور سے شریک رہے۔

دانتے کی نوعمری کا سب سے اہم واقعہ ان کا بیاترچے (Beatrice) سے عشق ہے۔ اس واقعہ کو انھوں نے حیات نو میں بیان کیا ہے۔ بیاترچے فلورنس کے ایک معزز شہری فولکو پوریتناری کی لڑکی تھی۔ دانتے نے جب پہلی مرتبہ بیاترچے کو دیکھا اس وقت ان کی عمر نو سال کی تھی اور بیاترچے کی عمر بھی تقریباً اتنی ہی تھی۔ دانتے اپنے والد کے ساتھ فولکو پوریتناری کے ہاں موسم بہار کے ایک جشن میں شرکت کرنے گئے اور وہاں بیاترچے سے ان کی ملاقات ہوئی۔ انہیں بیاترچے کے ملکوتی حسن کا ایسا جلوہ نظر آیا کہ ساری زندگی بیاترچے کے عشق میں ڈھل گئی۔ وہ کہتے ہیں کہ اس لمحہ ان کا دل کانپ اٹھا اور اس نے پکار کے کہا "دیکھ ایک دیوتا مجھ سے زیادہ قدرت والا آ گیا ہے جو اب آ کر میرے اوپر حکمرانی کرے گا"۔ ان کی روح اور عقل دنگ رہ گئیں اور آنکھوں سے کہنے لگیں۔ "اب تمہاری مسرت کامل آشکاری ہوئی ہے"۔ اور ان کے حواس نے سوگوارانہ جواب دیا۔ "افسوس! اب آیندہ کتنی دفعہ ہم پریشان ہوں گے!" ایلیٹ شہادت دیتے ہیں کہ جس قسم کا تجربہ دانتے کو بچپن میں ہوا ایسا تجربہ اکثر انسانوں کو ہوتا ہے۔ لیکن ہمیں یہ کہنا پڑے گا کہ ہر انسان ایسے تجربہ کی روشنی میں کائنات کے معنی تلاش کرتا ہوا حقیقت مطلق نہیں پہنچ جاتا۔ ہر انسان دانتے نہیں ہوتا۔

اس واقعہ کے نو سال بعد دانتے کی بیاترچے سے سرراہ ملاقات ہوئی۔ بیاترچے کا سلام ملنے پر وہ کہتے ہیں کہ اس سلام میں ایسی برکت تھی کہ مجھے معلوم ہوا کہ میں نے مسرت کی آخری حدوں کو چھولیا ہے۔ بعد میں ایک موقعہ پر ان کے بارے میں کچھ بدنام کن افواہیں سننے کی وجہ سے بیاترچے نے ان کا سلام لینے سے انکار کر دیا۔ دانتے کو معلوم ہوا کہ عشق کی اگر ایک کیفیت وجد ہے تو دوسری غم۔ 1287ء یا 1288ء میں بیاترچے کی شادی ایک مہاجن سے ہوگئی۔ لیکن بیاترچے کی شادی یا دانتے کی اپنی شادی جو بیاترچے کے انتقال کے بعد ہوئی دانتے کے پاکیزہ اور حقیقی عشق میں مانع نہ تھی۔ بلکہ اس عشق میں برابر نکھار پیدا ہوتا گیا۔ یہ حقیقت ہے کہ دانتے اور ان کے زمانہ کے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ ازدواج محض ایک سماجی ناتا ہے اور عشق اس کا پابند نہیں ہے۔ 1290ء میں بیاترچے کا انتقال ہوگیا اور دانتے کو ایسا لگا کہ شہر فلورنس ایک بیوہ کی مانند اجڑ گیا ہے"۔ مگر عشق کی اس ازلی و ابدی حقیقت کو جو کائنات کی اصل ہے انہوں نے اپنی روح کی

گہرائیوں میں پالیا اور اپنے فن سے اسے منکشف و متشکل کردیا۔اس لئے ان کو روح کے تاریک دوزخ سے گذرنا پڑا اور اپنے نفس کو کفارہ کے ذریعہ فنا کرنا پڑا، تب ہی وہ سعادت کی اس جنت تک پہنچ سکے جہاں کائنات کے تمام اوراق عشق کے زیر اثر ایک تبسم نورانی کی صورت میں مربوط نظر آتے ہیں۔

بیاترچے کے انتقال کے بعد 1294ء کے آس پاس دانتے کی شادی جیما دوناتی سے ہوگئی جس سے وہ پہلے سے منسوب تھے۔ بوکاچیو کا کہنا یہ ہے کہ دانتے کے دوستوں اور عزیزوں نے ان کا غم غلط کرنے کے خیال سے اس شادی پر اصرار کیا۔ دانتے تین لڑکوں اور ایک لڑکی کے باپ بنے۔لڑکی کا نام بیاترچے رکھا گیا۔ بوکاچیو کے مطابق دانتے کے لئے اپنا غم کم کرنے کے دو مشاغل اور تھے، یعنی سیاست اور علم و ادب۔ یہ واقعہ بھی ہے کہ بیاترچے کے انتقال کے بعد آئندہ دس سال تک دانتے شدید مطالعہ میں مشغول رہے۔ وہ نوعمری سے ہی پرووانس کی اس زبان اور ادب سے بخوبی واقف تھے جس کے زیر اثر نئی اطالوی شاعری پیدا ہوئی۔ اب انہوں نے اپنی لاطینی کو بہتر بنانے اور اپنے مطالعہ کو وسیع تر کرنے پر توجہ دی۔ انہوں نے فلسفۂ، دینیات، سائنس، خصوصاً علم الافلاک، کلاسیکی، شاعری اور اپنے زمانے کے تمام علوم و فنون کا گہرا مطالعہ کیا۔ وہ خود کہتے ہیں کہ مطالعہ کرکے میں نے اپنی بینائی تقریباً کھو دی تھی اور علاج کے طور پر کچھ عرصہ اندھیرے اور ٹھنڈے پانی کا استعمال کیا جس سے افاقہ ہوا۔ مطالعہ کی اس شدت کے باوجود وہ سماجی معاملات میں پوری دلچسپی لیتے رہے۔ لیونارد و برونی (Leovardobruni) کی اطلاع کے مطابق یہ حیرت انگیز بات تھی کہ دانتے اتنا شدید مطالعہ کرتے تھے پھر بھی ان کی معاشرت پسندی اور رفتار گفتار سے کسی کو یہ اندازہ نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ ذرا بھی مطالعہ کرتے ہوں گے۔ اور پھر اسی زمانہ میں یعنی بیاترچے کی وفات کے بعد اور اپنی جلاوطنی سے پہلے کے درمیانی عرصہ میں انہوں نے ایک عظیم نظم حیات نو تصنیف کی!

فلورنس کی نئی گوئلف جمہوریت میں شرفاء کو اعلی سرکاری عہدہ حاصل کرنے کیلئے کسی گلڈ (Guild) یعنی انجمن ہم پیشگان کا رکن بننا پڑتا تھا۔ 1295ء کے قریب دانتے عطاروں اور اطباء کی انجمن کے رکن بن گئے۔ اس انجمن میں مسالہ جات اور ادویات کے تاجروں کے علاوہ جوہری،

مصور اور کتب فروش بھی شامل تھے۔(اس زمانے میں کتابیں عطاروں کی دکانوں پر فروخت ہوتی تھیں)۔فلورنس کی مجلس حکام کے اراکین اسی طرح کی انجمنوں سے منتخب کئے جاتے تھے۔مجموعی طور پر فلورنس جس کے معنی ہیں "پھولوں والا شہر" ایک دولتمند شہر تھا جہاں زندگی خاصی دلچسپ، پر تجمل اور رنگین تھی۔دولت کا انحصار تجارت پر تھا جس میں اون اور اونی کپڑے کی تجارت خاص تھی۔اس آزاد شہری ریاست کی مجلس حکام میں نئے آئین کے مطابق ایک علمبردار انصاف (Standard Bearer of Justice)اور چھ حکام اعلیٰ (Priors)ہوتے تھے جو ہر دوسرے مہینہ مختلف پیشہ وروں کی انجمنوں سے منتخب کئے جاتے تھے۔فلورنس کی قدیم دستاویزوں میں مختلف سیاسی سرگرمیوں کے سلسلہ میں بار بار دانتے الگیری کا نام ملتا ہے۔اسی زمانہ کی وہ بات ہے جسے دانتے اپنی گمراہی سے تعبیر کرتے ہیں۔طربیۂ خداوندی کی اصطلاح میں وہ بیاترچے کے عشق حقیقی سے منحرف ہوکر کسی "ایسی ویسی لونڈیا" (Pargoletta) کے چکر میں پڑ گئے، جس کا مطلب غالباً یہ ہے کہ وہ اخلاقی، روحانی اور عقلی اعتبار سے گمراہ ہوگئے۔فن کے وسیلہ سے راہ نجات کی جستجو جو طربیۂ خداوندی کا روپ لے لیتی ہے اس گمراہی کے احساس کی پیداوار ہے۔

1300ء میں دانتے فلورنس کے سفیر منتخب ہوکر تسکنی (Tuscany) کی گوئلف لیگ کپتان کے انتخاب کے سلسلہ میں سان جیمی نیانو (San Giminano) گئے اور وہاں اپنی تجویز منوانے میں کامیاب ہوئے۔اس کے کچھ مہینہ بعد انہیں فلورنس کی حکومت میں حاکم اعلیٰ منتخب کیا گیا۔بدقسمتی سے جب دانتے حاکم اعلیٰ بنے تو فلورنس کی گوئلف حکومت پھر خانہ جنگی میں ملوث ہوگئی۔پستوئیا میں کانسیلیری (Cancerleri) خاندان کی دو شاخوں "سفید" (White) اور "سیاہ" (Black) کے بیچ جھگڑا چل رہا تھا۔فلورنس کی گوئلفوں نے اس میں حصہ لیا اور اس طرح خود فلورنس میں "سفید" اور "سیاہ" پیدا ہوگئے۔سرچی (cerchi) خاندان والوں نے "سفید" فرقہ کا ساتھ دیا اور ان کے رقیب دوناتی (Donati) خاندان والوں نے "سیاہ" فرقہ کا ساتھ دیا۔فلورنس میں فساد برپا ہوگیا۔"سیاہ" فرقہ نے پوپ سے مدد طلب کی تاکہ فرانسیسی بادشاہ کے بھائی شارلز دو ویلوا کو منتظم کی حیثیت سے فلورنس بھیجا جائے۔"سفید" فرقہ کے حکام اعلیٰ سے درخواست کی کہ شہر کی سیاست میں بیرونی مداخلت کو روکا جائے۔دانتے نے جو حاکم اعلیٰ تھے دونوں

فرقوں کے لوگوں کو سزائیں دلوائیں۔ دانتے خود پوپ کے مخالف تھے جبکہ ان کی بیوی کا خاندان پوپ پرست تھا۔ انہوں نے اپنے قریبی دوست شاعر گوئدو کاول کانتی کو اور اپنی بیوی کے رشتہ دار کورسو دوناتی (Corso donati) کو جلاوطن کرنے کا حکم صادر کیا۔ اس نے ان کی منصف مزاجی اور غیر جانبداری کا پتہ چلتا ہے۔ "سفید" لوگوں نے پوپ بونی فیس ہشتم (Boni Face VIII) کے پاس ایک وفد بھیجا کہ شارلس دو ویلوا کو فلورنس میں داخل ہونے سے روکا جائے۔ اس وفد کے ایک اہم نمائندہ اور غالباً قائد دانتے تھے۔ پوپ بونی فیس ہشتم ایک عالم مگر جاہ پرست، حریص اور چالباز آدمی تھا۔ وہ فلورنس کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر شہر کو اپنی عملداری میں لینا چاہتا تھا اس سے پہلے جب دانتے حاکم اعلیٰ تھے انہوں نے پوپ کے احتجاج کے باوجود ان تین سازشی مہاجنوں کی سزا کی توثیق کی تھی، جنہوں نے فلورنس کو پوپ کے حوالے کرنا چاہا تھا۔ پوپ دانتے سے جلا بیٹھا تھا۔ وہ دانتے کا دشمن تھا اور انہیں برباد کرنے کے درپے تھا۔ اس نے وفد کی باقی دو نمائندوں کو اپنی امن پسندی کا یقین دلا کر فلورنس واپس بھیج دیا، لیکن دانتے کو اپنے پاس روک لیا۔ ادھر شارلز دو ویلوا فلورنس کے حکام سے شہر اور اس کے قانون کے احترام کا وعدہ کر کے فلورنس میں داخل ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی "سیاہ" جلاوطن واپس آ گئے اور اپنا ناظم شہر (Podesta) ساتھ لائے۔ ان پوپ پرستوں نے دانتے کو نشانہ بنایا۔، ان کے خلاف سنگین الزامات وضع کئے گئے۔ دانتے نے فلورنس آ کر صفائی پیش کرنے سے انکار کر دیا۔ ان پر ان کی عدم موجودگی میں مقدمہ چلایا گیا اور انہیں دو سال کے لئے جلاوطنی اور ہمیشہ کے لئے سرکاری عہدہ سے محرومی کی سزا دی گئی۔ اور ان کی جائیداد ضبط کر لی گئی۔ فلورنس حاضر ہو کر سزا قبول کرنے سے برابر انکار کرنے پر مارچ 1302ء ان کے لئے سزا تجویز کی گئی کہ حکومت کے ہاتھوں آ جانے پر انہیں زندہ جلا دیا جائے۔ "سیاہ" حکومت کے اس فیصلہ کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ دانتے "سفید" ہو گئے۔ وہ جلاوطن "سفیدوں" اور گبلینیوں کے ساتھ پوپ کے مخالف اور شہنشاہ کے حامی بن کر جلاوطنی کے عالم میں آخر وقت تک جدوجہد کرتے رہے۔

اس زمانے میں خالص علمی نقطہ نظر سے تو ثقافتی وحدت تھی یعنی ایک مشترک مذہبی اور فکری نظام تھا اور ایک مشترک علمی زبان یا بین الاقوامی لاطینی تھی لیکن انسانی نقطہ نظر سے اپنا اپنا

الگ الگ وطن تھا۔ اور ہر ایک انسان کو اپنے وطن میں ہی راحت نصیب تھی۔ اس زمانہ میں جبکہ ہر شہر شہد کی مکھی کے چھتے کی طرح مکتفی بالذات (Self-Sufficient) تھا اور غریب الدیار ہونا کتنی بڑی اذیت تھی یہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔ طربیہ خداوندی جو دانتے نے جلاوطنی کے زمانے میں تصنیف کی اپنے تمام فلسفیانہ اور علمی مواد کے باوجود فلسفیوں اور عالموں کے لئے نہیں لکھی گئی بلکہ یہ ایک غریب الدیار شاعر کی پکار ہے جو اپنے ہم وطن سے رابطہ چاہتا ہے اور بالخصوص ان کو نجات کا راستہ بتانا چاہتا ہے اور آخری وقت تک وطن واپس لوٹ آنے کا آرزومند ہے۔

''سفید'' اور گبلین جلاوطنوں کی صحبت میں دانتے خوش نہیں تھے۔ وہ ان کی بے وقتی کا تلخی سے تذکرہ کرتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ سیاست نے انہیں ان کا ساتھ دینے پر مجبور کر دیا تھا۔ انہوں نے ان جلاوطنوں کے ساتھ وطن لوٹ آنے کی درخواست کی اور نئے پوپ کے سفیر کارڈنل نکولو دا پراتو کی کوششوں سے اس کی امید بھی بندھ چلی تھی۔ مگر فلورنس کے ''سیاہ'' لوگ اس پر راضی نہ ہوئے۔ ناچار دانتے نے 20 جولائی 1304ء کو جلاوطنوں کو ساتھ لیکر فوجی طاقت استعمال کر کے شہر میں داخل ہونا چاہا مگر اس اقدام میں وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ اپنے نامعقول ساتھیوں سے بیزار ہو کر انہوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور جیسا کہ وہ جنت 17 میں کہتے ہیں وہ خود اپنے آپ میں ایک پارٹی بن گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ''سیاہ'' اور ''سفید'' دونوں ہی ان کی جان کے دشمن ہو گئے۔ اس حالت میں وہ کہاں کہاں مارے مارے پھرے اس کی تفصیلات نہیں ملتیں۔ یہ پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے ویرونا کے اسکالیگیری (Scaligeri) کے دربار میں پناہ لی اور پھر تویستو کے گیر اردو (Geardo) کے ہاں، اور وہ شاید پےدوا اور بولونیا گئے۔ 1306ء اور 1308ء کے بیچ میں وہ لوکا (Lucca) میں ایک معزز خاتون کے مہمان رہے۔ شاید اسی زمانہ میں وہ پیرس بھی گئے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ پیرس یونیورسٹی میں انہوں نے درس حاصل کیا ہو (اگرچہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا)

دانتے فلورنس کے شہریوں اور حاکموں سے برابر درخواست کرتے رہے کہ انہیں وطن لوٹنے کی اجازت مل جائے۔ انہوں نے مختلف افراد کو خطوط لکھے اور ایک خط تمام ساکنان شہر کے نام بڑے عجز و انکسار سے لکھا۔ مگر کوئی اثر نہیں ہوا۔ 1310ء میں ہنری آف لکسمبرگ (Henry

(of Luxemburg) یا ہنری ہفتم کے شہنشاہ بننے پر ایک نئی امید بندھی کہ یہ لائق شہنشاہ فلورنس کی حکومت سنبھال کر امن وانصاف قائم کرے گا اور اس کی وجہ سے دانتے کو وطن لوٹ آنے کا موقع بھی ملے گا۔ادھر پوپ کلیمنٹ پنجم نے بھی اطالیہ کے تمام شہریوں کو لکھا کہ شہنشاہ کو خوش آمدید کہیں اور امن قائم کرنے میں تعاون کریں۔دانتے کی یہ دیرینہ خواہش پوری ہوتی نظر آئی کہ اب ممکن ہے شہنشاہ اور پوپ میں وہ ہم آہنگی پیدا ہو جائے جس کی پوپ کو ہمیشہ سے ضرورت رہتی ہے۔انہوں نے علی الاعلان شہنشاہ کی پر جوش حمایت کی اور فلورنس کے شہریوں اور حاکموں کو اپنے اس نجات دہندہ کو خوش آمدید کہنے کو لکھا۔شہنشاہ کو جگہ جگہ بغاوتوں کا سامنا تھا۔فلورنس والوں نے باغیوں کی مالی امداد کی اور پوپ سے درخواست کی کہ شہنشاہ کو فلورنس کی طرف بڑھنے سے روکا جائے۔دانتے نے اپنے ہم وطنوں کو لعن طعن کی اور شہنشاہ کو فلورنس پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ شہنشاہ نے 1313ء میں فلورنس پر حملہ کیا مگر نتیجہ میں ناکام رہا۔دانتے کی ساری امیدیں ٹوٹ گئیں۔فرانسیسی اثر کے تحت پوپ کلیمنٹ پنجم شہنشاہ کے خلاف ہو گیا۔ اور پھر اسی سال یعنی 1313ء میں ہی شہنشاہ کی وفات ہو گئی۔دانتے کے لئے ہر طرف شدید مایوسی اور مصیبت کا سامنا تھا۔پھر بھی ان کی ہمت پست نہیں ہوئی۔ان کا ایمان تھا کہ کبھی نہ کبھی کوئی نجات دہندہ ضرور آئے گا۔اور ان کے ملک کو اور تمام نسل انسانی کو بدامنی اور برائی سے نجات دلائے گا۔حالانکہ شاید ان کی زندگی میں ایسا نہ ہو۔یوروپین کے ہر ایسے معاملے میں جس کا تعلق عام فلاح و بہبود سے ہو وہ برابر دلچسپی لیتے رہے جب پوپ کلیمنٹ پنجم کے جانشین کے انتخاب کا مسئلہ اٹھا تو انہوں نے کارڈنلوں کو مشورہ دیا کہ اسے پوپ کا انتخاب کریں جو پھر سے روم کو پاپائی صدر مقام بنائے۔ 1314ء میں دانتے کے دولڑکوں کو بھی فلورنس کی حکومت نے گبلین اور باغی قرار دیا اور ان کیلئے سزائے موت تجویز کی۔مگر وہ پہلے ہی فلورنس سے فرار ہو کر باپ سے جا ملے تھے۔مئی 1315ء میں بیرونی حملہ کے خوف سے فلورنس کی حکومت دانتے کو وطن لوٹنے کی اجازت دینے کے لئے تیار ہو گئی۔مگر شرائط ایسے ذلت آمیز تھیں کہ خوددار دانتے نے ان شرائط پر وطن واپس آنے سے انکار کر دیا۔اس موضوع کے بارے میں وہ اپنے ایک پادری دوست کو لکھتے ہیں۔یہ انعام ہے اس بے گناہی کا جو تمام انسانوں پر روشن ہے۔لگاتار مطالعہ کی عرق ریزی اور محنت کا یہ انعام ہے کیا اس

انسان کو جس نے ہمیشہ انصاف کی تبلیغ کی ہو اور ناانصافی کا شکار ہوا ہو روپیہ ادا کرنا چاہئے ان لوگوں کو جنہوں نے اسے ضرر پہنچایا ہے؟ گویا کہ وہ اس کے محسن ہوں! اے پدر، اپنے وطن لوٹنے کا یہ طریقہ نہیں ہے۔'' اپنا کوئی قصور تسلیم نہ کرنے پر حکومت فلورنس نے ان کے لئے پھر موت کی سزا تجویز کی۔ غالباً اس زمانہ میں وہ ویرونا کے اسکالیگیری کے دربار میں کان گراند دیلا اسکالا کی پناہ میں تھے۔ دانتے کا سبھی کچھ ان سے چھن گیا تھا۔ محبت، جوانی، گھربار، گھریلو زندگی کی راحت، جائیداد، مال متاع، وطن، یعنی اپنا پھولوں والا شہر فلورنس اور اس کی شہریت، سیاسی کارکردگی ایک امن وانصاف کی دنیا تعمیر کرنے کی امید — سبھی کچھ تو چھن گیا تھا۔ بس ایک فن کی دنیا تھی جسے انہوں نے اپنے خون جگر سے تعمیر کیا اور اس طرح ابدی اقدار و معانی کے روپ میں سب کچھ پالیا، اپنے لئے بھی اور نسل انسانی کے لئے بھی۔

ویرونا سے معلوم نہیں کب دانتے رے وینا چلے گئے۔ یہاں گوئدو دا پولنتا کے دربار سے وابستہ رہ کر انہوں نے اپنی زندگی کے آخری سال آرام سے گذارے اور ان کی بڑی عزت بھی ہوئی۔ رہنے کو اپنا مکان بھی ملا جو فلورنس کے آبائی گھر کے چھٹ جانے کے بعد سے اب تک نصیب نہیں ہوا تھا۔ ان کے دو لڑکے اور لڑکی یہاں ان کے ساتھ رہے۔ دانتے کی وفات کے بعد لڑکی سسٹر بیاترچے کا نام اختیار کر کے راہبہ ہوگئی۔ مختلف علمی مجالس میں دانتے کو مدعو کیا جاتا تھا اور غالباً وہ لیکچر بھی دیتے تھے۔ انہیں گیووانی دیل ورجلیو (Giovanni Del Virgilo) نے بولونیا میں مدعو کر کے تاج شاعرانہ (Laure Crown) سرفراز کیا جو کہ ایک شاعر کی سب سے بڑی عزت تھی اور صرف عظیم ترین شاعروں کا ہی حصہ تھی۔ مگر دانتے کو جلاوطنی کا رزق ہمیشہ حلق میں پھنسا ہوا ہی محسوس ہوا۔ ان کیلئے جلاوطنی کیا ہے وہ جنت کی اس پیشن گوئی سے ظاہر ہوتا ہے'' تو ہر محبوب سے بری طرح بچھڑ جائے گا۔ یہ پہلا تیر ہے جو جلاوطنی کی کمان سے نکلے گا۔ تو ثابت کرے گا کہ غیروں کی روٹی کا مزہ کتنا شور ہے، اور غیروں کے زینہ پر چڑھنے اترنے کا راستہ کتنا سخت ہے۔ دانتے کو 1321ء میں گوئدو نے وینس اور رے وینا کے کسی اختلاف کے سلسلہ میں ایک سفارتی مشن پر وینس بھیجا۔ واپسی پر وہ راستہ میں بیمار ہوئے اور انتقال کر گئے۔ مرنے سے کچھ قبل ہی انہوں نے طربیۂ خداوندی کے آخری حصہ جنت کو مکمل کیا تھا۔

دانتے کے فن کو ان کی زندگی سے الگ کرنا مشکل ہے (میرا مطلب ان کی زندگی سے ہے، جو ہمارے لئے آفرین تاریخ ہے)۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنی زندگی اور اس کے مختلف مسائل کو ہی اپنے فن کیلئے خام مواد کے طور استعمال کیا ہے۔ یعنی ان کی زندگی ہی فنی علامت میں منقلب ہو جاتی ہے۔ ایسا ورڈز ورتھ Words Worth کے ہاں بھی ہوتا ہے۔ لیکن زندگی اور فن کا جتنا گہرا تعلق دانتے کے ہاں ملتا ہے دنیا کے کسی شاعر کے ہاں نہیں ملتا۔ ان کی زندگی اور فن کو الگ کرنا اس لیے بھی مشکل ہے کہ دونوں ایک ہی روحانی حقیقت کی مختلف شکلیں ہیں۔ دونوں ایک ہی مقصد جلیل کی سمت حرکت کرتے معلوم ہوتے ہیں۔ اور وہ ہے جستجوئے نجات یا جستجوئے اکملیت دانتے کی زندگی اور ان کا فن دونوں ہی اس اکملیت کی جستجو سے عبارت ہیں جس کا ایک جلوہ انہیں بیاترچے کی شخصیت میں نظر آیا تھا۔ یہ ایک وجود ہی اکملیت ہے اور اس کی ابعاد مادی بھی ہیں اور روحانی بھی، طبیعاتی بھی ہیں اور مابعد الطبعیاتی بھی۔ اس کی معاشرتی شکل وہ خلافت الٰہی ہے جس میں کلیسا اور شہنشاہ ہم آہنگ ہوں اور جس کے قیام کے لئے دانتے کی زندگی اور ان کا فن دونوں ہی ایک جہاد بن جاتے ہیں۔ بالفاظ دیگر دانتے کی زندگی اور ان کے فن دونوں ہی کے معنی ہیں عشق۔ عشق جو دراصل کششِ ذات خداوندی ہے اور تمام موجودات کی علت غائی (Final Cause) ہے۔ خدا عشق ہے اور یہی وہ مرکزی حقیقت ہے جس کی روشنی میں دانتے کو تمام کائنات متحد اور مربوط اور معنی آفریں نظر آتی ہے۔ عشق ہی محرک ہے اس جہاد کا جو دانتے نے معرکۂ وجود میں کیا، اور اس جہاد کا بھی جو انہوں نے فن کی دنیا میں کیا۔

جس طرح دانتے کی زندگی کو ان کے فن سے الگ کرنا مشکل ہے اسی طرح ان کے افکار و عقائد کو بھی ان کے فن سے الگ کرنا مشکل ہے۔ تیرھویں صدی کے یورپ کے ثقافتی اتحاد کی بدولت دانتے نے ایک مربوط اور جامع نظریۂ کائنات اپنایا جو فن کی حسی اشکال میں منقلب ہو کر عرفان حقیقت کی ایک ہمہ گیر اور اسطوری علامت بن گیا۔ اسطوری علامت اس لئے کہ انسان کے دل نے ہمیشہ اس سے یہی کہا کہ کائنات کے کوئی معنی ہیں اور اس میں کوئی نظام ہے۔ عیسائیت کی الہامی تعلیم بھی یہی تھی۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ یونانی مفکرین کی تفہیمات عقلی سے مطابقت رکھتی ہے یا نہیں۔ ابن رشد نے ارسطو پر جو شرح لکھی تھی اس کی روشنی میں عیسائیت عقل کے خلاف معلوم ہوتی

تھی۔ ابن رشد کی معرفت سے ارسطو کے پیروؤں میں سب سے مشہور عالم سیگر دے براباں (Singer de Borbont) تھا۔ وہ اس کا قائل تھا کہ اعتقادذاتی اور عقل ذاتی دونوں ہی غیر محتاج اور بے نیاز ہیں۔ چونکہ ان خیالات سے الہامی مذہب اور کلیسا کے اقتدار پر ضرب پڑی تھی اس لئے سیگر کو سزا دی گئی، کلیسا کو برابر یہ فکر لاحق تھی کہ یا تو الہامی مذہب کے مقابل عقل کو کالعدم قرار دے دیا جائے یا کسی طرح عقل اور مذہب میں تطابق پیدا کیا جائے تا کہ عیسائیت محض دستور منفی (Way of Negation) کے مترادف نہ بن کر دستور اثباتی (Way of Affirmation کی بھی تاویل پیش کر سکے۔

کلیسا نے بالآخر یہ تطابق پیدا کر لیا۔ اس عظیم کارنامے کو اپنے استاد البرٹس میگنس (Alberts Magnus) کے فیض سے سینٹ ٹامس اکوائناس (Saint Thomas Acqinas) نے سرانجام دیا۔ اس نے ارسطو کا مطالعہ ابن رشد کی شرح سے الگ کر کے کیا اور اس کی اس طرح ترجمانی کی کہ وہی فلسفہ کیتھولک عیسائیت کے متضاد ہونے کے بجائے اس سے ہم آہنگ ہو گیا۔ اس نے سینٹ آگسٹن (St. Augustine) کی پیروی کرتے ہوئے صحائف آسمانی کے تمثیلی اور استعاراتی انداز بیان کو تسلیم کیا اور یہ بتایا کہ صحائف آسمانی میں جو کچھ درج ہے وہ عقل کے متضاد نہیں ہے اور اس کلام کو محض لفظی معنی تک محدود نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ اس کی ظاہری شکل تو ایک تمثیل یا استعارہ ہے جس کی مدد سے ماورائی حقائق کو انسانی ذہن کے مطابق ڈھالا گیا ہے۔ صحائف آسمانی کی طرح تمام کائنات ایک تمثیل ہے جس کا عین (Idia) ذہن خداوندی میں ازل سے موجود ہے، اور کائنات کی ہر شے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق ذات خداوندی کی عکاسی کرتی ہے اور اپنے منفرد وجود کی تکمیل کرتی ہے۔ اسی لئے کائنات میں درجہ بندی، ترتیب اور معنی ہیں۔ خدا محرک اصلی ہے۔ اس کے زیر حکم نو فرشتے نو آسمانوں کو حرکت دیتے ہیں۔ یہ حرکت جو امکان (Potenliality) کو واقعیت (Actuality) میں بدلتی ہے مادۂ عنصری کو (Primary Matter) کو متاثر کر کے اشیاء کو ان کا منفرد وجود عطا کرتی ہے۔ خدا کا علم مادہ اور ہیئت (Form) یا امکان اور واقعیت دونوں کو تسخیر کئے ہوئے ہے۔ اس لئے خدا نہ صرف یہ کہ ہر شے کی علت غائی ہے۔ جیسا کہ ارسطو نے بتایا ہے، بلکہ ہر شے کی علت فعلی (Efficient

(Casue بھی ہے۔ وہ ہر شے سے شخصی تعلق رکھتا ہے۔ وہ ابراہیمؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ کا خدا ہے اور جو کوئی اسے سچے دل سے پکارتا ہے وہ اس کے بالکل قریب ہے۔

ارسطو اور ابن رشد نے یہ بتایا تھا کہ مادہ ازلی ہے۔ لیکن اکوئناس کا کہنا ہے کہ چونکہ یہ بات دلیل سے ثابت نہیں کی گئی اس لئے یہ مذہبی اعتقاد بجا ہے کہ مادۂ عنصری خدا کا تخلیق کیا ہوا ہے۔ اس سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ ارسطو نے صرف عقل فعال(Active Intellect) کو جاوداں بتایا تھا، روح کو نہیں۔ اکوئناس نے کہا کہ چونکہ عقل فعال خود ارسطو کے مطابق روح کا جزو ہے اس لئے روح انسانی معہ اپنے منفرد وجود کے جاوداں ہے اس طرح اکوائناس نے خدا، مادہ اور روح ان تین اہم موضوعات پر فلسفۂ یونانی کا رخ موڑ کر اسے عیسائیت سے ہم کنار کیا۔

اکوائناس کے مطابق انسان بھی ذات خداوندی کا عکس ہے، اگر چہ انسان غلط راستہ کا انتخاب کر کے اس عکس کو مکدر کر سکتا ہے۔ انسانی روح جسے خدا نے بلا واسطہ تخلیق کیا ہے فرشتوں اور آسمانوں کے اثر سے آزاد ہے۔ وہ روح عاقل (Rational Soul) ہے جس کی وجہ سے انسان خود مختار ہے اور مخلوقات زیریں سے متاثر ہے۔ انسانی روح اور جسم کا امتزاج ہے۔ روح جسم کی ہیئت واقعی (Actual Form) ہے، یعنی وہ انسان کے طبعی وجود کو واقعیت عطا کرتی ہے اور اسی لئے موت کے بعد حشر تک احیائے جسمانی (Resurrection of the Body) کی منتظر رہتی ہے۔ اس طرح اکوائناس نے احیائے جسمانی کے عیسائی عقیدہ کو تقویت بخشی۔ عیسائیت کا امتیاز یہ نہیں ہے کہ وہ حیات بعد الممات اور روح کی جاودانیت کی تعلیم دیتی ہے۔ ایسا عقیدہ تو دیگر مذاہب میں بھی پایا جاتا ہے۔ بلکہ عیسائیت کا امتیاز یہ ہے کہ وہ روح اور جسم کی امتزاج کو مدنظر رکھتی ہے۔ جب یہ عقیدہ شاعری کی سطح پر کارفرما ہوتا ہے تو اس کی بدولت دانتے کی شاعری دستور اثباتی کی شاعری بن کر عام تمثیلی شاعری سے مختلف ہو جاتی ہے اور بنیادی فرق یہی ہے کہ دانتے کے لئے یہ تجریدات (Abstractions) کی بجائے جسمانی پیکر یا طبعی وجود مرکزی حقیقت ہے جس میں دیگر حقائق منعکس نظر آتے ہیں۔ مثلاً دانتے کے ہاں بیاتریچے ایک منفرد لڑکی ہے، اور یہ بات وہ دانش خداوندی، یا الہام مقدس مظہر تجسیم خداوندی یا حامل برکت و

سعادت ہے اسی انفرادیت میں موجود ہے، اس سے باہر نہیں۔

اکوئناس کے نظامِ فکر کے مطابق کائنات مظہر خداوندی (Theophany) ہے اوراس کے مرکزی معنی خدا کی ذات سے تعبیر ہیں۔ زمان ومکان کی محدود اور بے ثبات دنیا اپنے آپ میں بے معنی رہتی ہے جب تک کہ اسے حقیقت لامحدود کی روشنی میں نہ دیکھا جائے۔ انسان کی عقل اوراس کا عزم (Will) اس دنیا سے محدود نہیں ہوتا اسی لئے انسان کی منزل اس دنیا سے ماوراء ہے۔ محض مادی تسکین جو خیر جزوی ہے کبھی انسانی روح کو تسکین کلی نہیں پہنچا سکتی، اور اگر انسان اسی تک اپنے آپ کو محدود رکھے تو انسانی زندگی بلکہ تمام کائنات بے معنی ہوتی ہے۔ جیسا کہ مادیت کے موجودہ دور میں بری طرح محسوس کیا جارہا ہے۔ اسی لئے اکوائناس کا عقیدہ ہے کہ انسانی روح فطرتاً خیر کلی کی خواہش رکھتی ہے جو خدا کی ذات سے عبارت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انسان کی ہر خواہش کا مقصود خیر ہے اوراس لئے ہر انسانی خواہش بجا و برحق ہے۔ مگر انسان کے کل وجود کا مقصود غائی خیر کلی ہے اوراس کی خواہش انسانی روح میں مضمر ہے، اوراس کی طرف انسان کی عقل اس کی رہنمائی کرتی ہے۔ جب اپنی خود مختاری کا صحیح استعمال نہ کرتے ہوئے نفس انسانی خیر جزوی میں ہی اٹک کر رہ جاتا ہے تو خیر کلی خواہش کی وجہ سے اپنے آپ روح میں ایک اذیت ناک تناؤ ہوتا ہے یہی تناؤ دانتے کے جہنم کا عذاب ہے جو ''عقل کی بھلائی'' کھو دینے کا فطری نتیجہ ہے۔ اکوئناس کا یہی نظریہ طربیۂ خداوندی میں ایک محسوس اور معنی آفریں تجربہ بن گیا ہے۔ طربیۂ خداوندی کے تجربہ کی فلسفیانہ توجیہہ اکوئناس کے اس نظریہ سے بھی ہوتی ہے کہ ہر ذی روح اپنے منفرد وجود کی تکمیل کی طرف راجع ہے، اور نتیجہ کے طور پر انسانی روح دوسری دنیا میں بھی اسی حالت میں رہتی ہے جو اس دنیا میں اس کے منفرد وجود کی حالت تھی۔ اسی طرح اکوائناس کا یہ نظریہ کائنات مظہری خداوندی ہے اور اس کے معنی خدا کی ذات سے تعبیر ہیں ایک محسوس آفرین تجربہ بن کر طربیۂ خداوندی کے رویا (Vision) کی صورت میں منکشف ہوتا ہے مگر ان سب نظریات کا سرچشمہ اساطیری تجربہ میں موجود ہے اور شاعری کے لئے یہ بات سب سے زیادہ اہم ہے۔

عموی طور پر دانتے کا جہنم جس کے مختلف طبقات ارسطو کی اخلاقیات سے مطابقت

رکھتے ہیں اکوئناس کے نظام کا مرہون منت ہے، اگر چہ دانتے کے شاعرانہ تخیل کے بغیر اس کا معرض وجود میں آنا ناممکن ہے۔اور یہی بات جنت کی ترتیب اور کائنات کے تصور کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے لیکن دانتے اکوئناس کے پابند نہیں ہیں۔اس سے اہم طور پر استفادہ ضرور کرتے ہیں۔بالخصوص وہ اپنے بیاترچے کے موضوع پر جو کہ ان کا مرکزی موضوع ہے اکوئناس کے اثر سے بہت دور معلوم ہوتے ہیں۔اور یہ اس کے لئے عورت محض افزائش نسل کا وسیلہ ہے۔اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ دانتے کی شاعری اکوئناس کے فلسفہ کے عین مطابق ہے تب بھی یہ فلسفہ شاعری کا بدل نہیں ہوسکتا۔فلسفہ کی اپیل عقل تک محدود ہے اور شاعری ایک جیتی جاگتی حقیقت محسوس ہے جو انسان کے کل وجود کو اپیل کرتی ہے اور اس معاملہ میں فلسفہ اس سے بہت پیچھے رہ جاتا ہے۔شاعری افکار و مجرد کی ترسیل نہیں کرتی بلکہ حسی پیکروں کے وسیلہ سے حقیقت کا انکشاف کرتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ دانتے نے اکوئناس سے اہم طور پر استفادہ کیا ہے۔لیکن اگر دانتے پر اکوئناس کا کوئی ایسا اثر ہے جسے تشکیل دہندہ (Formative) کہہ سکیں تو وہ امتزاج (Synthesis) کے معاملہ میں ہے۔اکوئناس کا یہ عظیم کارنامہ ہے کہ اس نے مذہبی عقائد کو جو زیادہ تر سینٹ آگسٹن کی افلاطونی عیسائیت سے ماخوذ تھے ارسطو کی عقلی تفہیمات سے ہم آہنگ کیا اور کائنات کا ایک مربوط، مرتبہ معنی آفرین تصور پیش کیا۔موجودہ دور میں ہم اکوئناس کے عظیم امتزاج کی اہمیت کا بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں۔کیونکہ ذہنی افراتفری کے اس دور میں ہمیں خود اکوئناس کی شدید ضرورت ہے۔لیکن ہمیں اس سے بھی زیادہ شدید ضرورت ایک دانتے کی ہے جو فکری امتزاج کو حقیقت محسوس میں ڈھال کر ان اقدار و معانی کا انکشاف کرے جو انسان کے کل وجود کو آسودگی بخشتے ہیں۔

اکوئناس کے اثر کے علاوہ دانتے نے دوسرے مختلف افراد سے استفادہ کیا ہے جیسے بوئی تھیس (Boethius)، پروونس کے نغمہ گر (Trobadours)، فرانکو اطالوی شعراء، صوفیا (Mythics) جن میں اسلامی صوفیا اور بالخصوص ابن العربی شامل ہیں، کلاسیکی ادب اور بالخصوص لاطینی ادب کی روایات، جوانمردی (Chivalary) اور رومان کی روایات، عیسائیت کی روایات، مذاہب کی فطری روایت، اساطیری روایت اور مختلف قصص بالخصوص معراج محمدی کے قصص۔

چونکہ ان تمام اثرات کی قلب ماہیت فن کے حسی پیکروں میں ہوگئی ہے۔ اس لئے فن کا بلا واسطہ ادراک ہونے پر ہی ان تمام اثرات کے علم سے ہمارے ادراک میں وسعت پیدا ہو سکتی ہے۔ اپنے آپ میں اثرات اور افکار و عقاید فن کے ادراک کے لئے کوئی کلید مہیا نہیں کر سکتے۔ دانتے کے افکار و عقاید کو ان کے فن سے الگ کرنا اسی لئے مشکل ہے کہ یہاں افکار و عقاید اپنا آزاد تجریدی وجود نہیں رکھتے بلکہ تجربہ میں ضم ہو کر حسی پیکروں کا جزو لاینفک بن جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ دانتے کے افکار و عقاید پر یقین نہیں رکھتے وہ بھی ان کی شاعری کی تحسین کرتے ہیں۔ دراصل شاعری کا ہم سے یہ تقاضا نہیں ہے کہ اس کے افکار و عقاید پر یقین کیا جائے بلکہ یہ افکار و عقاید کی حقیقت محسوس کا ادراک کیا جائے اسی کو شاعرانہ اذعان (Poetic Assent) کہتے ہیں۔ چنانچہ ایلیٹ کا کہنا صحیح ہے کہ دانتے کی شاعری کی تحسین کے لئے ان کے لئے عقاید کو ماننا ضروری نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ جب کوئی عظیم شاعر افکار و عقاید کو حقیقت محسوس میں منقلب کرتا ہے تو اس کے حسی پیکر تجربہ کے ان اساطیری نقوش کو اجاگر کرتے ہیں جو ان افکار و عقاید کی بلکہ انسانی آگہی کی جذباتی اصل ہیں (جیسا کہ کسرر نے انکشاف کیا ہے)، اور یہی بات عظیم شاعر کی آفاقیت اور ہمہ گیری کی ضامن ہوتی ہے۔ دانتے کی عظمت اس میں ہے کہ وہ افکار و عقاید کی اس اساطیری اصل تک نہیں پہنچتے ہیں جہاں انسانوں کے تمام اختلافات وجدانی حقایق کے احساس مشترک میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر طربیۂ خداوندی کے پیچھے جو مرکزی اسطور کارفرما ہے وہ ہے جذب عشق کی تحریک سے جستجوئے نجات یا جستجوئے حیات نو، یہ اسطوری اصل ان تمام افکار و عقاید اور اثرات کی روح ہے جن سے دانتے نے استفادہ کیا ہے چاہے وہ اکوئناس کے افکار اور عیسائی روایات ہوں چاہے، مذاہب فطری، یا اسلام، یا تصوف یا رومان کی روایات ہوں، افکار و عقاید کو حسی تجربہ میں ضم کرنے کے لئے شاعر کا ان دونوں ہی کی اسطوری اصل تک پہنچنا ضروری ہے۔ اور اس معاملہ میں دانتے دنیا کے عظیم ترین شاعر ہیں۔ فلسفیانہ مباحث کے جتنے بڑے بڑے ٹکڑوں کو جس کامیابی کے ساتھ شاعری میں دانتے نے ڈھالا ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔ اس معاملہ میں انگریزی کا عظیم شاعر ورڈز ورتھ دانتے کے آگے طفل مکتب معلوم ہوتا ہے۔ اور اپنی آخری دور کی نظم اکسکرژن (Excursion) میں ٹھوکریں کھاتا نظر آتا ہے۔

جس طرح دانتے کی شاعری افکار و عقاید سے استفادہ کرنے کے باوجود ان سے ماوراء ہے اسی طرح ان کی شاعری ادبی اور ثقافتی روایت سے استفادہ کرنے کے باوجود ان سے ماوراء ہے۔ ان کی شاعری نے جن ادبی روایات سے غذا حاصل کی ہے ان میں قریب ترین روایات فلور نطینی اطالوی شاعری کی روایات تھیں جس نے خود اپنے طرز کا نام ''طرز لطیف ونو'' (Dulce Still Nuovo) رکھا تھا۔ یہ شاعری فلور نطینی اطالوی زبان میں تھی جو صوبہ تسکنی کی زبان تھی۔ اور یہ زبان اطالیہ کے ہر علاقہ میں سمجھی جاتی تھی۔ تیرھویں صدی میں دانتے سے پہلے ہی اس زبان میں معیاری ادب تخلیق ہو رہا تھا۔ اور اپنے ''طرز لطیف ونو'' میں اطالوی کی دوسری بولیوں کے ادب سے سبقت لئے جا رہا تھا۔ دانتے کی تخلیقات نے اس زبان کو بہت جلد نہ صرف اطالیہ کی معیاری ادبی زبان بنا دیا بلکہ قوت بیان میں اسے یورپ کی تمام جدید زبانوں سے آگے بڑھا دیا۔ ایک طرف تو یہ زبان لاطینی سے قریب تھی اور لاطینی ادب کی روایات سے مملو تھی اور دوسری طرف فرانسیسی اور پرووانسال اثرات سے اس میں ایک نئی زندگی پیدا ہوگئی تھی۔ اس نئی زندگی کی ابتدا شہنشاہ فریڈرک دوم کے دربار سے ہوئی جہاں سے بہت پرووانسال نغمہ گر جمع ہو گئے تھے کہ جن کے اثر سے اطالوی ادب نے درباری عشق (Courtly Love) اور رومان کی روایات سے فیض حاصل کیا اور اظہار بیان اور تکنیک کے رسوم و آداب سیکھے۔ اس سسلی کے درباری اسکول میں ہی اطالوی غنائیہ کی بنیاد پڑی اور نظموں کی قسمیں، شکلیں اور بحریں متعین کی گئیں جن میں (Terza Rima) بھی شامل ہے۔ جس میں طربیہ خداوندی لکھی گئی۔ پرووانسال نغمہ گروں نے درباری عشق کے ذریعہ بارھویں صدی میں یورپ کو محبت کے ایک نئے تصور سے آشنا کیا تھا۔ غالباً اس تصور کے منابع میں مریم پرستی، تیوتانی شمال کی روایات اور جاگیردارانہ روایات کے علاوہ مشرقی اثرات اور خصوصاً عربی شاعری کے اثرات بھی تھے۔ اس تصور کے مطابق عشق ازدواجی حد بندیوں سے آزاد اور جنسی خواہشات سے مبرا ہونے کے ساتھ جذبہ پرستش اور جذبۂ عبدیت سے سرشار ہوتا ہے۔ عاشق شاعر محبوبہ کی ذات سے نفسانی تسکین کی بجائے حصول برکت و سعادت کا آرزومند ہوتا ہے محبوبہ کو محض بیوی کے روپ میں نہیں دیکھا جاتا۔ عام طور پر وہ کسی دوسرے آدمی کی بیوی یا عاشق شاعر کی مالکہ ہوتی ہے اور اس کے لئے ناقابل حصول اور مقدس ہوتی ہے اور اس کا عشق عاشق شاعر کو روحانی پاکیزگی اور نیکی کی توفیق عطا کرتا ہے۔

پرووانسال نغمہ گروں میں دانتے بالخصوص آرناٹ ڈینیل (Arnaut Dantel) سے اس تکنیک اور ندرت بیان کی وجہ سے متاثر ہوئے۔'' طرز لطیف ونو'' کے ہم عصر شعراء میں وہ گویدو گوینی چیلی (Gudio Guini Celli) اپنا معنوی پدر تسلیم کرتے ہیں۔ گویدو گوینی چیلی نے فلسفیانہ اور مابعد الطبعیائی مضامین کو غنائیہ شاعری میں سمو کر اس شاعری میں گہرائی پیدا کی اور عشق کی پاکیزگی اور محبوبہ کے تقدس کے تصور کو بلند تر کیا۔ یقیناً اس شاعر سے دانتے بہت متاثر ہوئے۔ اس کے بعد اپنے ہم عصر اور قریبی دوست گویدو کاول کانتی سے اس کے تکنیکی کمال کی وجہ سے بہت متاثر ہوئے دانتے قدیم فرانسیسی سے بخوبی واقف تھے اور جوانمردی اور رومان کی روایات سے انہوں نے گہرا اثر قبول کیا۔ بالخصوص دولاں کی داستان اور رومان دی لاروز سے مذہبی شعراء جیسے فرانسسکن شاعر جے کو پون داتودی اور معلمانہ شعراء جیسے ان کے استاد برونتو لاطینی سے بھی انہوں نے فیض حاصل کیا۔ لاطینی ادب کے گہرے مطالعہ کے باعث وہ ان بلندیوں سے بخوبی واقف تھے جو عظیم شاعری مثلاً ورجل (Virgil) کی شاعری چھو لیتی ہے۔ اور دوسری طرف وہ ان مختلف قصص سے بھی آشنا تھے جو عوام میں مقبول تھے، یعنی رومانی قصہ اور دوسری دنیا کے سفر اور اسری اور معراج کے قصص۔ اکوئناس اور البرٹس سے فیض حاصل کرنے کے علاوہ جن صوفیا سے دانتے نے گہرا اثر قبول کیا ان میں سینٹ آگسٹن، سینٹ بوناونچر (St. Bona Venture) اور سینٹ برنارڈ (St. Bernard) خاص ہیں۔ اسلامی صوفیا میں ابن العربی نے جس کتاب الاسرار اور الفتوحات المکیہ میں روح کے سفر کی تمثیل معراج محمدی کے نمونہ پر ملتی ہے دانتے کو ضرور متاثر کیا ہوگا۔ ہسپانوی عالم میگویل آسین Miguel Asian نے اپنی کتاب اسلام اور طربیۂ خداوندی Islam and Divine Comedy میں اسے ثابت کرنے کی عالمانہ کوشش کی ہے۔ لیکن ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ دانتے دوسری دنیا کے سفر کی اسطوری اصل سے واسطہ رکھتے ہیں اور اس کیلئے انہوں نے متعدد اثرات سے استفادہ کیا ہے اور شاعری کے لئے یہ اسطوری اصل اثرات سے زیادہ اہم ہے اور اسی کی بدولت اثرات سے استفادہ کرنے کے باوجود ان سے ماوراء ہو جاتی ہے۔ دانتے کا یہی اعجاز ہے کہ متعدد اور متنوع اثرات سے استفادہ کرنے کے باوجود ان کی شاعری ان اثرات سے ماوراء ہے۔ ایک طرف تو وہ نہایت سہل

داستان ہے۔اور دانتے سے بڑا داستان گو شاید ہی کوئی اور ہو۔اور دوسری طرف اس کے معنی پھیلتے جاتے ہیں اور بالآخر لامحدود ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ ذات خداوندی کی تفسیر بن جاتے ہیں۔اگر دوٹوک بات کہی جائے تو اس اعجاز کو توجیہہ یہی ہے کہ دانتے کا مرکز توجہ منفرد جسم ہے، حکمت، فلسفہ، مذہب یا تصوف نہیں ہے، اور جسم مقدس ہے اور ذات خداوندی کا مظہر ہے۔جسم حقیقت محسوس ہے اور اساطیری جو فن کے حسی پیکروں میں اجاگر ہوتے ہیں منفرد، جسمانی اور محسوس حقیقت سے ہی واسطہ رکھتے ہیں، اگر چہ ان کا جذباتی اور فکری پھیلاؤ کل انسانی آگہی کا احاطہ کر لیتا ہے۔ منفرد، جسمانی اور محسوس حقیقت ہی دانتے کی شاعری کو اساطیری وقعت کا حامل بناتی ہے۔اکوئناس نے ٹھیک ہی تو کہا تھا کہ ''صرف منفردات ہی لامحدود ہوتے ہیں۔''

مثال کے طور پر پاکیزہ عشق کا جو تصور پرووانسال نغمہ گروں نے پیش کیا ہم اہل مشرق کے لئے جانی پہنچانی بات ہے۔یہ ہماری شاعری اور تصوف کی عام روایت ہے وہی سوز گداز وفا اور جفا کا تصور، وہی عشق مجازی سے عشق حقیقی کی طرف بڑھنے کی داستان۔مگر اس طرح کی ''عاشقانہ'' اور ''صوفیانہ'' شاعری اور دانتے کی شاعری میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔دانتے کے لئے عشق مجازی اور عشق حقیقی میں کوئی ثنویت (Dichotomy) نہیں ہے، بلکہ دونوں ایک ہی ہیں۔محبوب ارضی ہی میں محبوب ابدی جلوہ گر ہے۔اس کا منفرد جسمانی وجود ہی خدائے لامحدود کا مظہر ہے، اور یہ وجود نہایت حیرت انگیز اور اعجاز نما ہے اور اس سے عاشق کو عشق ہے۔اس منفرد جسمانی وجود میں خدائے لامحدود اپنے آپ کو ظاہر کر کے عشق کے ذریعہ انسان کو اپنی طرف کھینچتا ہے، اور یہی وہ کشش ہے جو تمام موجودات کی علت غائی ہے۔دانتے کے لئے بیاترچے ایک منفرد لڑکی ہونے کی بدولت ذات لامحدود کا مظہر ہے اور برکت وسعادت اور تنزیل الٰہی کی علامت ہے۔''جسم مقدس'' کی انفرادیت پر یہ ارتکاز توجہ دانتے کو ''طرز لطیف ونو'' کے شعراء سے ممتاز اور بلند کرتا ہے اور اسی طرح رومانی ادیبوں اور صوفیاء اور مفکرین سے بھی۔ان لوگوں کا ادب یا تو محض جسم نواز ہے یا محض روح نواز، اور جہاں جسم اور روح کو جوڑنے کی کوشش کی گئی وہاں جوڑ خود بتا رہا ہے کہ ادیب کے ذہن میں یہ دو الگ الگ ہستیاں ہیں۔مگر دانتے جو دستور اثباتی کے شاعر ہیں کائنات کی معقولیت پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ حواس کی دنیا کو ایسی حقیقت مقدس مانتے ہیں جس

کی نفی نہ عقل کرتی ہے نہ مذہب۔ یہاں یہ بات کہنا بے جا نہ ہوگا کہ دانتے کے ہاں عقل محض منطقی عقل یا عقل مجرد نہیں ہے بلکہ اس میں تصور اور وجدان بھی شامل ہیں۔ طربیۂ خداوندی میں اس کی علامت ورجل ہے۔ دانتے انسان کے وجودِ کلی کو مدنظر رکھتے ہیں، اور ان کا ایمان ہے کہ ہر انسان اپنے وجودِ کلی، اپنے جسم، اور روح اور دماغ کے ساتھ معرفت الٰہی کی استطاعت رکھتا ہے، اور یہی اس کے منفرد وجود کی فطری تکمیل ہے۔ ان کی عظیم ترین شاعری منفرد وجود کی تکمیل اور کائنات میں اس کے معنوی مقام کے بارے میں ہی ہے۔ انکی شاعری میں کردار منفرد وجود نہیں کھوتے، بلکہ ان کا منفرد وجود زیادہ شدید اور معنی آفرین ہو جاتا ہے۔ ان کی شاعری اس حقیقت کی بھی تصدیق کرتی ہے کہ معرفت الٰہی کی راہ انسانوں میں سے ہو کر گزرتی ہے۔ وہ شہر کی سڑکوں سے، فلورنس، یا لندن یا دلی کی سڑکوں سے ہو کر اس "شہر" تک جاتی ہے جس کے ہم سب شہری ہیں، اس "روم" تک جہاں مسیحؑ ایک رومن ہیں اور ان کی شاعری اس حقیقت کی بھی تصدیق کرتی ہے کہ معرف الٰہی کی راہ پر چلنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان دوسروں کے منفرد وجود کو پہچاننے کے ساتھ ساتھ خود اپنے منفرد وجود کو بھی پہنچانے۔

ہر شے اپنا منفرد وجود حاصل کرتے ہوئے ہی ذات خداوندی کی عکاسی کرتی ہے۔ جس کے جلوہ لامحدود ہیں۔ جہنم کی آگ جیسا کہ سینٹ کیتھرین آف جیوا (St. CATHERINE Of GENOA) نے کہا ہے کہ خدا کا نور ہی ہے جو آگ بن جاتا ہے ان کیلئے جو اس کے منکر ہیں یعنی[1] ان کے لئے جو گناہ کے قریب میں مبتلا رہتے ہیں تقدس کی حقیقت تابناک تحمل ہوتی ہے مقام کفارہ (Purgatory) میں تائبین کے لئے یہ حقیقت محض اس وقت تک عذاب رہتی ہے جب تک

---

1۔ PURGATORY نہ تو مقام آزمائش ہے جہاں سے کوئی دوزخ یا جنت میں پہنچتا ہے، نہ توبہ کرنے کا دوسرا موقع ہے، اس لئے کہ توبہ وہ وہی ہوتی ہے جو مرنے سے پہلے کی جائے، چاہے وہ رسمی ہو یا غیر رسمی۔ نہ PURGATORY کوئی عارضی دوزخ ہے جو صرف "اپنوں" کیلئے ہوا اور نہ اغیار خوش اطوار کے لئے کوئی انتظام رہائش ہے اور نہ ہی حوالات یا طاق انتظار (Wating Room) ہے جہاں روحوں کو کسی خاص مدت کے لئے رکھا جائے۔ PURGATORY وہ مقام ہے جہاں روح اپنی مرضی سے اذیت قبول کرتی ہے، گناہ کی کثافت سے اپنے آپ کو پاک کرنے کی خاطر یعنی اسی طرح کفارہ ادا کرتی ہے۔ ان تمام وجوہات کی بنا پر ہم نے PURGATORY کے لئے "مقام کفارہ" استعمال کیا ہے جو برزخ یا صراط یا اعراف کے مقابلہ میں دانتے کے PURGATORY کے تصور سے زیادہ قریب ہے۔

کہ گناہ واقعی اور امکانی گناہ کی کثافت روح میں باقی رہتی ہے اور تب تک تائبین اس کثافت سے پاک ہونے کی خاطر عذاب کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ کثافت سے پاک ہو کر روح جنت کی طرف پرواز کرتی ہے اور حیات نو کی برکتوں سے سرشار ہوتی ہے اور جنت میں اپنی استطاعت کے مطابق قرب خداوندی حاصل کرتی ہے، یعنی ذات خداوندی کے اتنا ہی قریب ہوتی ہے جس درجہ تک اس نے اپنے منفرد وجود کی تکمیل کی ہے جو قدرت ہر شے کو اس کا اپنا منفرد وجود عطا کرتی ہے اور اس کی تکمیل کی طرف راجع کرتی ہے وہ ہے عشق، عشق جو ہر شے کی علت غائی بھی ہے اور علت فعلی بھی، اور تمام کائنات کے معنی عشق ہی سے عبارت ہیں جو خداوندی کا دوسرا نام ہے۔ عشق ہی سے عذاب بھی ہے اور برکت و سعادت بھی۔ عشق اصل کائنات بھی ہے اور حاصل کائنات بھی ہے اور حاصل کائنات بھی۔ عشق کا جتنا ہمہ گیر اور جامع تصور ہمیں دانتے کے ہاں ملتا ہے دنیا کے کسی ادیب کے ہاں نہیں ملتا، اور پھر یہ کہ اس تصور کا انکشاف نہایت محسوس اور معنی آفریں تجربہ کی صورت میں ہو، یہ بات دنیا کے کسی ادیب میں نہیں ملتی۔

تکمیل وجود کا تعلق حصول خیر سے ہے، اور چونکہ خدا کی ذات جو وجود کامل ہے خیر کلی کے مترادف ہے اس لئے خدا عشق ہے۔ طربیۂ خداوندی میں ورجل کہتا ہے میرے فرزند" ہرگز نہ تھا خالق، اور نہ ہی مخلوق بغیر عشق کے"۔ انسان کی ہر خواہش عشق ہے اور چونکہ خواہش عشق ہے اور چونکہ ہر خواہش کا مقصود خیر ہے اس لئے تمام خواہشات بجا و برحق ہیں۔ اپنے آپ میں جبلی خواہش کی تسکین گناہ نہیں ہے۔ لیکن عقل و قوت تمیز انسان کو حیوان سے ممتاز کرتی ہے، اور انسانی فطرت میں خیر کلی خواہش کو بیدار کرتی ہے۔ اگر خواہشات عقل یا قوت تمیز کی تابع نہ رہیں تو خیر جزوی کی خواہش متجاوز خیر کلی کی خواہش سے آزاد ہو جاتی ہے اور خواہشات میں تناسب بالترتیب قائم نہیں رہتی اور عشق غیر متناسب اور غیر مرتب ہو جاتا ہے۔ اور جب ایسا ہوتا ہے یعنی جب انسان عقل یا قوت تمیز سے کام نہ لے کر محض خیر جزوی کا انتخاب کرتا ہے تو اپنی فطرت پر ظلم کرتا ہے اور گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ عشق غیر مرتب کی دنیا دوزخ ہے اور عشق مرتب کی دنیا جنت۔ اسی لئے طربیۂ خداوندی میں ورجل کہتا ہے "یہ غور کر کہ کس طرح عشق انسانوں میں نہ صرف ہر نیک عمل کا بلکہ ہر قابل سزا عمل کا تخم بھی ہے"۔ دوزخ میں وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو محض خیر جزوی کی خواہش تک

محدود کر کے خیر کلی کی فطری خواہش کو دبا دیتے ہیں اور اس طرح خود اپنی روح میں تناؤ پیدا کر کے گرفتار ہو جاتے ہیں۔ ان کا عشق غیر مرتب ہونے کی وجہ سے باعث عذاب بن جاتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے عقل کی بھلائی کو کھو دیا ہے ان کی وہ کیفیت ہے جس انسانی کی قوت تمیز مفلوج ہو جاتی ہے اور اس کا ارادہ یا عزم آزاد نہیں رہتا۔ اس کیفیت سے موجودہ دور کے نفسیاتی معالج باخبر ہیں [1]۔ چونکہ انسان کے عزم اور عمل خواہش اور ارادہ کے بیچ خلیج رہتی ہے۔ (جیسا کہ سینٹ پال نے اشارہ کیا ہے) اس لئے ضرورت ہوتی ہے کہ ایمان کی جو عشق مرتب کی ایک شکل ہے۔ طربیۂ خداوندی کے موضوع کے ارتقاء میں جب یہ مقام آتا ہے تو ورجل غائب ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ بیاترچے دانتے کی رہنما بن جاتی ہے۔ عشق مرتب کے لئے دوسرے کے منفرد وجود کا اثبات لازمی ہے۔ جب انسان گمراہ ہو جاتا ہے تو دوسرے میں محض اپنی خواہش نفس کا عکس دیکھتا ہے۔ اور باطل صورتوں کی دنیا میں گرفتار ہو کر رہ جاتا ہے۔ طربیۂ خداوندی میں ''زن فریب کار'' یا ''سائرن'' (Siren) ایسی باطل صورت کی علامت ہے۔ عرفان حقیقت کے لئے اور اپنے نفس کی سالمیت کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان دوسرے کے منفرد کا ادراک کر کے اس میں خدا کا عکس دیکھے، اور کائنات کی ہر چیز کو مقدس اور تجسیم خداوندی (Incarnation) کی علامت جان کر خدا کی ذات تک پہنچنے کا وسیلہ سمجھے جو خیر کلی ہے۔ یہی عشق مرتب ہے، اور عشق مرتب انسان کی دنیا اور خدا کی ذات کے انضمام کا احساس ہے، اس انضمام کی علامت مسیحؑ کی تجسیم خداوندی ہے، اور تجسیم خداوندی پر ایمان اس انضمام کے احساس کی ضمانت ہے۔ اس ایمان سے انسان کا عشق خدا کے عشق کا جواب بن کر مرتب اور مکمل ہوتا ہے اور خواہش اور ارادہ کی حرکت ایک ہو جاتی ہے۔ ''جیسے کہ کوئی پہیا بغیر اٹکے ہوئے آزادانہ حرکت کرتا ہے اور اسی طرح میری خواہش اور ارادہ عشق کی قدرت سے گھومتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے، وہ عشق جو حرکت دیتا ہے سورج کو اور تمام ستاروں کو''۔

ان الفاظ پر دانتے کی طربیۂ خداوندی کا اختتام ہوتا ہے۔ آج کل کے ''عقلی دور''

---

1۔ مثال کے طور پر دیکھئے (Leslec Paul The meaing of Human (London 1949)

میں جبکہ عقل انسان کے وجود کلی سے آزاد ہو کر محض چالاکی یا محض منطقی اور سائنسی عقل بن کر رہ گئی ہے عشق کے اس پیغام کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ دانتے کے لئے عقل جس کی علامت ورجل ہے وجدان اور تصور سے مملو اور عشق اور الہام کی تابع ہے۔ آج جب کہ عقل بے زمام ہے اور عشق بے مقام ہے دانتے کی شاعری جو حصول نجات اور تجدید حیات کی حقیقت محسوس سے ہمیں آشنا کرتی ہے ہمارے لئے کتنی وقیع ہے! عشق کی نظر وجود منفرد پر مرکوز ہوتی ہے اور فن وجود منفرد کی لامحدودیت میں اقدار و معانی کی حقیقت محسوس کا انکشاف ہے۔ چنانچہ دانتے کے لئے فن کی تخلیق بھی عشق کی تحریک سے ہی عمل میں آتی ہے۔ طربیۂ خداوندی کی نجات یا اکملیت یا تجدید شعور کی راہ ہے جو بیاترچے کے منفرد وجود سے شروع ہو کر خدائے لامحدود تک پہنچتی ہے، اور رویائے سعادت (Beatific Vision) کی لامحدود وسعتوں سے فنکار کو آشنا کرتی ہے۔

# ''حیاتِ نو'' اور دیگر تصانیف

دانتے نے حیاتِ نو (Vita Novua) بیاترچے کی وفات کے بعد 1299ء میں یا اس کے کچھ بعد تصنیف کی۔ یہ نظم دانتے کی حیاتِ عشق کی داستان ہے۔ یقیناً دانتے کی شخصی زندگی ان کے فن کا موادِ خام ہے، جس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ زندگی اور فن ایک دوسرے کے مترادف ہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ واقعاتِ زندگی کی قلبِ ماہیت فنی علامات میں ہوگئی ہے۔ دانتے کے فن کا ان کی زندگی سے گہرا تعلق ہے، مگر واقعاتِ زندگی کی ہو بہو تصاویر فن پر تلاش کرنا، یا ان واقعات کی بنا پر فن کی تنقید کے لئے معیار وضع کرنا، کج فہمی کی بات ہوگی۔ فن زندگی سے تاثرات قبول کرنے کے باوجود زندگی سے، زمان و مکاں کی دنیا سے ماوراء ہوتا ہے۔ فن انسانی شعور کی وہ علامتی شکل (Symbolic Form) ہے جو کسی جانی پہچانی حقیقت کی تصور نہیں بلکہ اقدار و معانی کی اس حقیقت محسوس کا انکشاف (Discovery) ہے جو زمان و مکان میں ہوتے ہوئے زماں و مکان سے ماوراء ہے۔

حیاتِ نو اس معنی میں حیاتِ نو ہے کہ یہ دانتے کی حیاتِ عشق کی داستان ہے اور اس معنی میں بھی کہ یہ نظم تجدیدِ حیات کے بارے میں ہے (جو ایک اساطیری موضوع ہے)۔ اور دونوں صورتوں میں حیاتِ نو حیاتِ عجیب بھی ہے، کیونکہ اطالوی زبان میں (Nucvo) کے دونوں معنی

ہیں، یعنی ''نیا'' بھی اور ''عجیب'' بھی۔

یہ نظم عالمی ادب کے معیار سے ایک عظیم نظم ہے۔ یہ اور بات ہے کہ دانتے کی شاعری کے معیار سے ان کی شاعری میں یہ نظم بھی ایک ادنیٰ درجہ رکھتی ہے۔ یہ اکتیس غنائیہ نظموں (پچیس سانیٹ (Sonnets)، پانچ کینزونی (Canzoni) اور ایک بیلاٹا (Ballata) اور نثر کے تبصرہ پر مشتمل ہے۔ عام طور سے ہر نظم کے بعد نثر میں نظم کے تبصرہ کا تجزیہ اور تشریح کی گئی ہے۔ اپنی شگرفیت کے اعتبار سے حیات نو اپنی نوع کی ایک ہی نظم ہے۔ اس کا نفس مضمون ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

شاعر ہمیں بیاترچے سے پہلی ملاقات کے بارے میں بتاتا ہے، اس وقت اس کی عمر کے نو سال پورے ہو چکے تھے اور بیاترچے کا نواں سال لگا تھا۔ اس نے جب بیاترچے کو دیکھا تو وہ کہتا ہے:۔

میری روح حیات جو دل کے مرموز ترین نہاں خانہ میں رہتی ہے اتنی شدت سے لرزنے لگی کہ میرے بدن کی چھوٹی سے چھوٹی نبضوں میں بھی اہتزاز پیدا ہوا اور روح حیات لرزتے ہوئے پکار اٹھی ''دیکھو ایک دیوتا جو مجھ سے زیادہ قدرت والا ہے آ گیا ہے جو اب آ کر میرے اوپر حکمرانی کرے گا''۔ روح حیوانی جو اس خانۂ بالا میں رہتی ہے جہاں روحیں ادراک لے کر جاتی ہیں گویا ہوئی، بالخصوص روح بصارت سے ''اب تمہاری مست کامل آشکار ہوئی ہے''۔ اور روح طبعی جو اس حصہ میں رہتی ہے جہاں ہماری غذا جذب ہوتی ہے رونے لگی اور روتے ہوئے بولی ''افسوس! اب آئندہ کتنی دفعہ ہم پریشان ہوں گے''۔!

اس واقعہ کے نو سال بعد بیاترچے سے دانتے کی سر راہ ملاقات ہوتی ہے۔ کیا ہوا یہ خود دانتے کے الفاظ میں سنئے!

ایسا ہوا کہ یہ حیرت انگیز خاتون ظاہر ہوئی، سفید ترین لباس میں دو عمر رسیدہ خواتین کے درمیان اور جب وہ سڑک پر میرے سامنے سے گذر رہی تھی تو اس نے اپنی نگاہیں ہاں ڈالیں جہاں میں کھڑا ہوا کانپ رہا تھا اور اپنے ناقابل بیان خلق سے کہ جس کا ثواب اب دوسری اور بہتر دنیا میں ہے اس نے مجھے ایسا نیکی آمیز سلام بھیجا کہ وہیں اسی دم مجھے محسوس ہوا کہ از خود رفتہ ہو کر مسرت و سعادت کی آخری حدوں تک پہنچ گیا ہوں۔ اور جبکہ یہ پہلا موقع تھا کہ اس کے الفاظ میرے کانوں

تک پہنچے۔ میرے اور ایسی کیفیت وجد طاری ہوئی جیسے کہ نشہ میں مست ہو گیا ہوں۔ اور میں نے ہر ایک انسان سے گریز کیا اور خود کو تنہا کمرہ میں بند کر لیا تا کہ میں غور کروں اس عجوبہ خلق پر۔

اس کے بعد ایک خواب کا بیان ہے۔ خواب میں ایک ابر شعلہ گوں نمودار ہوتا ہے جس میں دانتے کو ایک بار عجب پیکر نظر آتا ہے جو کہ عشق ہے۔ عشق خوش ہے اور ایک سوئی ہوئی حسینہ کو اٹھائے ہوئے جسے دانتے[1] پہنچان لیتا ہے کہ بیاترچے ہے اور عشق کے ہاتھ میں شعلہ کناں دانتے کا دل ہے۔ عشق بیاترچے کو جگا کر اس جلتے ہوئے دل کو کھانے کو کہتا ہے۔ بیاترچے تعیل کرتی ہے حالانکہ ڈرتی جاتی ہے۔ عشق کی خوشی آنسوؤں میں بدل جاتی ہے۔ پھر عشق بیاترچے کو لئے ہوئے آسمان کی طرف پرواز کر جاتا ہے اور جذبات کے غلبہ سے دانتے کی نیند کھل جاتی ہے وہ اس خواب کے بارے میں ایک سانیٹ لکھتا ہے جس میں اپنے ہم عصر شعراء سے خواب کے معنی پوچھتا ہے۔ شاعر نے قارئین کے لئے سانیٹ اور اس پر شرح اور تبصرہ درج کیا ہے ہم عصر شعراء کے جوابات بھی جس میں گوئدو کاول کانتی بھی ہے درج ہیں۔ خواب کے معنی اس وقت کوئی نہیں بتا سکا لیکن اب یہ معنی سب پر روشن ہیں۔ یہ ضرور ہوا کہ دانتے کے سانیٹ سے متاثر ہو کر گویدو کاول کانتی دانتے کا ''پہلا دوست'' بن گیا......

دانتے عشق کے غم میں اتنا گھل جاتا ہے کہ دوست متوجہ ہوتے ہیں جن سے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اسے عشق ہو گیا ہے، لیکن وہ یہ راز کسی کو نہیں بتاتا...... کلیسا میں دانتے بیاترچے کی طرف دیکھ رہا ہے۔ ایک دوسری خاتون اس کی نظر کو اپنے لئے سمجھتی ہے۔ اور نظر کا جواب نظر سے دیتی ہے دوسرے لوگ بھی اس خاتون کو دانتے کی منظور سمجھتے ہیں دانتے اس دوسری خاتون کو اپنے عشق کی ''آڑ'' یا ''پردہ'' بنالیتا ہے۔ کچھ سال بعد یہ ''خاتون پردہ صفت'' شہر چھوڑ دیتی ہے اور دانتے کو تشویش لاحق ہو جاتی ہے...... خواب میں عشق ایک زائر کے روپ میں ظاہر ہو کر ایک دوسری ''خاتون پردہ صفت'' کا حوالہ دیتا ہے۔ دانتے اس خاتون پر فریفتہ ہونے کا اس قدر رشد و مد سے اظہار کرتا ہے کہ خود بیاترچے بدگمان ہو جاتی ہے اور اس سے بولنا چھوڑ دیتی ہے۔

---

1 نظم کے ہیرو دانتے کے لئے اس کتاب میں صیغۂ واحد استعمال کیا گیا ہے۔

شاعر بیاترچے کے سلام کا بیان کرتا ہے (یہاں ''سلام'' یا (Salutation) کے معنی سلام اور سلامتی یا نجات دونوں ہیں)

میری محبوب خاتون اتنی نیک دل اور پاکیزہ دکھائی دیتی ہے
جب وہ سرراہ سلام کرتی ہے
کہ زبان لرزتی ہے اور اس سے کچھ کہتے نہیں بنتا
اور آنکھیں جو دیدار کی مشتاق ہیں اس کی تاب نہیں لاسکتیں
اور ہنوز اس تحسین وستائش کے درمیان جو وہ سنتی ہے
وہ لباس انکسار میں ہی چلتی ہے
اور ایسی مخلوق معلوم ہوتی ہے جو آسمان سے بھیجی گئی ہو قیام کے لئے
زمین پر اور ظاہر کرنے کیلئے ایک معجزہ مصدقہ کو
وہ انسانوں کی نظروں میں اتنی خوش آیند ہے
کہ اس کے دیدار سے دل وجان کو حاصل ہوتی ہے
ایک ایسی لطافت جس نے آشنا ہونے کیلئے ثبوت کی ضرورت ہے
اور اس کے لبوں سے نکلتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔
ایک ایسا اثر سکوں بخش جو عشق سے سرشار ہے
اور جو روح کو ہمیشہ یہی پیغام دیتا ہے کہ ''آہ بھر!''

دانتے کے لئے بیاترچے کا سلام ہی اس کی واحد آرزو ہے۔ اس سلام کا اس پر جو اثر ہوا ہے جو حیرت انگیز ہے۔

میں یہ عرض کروں کہ جب وہ ظاہر ہوتی کسی سمت سے
تب اس کے معجزہ نم سلام کی آس میں
میرے لئے کوئی دشمن باقی نہیں رہتا
بلکہ انسانی ہمدردی کا ایک ایسا مشغلہ مجھ پر حاوی ہو جاتا
کہ جو مجھے بخش دینے پر مجبور کر دیتا ہر اس شخص کو

جس نے کبھی مجھے ضرر پہنچایا ہو، اور اگر اس لمحہ
کوئی مجھ سے پوچھتا کسی بھی چیز کے بارے میں
تو میں بصورت عاجزانہ فقط یہی جواب دیتا — ''عشق''

باب نمبر 12 میں دانتے روتے روتے سوجاتا ہے کیونکہ بیاترچے اس سے بات نہیں کرتی۔ وہ خواب دیکھتا کہ عشق ایک سفید پوش نوجوان کے روپ میں اس سے کہہ رہا ہے'' میرے فرزند' اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اپنی بہانہ بازیاں ترک کردیں''۔ دانتے اس کی طرف دیکھتا ہے تو عشق روتا ہے اور سبب پوچھنے پر کہتا ہے'' میں ایک دائرہ کے مرکز کی مانند ہوں جو محیط کے تمام حصوں سے برابر کا تعلق رکھتا ہے، مگر تو ایسا نہیں ہے''۔ اس مرموز جملہ کا مطلب عشق نہیں بتاتا۔ وہ کہتا ہے کہ بیاترچے تجھ سے پیام سلام اس لئے نہیں کرتی کہ آڑ والی خاتون کو تجھ سے تکلیف پہنچی ہے۔ عشق دانتے کو بیاترچے کے لئے ایک نظم لکھنے کی تلقین کرتا ہے اور غائب ہوجاتا ہے۔ بیدار ہونے پر شاعر کو معلوم ہوتا ہے کہ اس نے یہ خواب دن کے نو بجے دیکھا تھا۔ وہ نظم لکھتا ہے جسے قارئین کے لئے درج کیا گیا ہے اور حسب معمول اس سے متعلق تجزیہ اور تشریح بھی درج کی گئی ہے۔ ایک اور سانٹ میں شاعر اپنی حالت کے تضاد پر غور کرتا ہے جس میں ایک طرف عشق کی برکتیں ہیں اور دوسری طرف درد وغم...... دانتے ایک شادی کی دعوت میں شریک ہے۔ بیاترچے بھی موجود ہے۔ دعوت کے دوران دانتے پر ایک عجیب لرزہ کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ اس کی حالت غیر ہوجاتی ہے۔ اس کے بقول اس کے سارے حواس ناریل ہوجاتے ہیں بجز بصارت کے جس کی جگہ عشق لے لیتا ہے۔ دوسرے مہمانوں کو حیرت ہوتی ہے اور وہ بیاترچے سے ہم کلام ہوکر دانتے کا مذاق اڑاتے ہیں، اور بیاترچے بھی محظوظ ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ دانتے کو ایک دوست محفل سے باہر لے جاتا ہے۔ حواس بجا ہونے پر دوست کے اس سوال کے جواب میں کہ تجھے کیا ہوگیا تھا دانتے کہتا ہے۔ میرے قدم زندگی اس خطہ میں پہنچ گئے تھے جس کے آگے کوئی انسان نہیں جاسکتا اگر وہ ارادہ رکھتا ہو واپسی کا''۔ وہ گھر لوٹ آتا ہے۔ اپنے'' اشک کدہ'' کو وہ ایک سانیٹ میں خود سے سوال کرتا ہے تو کیونکہ بیاترچے کے دیدار کی اتنی آرزو کرتا ہے جبکہ اس کے دیدار سے تیری حالت ایسی غیر ہوجاتی ہے۔ ایک'' ناچیز خیال'' یہ جواب دیتا ہے کہ اس کے حسن کی یاد میں

اتنا زور ہے کہ اس کے حسن کے اثر کو حافظہ سے مٹا سکتی ہے۔ باب نمبر 16 میں اسی طرح کے دوسرے معاملات پر غور کیا گیا ہے۔

اگلے تین ابواب میں دانتے کی فکر ایک نیا موڑ لیتی ہے جو غنائیہ شاعری کی روایت میں ایک تاریخی موڑ ہے۔ اس کے ساتھ واردات عشق میں تصوف اور مذہبی تجربہ کے تاثرات شامل ہو جاتے ہیں۔ عاشق کو محبوبہ کے پیام سلام کی آرزو نہیں رہتی، وہ صرف اس کی ستائش کے لئے ہی اپنے آپ کو وقف کر دیتا ہے۔ اور اسطرح اس کا عشق دنیائے فانی کے حدود سے آگے نکل جاتا ہے۔

اے خواتین، تم جو عشق کو سمجھتی ہو،
میں تمہیں اپنی محبوب خاتون کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں
اس لئے نہیں کہ میں اس کی ستائش کی انتہا کو پہنچنا چاہتا ہوں
بلکہ اس لئے کہ میں اس بیان سے اپنے دماغ کو راحت دینا چاہتا ہوں
میں یہ عرض کروں گا کہ جب میں اس کی وقعت کے بارے میں سوچتا ہوں
تو مجھے عشق کا احساس اتنی شدید لطافت کے ساتھ ہوتا ہے
کہ اگر اس دم میرے حوصلے ٹوٹ نہ جائیں
تو اپنے بیان میں سے دوسروں کو عاشق بنا ڈالوں
میں اپنے بیان کی پرواز میں اتنی رفعت نہیں چاہتا
کہ مارے خوف کے بزدل ہو جاؤں
بلکہ میں کرنا چاہوں گا اس خاتون کا ذکر لطیف
ہلکے اور نازک انداز میں
صرف تم سے خواتینو اور دوشیزاؤ کہ جو عشق سے بہرہ ور ہو
کیونکہ یہ ایسا موضوع نہیں ہے جو دوسروں کے آگے بیان کیا جائے
ایک فرشتہ خدا کے ذہن میں پکار کر
کہتا ہے! " خداوند دنیا میں دیکھا جا سکتا ہے
ایک معجزہ عمل میں آتے ہوئے جس کا ظہور ہوتا ہے

ایک ایسی روح جس کی آب وتاب یہاں تک پہنچتی ہے
آسمان جس کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں ہے
بجز اس خاتون کے اسے پانے کے لئے درخواست کرتا ہے اپنے ملک سے
اور ہر ولی اس کرم کی برکت کا خواستگار ہوتا ہے
صرف رحم ہماری طرف ہوتا ہے دفاع کے لئے
پس خدا فرماتا ہے میری خاتون کو ذہن میں رکھتے ہوئے
''میرے محبوب ابھی برداشت کرو سکون کے ساتھ
تا کہ تمہاری امید اتنے عرصے رہے جتنا کہ مجھے منظور ہے
وہاں جہاں ایک وہ شخص ہے جس کے نصیب میں اسے کھونا ہے
اور جو پکار کر کہے گا جہنم میں آہ میری بدبختی!
میں نے دیکھی ہے ارواح متبرک کی امید!''

میری خاتون مطلوب ہے عرش معلیٰ پر
اب میں یہ چاہوں گا کہ تمہیں اس کے اوصاف کا علم ہو
میں کہتا ہوں کہ جو کوئی بھی عورت شریف خاتون دکھائی دینا چاہتی ہے
اسے چاہئے کہ جائے میری خاتون کے ہمراہ، کیونکہ جب وہ گذرتی ہے
تو رذیل دلوں میں عشق افسردگی پیدا کر دیتا ہے
جس سے ان کا ہر خیال یخ بستہ ہو کر فنا ہو جاتا ہے
اور جو کوئی بھی کھڑا ہو کر اس کے نظارہ کی تاب لائے گا
شریف النفس بن جائے گا یا پھر مر جائے گا......
عشق اس کے بارے میں کہتا ہے ایک فانی شے
کیونکر اتنی حسین اور پاکیزہ ہوسکتی ہے!
پھر وہ اس پر نگاہ کرتا ہے اور قسم کھا کر شہرت دیتا ہے

کہ یقیناً خدا کو یہ منظور ہے کہ اسے بنا دے کوئی نئی شے"
رنگ اس کا موتی جیسا ہے ایسے پیکر میں
جو عورت کے لئے شایاں ہے، جو موزونیت کے بغیر نہیں ہے
وہ خیر کی وہ تکمیل ہے جو فطرت پیدا کر سکے
حسن اس کی مثال سے ثابت ہوتا ہے......

بیاترچے کے والد کا انتقال ہو جاتا ہے اور شاعر کو بیاترچے اتنی غم زدہ نظر آتی ہے جو کوئی اسے اس حالت میں دیکھے اور اسے مارے ترس کے مر جانا چاہئے۔ شاعر کو بیاترچے کے دکھ سے دکھ ہوتا ہے۔ وہ بیمار پڑ جاتا ہے اور بیماری کے نویں دن اسے دینوی زندگی کے بے ثباتی کا خیال آتا ہے، اور وہ یہ محسوس کرتا ہے اور اپنے باپ کی طرح بیاترچے بھی اس دنیا سے چلی جائے گی۔ سرسام کی کیفیت میں اسے ایک خواب دیکھائی دیتا ہے خواب میں پریشان حال عورتوں کے چہرے شاعر کی موت کی پیش گوئی کرتے ہیں اور دوسرے بھیانک چہرے پکار کر کہتے ہیں تو مر چکا ہے۔ سورج دھندلا جاتا ہے اور ستارے اس طرح ظاہر ہوتے ہیں جیسے رو رہے ہوں پرندے مر مر کے گر گر پڑتے ہیں اور زمین ہلتی ہے۔ ایک دوست اس سے کہتا ہے کہ بیاترچے مر چکی ہے اور خواب میں وہ حقیقی آنسوؤں سے روتا ہے۔ وہ فرشتوں کو ایک سفید بال کا ٹکڑا لے جاتے ہوئے دیکھتا ہے۔ بیاترچے کی لاش نظر آتی ہے۔ اس کے چہرے سے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا وہ سکون کے سرچشمہ کو دیکھ رہی ہو۔ وہ موت سے فریاد کرتا ہے اور اب نرمی سے کام لے۔ وہ روتے روتے پکار اٹھتا ہے"اے حسین ترین روح، کتنا بابرکت ہے جو تیرا دیدار کرتا ہے!" یہ الفاظ اس کی تیماردار بہن کو سنائی دیتے ہیں جو ان کا اصل مطلب نہیں سمجھتی، بلکہ یہ سمجھ کر کہ وہ سرسام میں اپنی حالت پر ماتم کر رہا ہے رونے لگتی ہے دوسری خواتین اسے کمرہ سے باہر بھیج دیتی ہیں، اور دانتے کو جگاتی ہیں وہ ان کو اپنے خواب کے بارے میں بتاتا ہے مگر اس میں بیاترچے والا حصہ حذف کر جاتا ہے...... ایک اور خواب میں دانتے گوئدو کاول کانتی کی محبوبہ جیوانا (Giovanna) کو دیکھتا ہے جس کے پیچھے بیاترچے آ رہی ہے جیوانا کو لوگ اس کے حسن کی وجہ سے (Primavera) یا "پہلے آنے والی" یعنی "بہار" کہتے تھے۔ عشق دانتے کو یہ بتاتا ہے کہ اس لئے ہے کہ وہ بیاترچے

سے پہلے آتی ہے اور اس کی آمد کی بشارت دیتی ہے۔ عشق اسے یاد دلاتا ہے کہ "جیووانا" یوجنا کا مونث ہے جو مسیح سے پہلے آئے اور انہوں نے مسیح کے آنے کی بشارت دی۔ عشق کہتا ہے کہ بیاترچے کو بھی "عشق" کے نام سے پکارنا چاہئے کیونکہ وہ اس سے مماثلت رکھتی ہے۔ اس طرح بیاترچے تجسیم خداوندی (Incarnation) کی علامت بن کر مسیحؑ مقدس کی شخصیت میں ضم ہو جاتی ہے) باب 27 میں شاعر ایک نظم کے لکھنے کا تذکرہ کرتا ہے۔ مگر یہ نظم مکمل نہیں ہو پاتی کیونکہ بیاترچے مر جاتی ہے۔ وہ انجیل کا یہ قول نقل کرتا ہے کہ کس طرح وہ شہر اجڑا ہوا نظر آتا ہے جو انسانوں کی چہل پہل سے بھرا ہوا تھا کس طرح وہ ایک بیوہ ہو گیا ہے وہ جو اقوام عالم میں باعظمت تھا۔

دانتے بتاتا ہے کہ نو۹ کا عدد بیاترچے سے متعلق ہے۔ بیاترچے کا انتقال عربی نظام تقویم کے حساب سے مہینہ کے نویں دن ہوا۔ شامی نظام تقویم کے حساب سے سال کے نویں مہینہ میں ہوا اور جولین نظام تقویم کے حساب سے اس سال ہوا جبکہ نو کا عدد نو مرتبہ اس کی ولادت کی صدی میں مکمل ہو چکا تھا۔ دانتے یہ بھی انکشاف کرتا ہے کہ بیاترچے کی ولادت کے وقت نو آسمان مکمل طور سے اپنی گردش میں ہم آہنگ تھے، نو کا عدد ایک مکمل عدد ہے۔ یہ تین کا مربع ہے، اس لئے اس کی اصل تثلیث مقدس ہے، جس سے معجزات رونما ہوتے ہیں۔ بیاترچے کا ہمیشہ نو سے تعلق رہا۔ اس لئے کہ وہ ایک معجزہ تھی (وہ شاعر کے لئے مظہر خداوندی تھی اور اس سے متعلق تمام واردات آیات ربانی اور الہام مقدس کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اسی لئے حیات نو میں نو۹ کا عدد بار بار آتا ہے)

بیاترچے کی وفات سے متعلق کئی نظمیں حیات نو میں درج ہیں، حالانکہ شاعر کہتا ہے کہ وہ اس موضوع پر یہاں پورے طور سے نہیں لکھ سکتا۔ باب 34 میں بیان کیا گیا ہے کہ بیاترچے کی وفات کی پہلی سالگرہ کے موقع پر دانتے بیاترچے کے بارے میں سوچ رہا ہے اور ایک فرشتہ کی تصویر بنا رہا ہے...... ایک خاتون ایک دریچہ سے اسے نظر ترحم سے دیکھتی ہے اور اس ہمدردی کی وجہ سے دانتے کے آنسو نکل پڑتے ہیں۔ اسے اس خاتون سے دلی قربت ہو جاتی ہے جو محبت میں بدلنے لگتی ہے۔ مگر یہ محبت بیاترچے کی یاد سے ٹکراتی ہے۔ شاعر حافظہ اور بصارت کے مجادلہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جس کا اظہار وہ ایک سانیٹ میں کرتا ہے جو روح (عقل) اور دل (نفس) کا مکالمہ

ہے۔ بالآخر مجادلہ اس طرح ختم ہوتا ہے کہ ایک رویا میں بیاترچے اس روپ میں ظاہر ہوتی ہے جس روپ میں دانتے نے اسے پہلی بار دیکھا تھا۔ اس رویا کے نتیجہ کے طور پر دانتے کا عشق پھر اپنے مرکز پر آ جاتا ہے۔

باب نمبر [40] میں شاعر کچھ زائرین کو جو روم جا رہے ہیں ایک سانیٹ پیش کرتا ہے تا کہ اپنے اجڑے ہوئے شہر تمنا کی حالت پر ان کو لا سکے۔۔۔۔۔دو بلند مرتبہ خواتین کی فرمائش پر وہ تین سانیٹ لکھتا ہے جن پر حیات نو کا اختتام ہوتا ہے۔ اختتامیہ سانیٹ کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

وسیع ترین گردش کے حلقہ سے پرے
گذر جاتی ہے وہ آہ جو میرے دل سے نکلتی ہے
ایک نئی تاثیر فراست جو کہ عشق
روتے ہوئے اس میں بھر دیتا ہے اسے اوپر ہی اوپر کھینچے لے جاتی ہے
جب وہ وہاں پہنچ جاتی ہے جہاں پہنچنے کی اسے آرزو ہوتی ہے
تو وہ ایک خاتون کو دیکھتی ہے جسے حاصل ہے عزو شرف
اور نور اس درجہ کہ اس خاتون کی آب و تاب کی وجہ سے
مسافر روح کا نظارہ کرتی ہے
وہ اسے ایسی حالت میں دیکھتی ہے کہ اس حالت کے بارے میں بتانے پر
میں اسے سمجھ نہیں سکتا، کیسی نرمی سے وہ گویا ہوتی ہے
دل رنجور سے جو اسے گویائی پر آمادہ کرتا ہے
میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ وہ بتاتی ہے اسی نیک صفات کے بارے میں
کیونکہ وہ اکثر وہ بیاترچے کو یاد کرتی ہے،
لہٰذا میں اس کی بات خوب سمجھتا ہوں، اے میری عزیز خواتین:۔

ایک آخری پیراگراف میں ایک عظیم تصنیف کی تیاری کا تذکرہ ہے، جس سے ہم یہ مطلب نکالنا چاہیں کہ طربیۂ خداوندی کی طرف اشارہ ہے۔

عشق کے مضمون میں الوہیت کی آمیزش کوئی نئی چیز نہیں ہے اور درباری عشق کے فرانکو

اطالوی شعراء نے اس میں بہت کچھ لکھا ہے۔ مگر جو چیز دانتے کو اس رنگ کے دیگر شعراء سے ممتاز کرتی ہے وہ ہے ان کا منفرد حقیقت محسوس پر ارتکاز توجہ جو فن کی سطح پر بھی عشق مرتب کی خصوصیت ہے۔ اسی خصوصیت کی بدولت دانتے کے ہاں حسی پیکروں کی تجسیم وتشدید ایک جدلیاتی وحدت تاثر پیدا کرتی ہے۔ اور انکی شاعری اپنی لامحدود معنویت سے انسان کے وجود کلی کو متاثر کرتی ہے۔ دیگر شعراء میں سوقیانہ روحانیت ہے یا سرد فلسفہ جس کی وجہ سے ان کی شاعری میں تجسیم وتشدید کے بجائے تجرید (Abstraction) اور وحدت تاثر کے بجائے انتشار پایا جاتا ہے۔ جبکہ فن کی راہ تجسیم وتشدید کی راہ ہے اور اس کی منزل مقصود حسی پیکروں کی وہ جدلیاتی وحدت ہے جس میں منفرد حقیقت محسوس کی لامحدودیت کا انکشاف ہوتا ہے۔ دیگر شعراء کا مرکز توجہ تجریدی یا مابعد الطبیعاتی خیالات ہیں جن کی وہ ترسیل کرنا چاہتے ہیں لیکن دانتے منفرد واقعہ پر توجہ مرکوز کر کے اسے رویا میں بدل دیتے ہیں جو اپنے اساطیری خدوخال کی وجہ سے لامحدود وقعت کا حامل ہوتا ہے۔ اور اس طرح وہ احساسات کو ذاتی سطح سے اوپر اٹھا کر انہیں شدید، آفاقی، اور ہمہ گیر بنا دیتے ہیں وہ اپنے تجربہ میں ساری کائنات کو ملوث کر لیتے ہیں اور ان کا تخیل ''وسیع ترین گردش کے حلقہ سے پرے'' پرواز کرتا ہوا حقیقت مطلق تک پہنچ جاتا ہے۔ وہ افکار وعقائد کی ترسیل نہیں کرتے بلکہ افسونگری کرتے ہیں جس سے ہم ان کے پیچھے پیچھے ہو لیتے ہیں حقیقت کی کھوج میں وہ کسی بھی قدر کو مان کر نہیں چلتے بلکہ ہر قدر کو محسوس تجربہ کے ذریعہ دریافت کرتے ہیں اور اسی لئے دانتے کا فن ایک کھوج ہے جو فن کو ہونا چاہئے۔ یہ تمام خصوصیات دانتے کی ابتدائی شاعری میں بھی موجود ہیں۔

مثال کے طور پر منقولہ بالا سانیٹ ''میری محبوب خاتون اتنی نیک دل اور پاکیزہ دکھائی دیتی ہے''۔ میں حافظہ موجودہ تجربہ میں مدغم ہو کر اساطیری رویا بن جاتا ہے۔ جو حال ابدی (Eteranal Present) ہے اور ذہن میں ہمیشہ موجود ہے۔ اس حال ابدی میں خاتون ظاہر ہوتی ہے۔ نہ کسی سے کچھ کہتے بنتا ہے نہ کسی سے اس کے چہرہ کی طرف دیکھتے بنتا ہے۔ حالانکہ ہر آنکھ اس کے دیدار کی مشتاق ہے۔ اور ہنوز کا فقرہ ذہنی واقعہ کو موجود بنا کر اسے تسلسل عطا کرتا ہے اور ہمیں یہ احساس ہوتا کہ داخلی اور خارجی حقیقتیں فن کے حسی پیکروں کی جدلیات میں ایک ہو گئی ہیں۔ اور اسی لئے یہ فنی رویا عرصۂ زمان ومکان سے ماوراء ہے۔ خاتون گذر چکی ہے مگر شاعر کی

نظریں اس کی طرف لگی ہوئی ہیں، اس کے گذر جانے کے بعد ان لوگوں میں سے جو ابھی تک خاموش تھے کچھ لوگ اس کی تحسین وستائش کی جراست کرتے ہیں۔ اور اب پہلی مرتبہ تقابلی پیکر یا تشبیہ نہایت فطری طور پر نمودار ہوتی ہے،'' اور ایسی مخلوق معلوم ہوتی ہے جو آسمان سے بھیجی گئی ہو''۔ یہ فقرہ تجریدی خیال رہنے کے بجائے حقیقت محسوس بن کر حسی پیکر کے شدت تاثر اور شفافیت میں اضافہ کرتا ہے۔ اور پھر جبکہ خاتون نظروں سے اوجھل ہو چکی ہے حافظہ اسے شاعر کے لئے اب بھی موجود بنائے ہوئے ہے۔ حسی پیکروں میں ضم ہوتا جاتا ہے جس سے اسکی جدلیاتی وحدت پیدا ہوتی ہے رویا پر شاعر بڑھتی ہوئی شدت تاثر کے ساتھ توجہ مرکوز کرتا ہے یہاں تک کہ ایک گہری آہ کے ساتھ جس میں سارا تاثر کھنچ آتا ہے طلسم ٹوٹ جاتا ہے۔

اگر ہم ایک لمحہ کے لئے درباری عشق کے ان استادان فن کے بارے میں سوچیں جن کو دانتے نے سراہا ہے تب بھی یہی محسوس ہوتا ہے کہ ان کے تکنیکی کمال اور فلسفہ طرازی کے باوجود دانتے سے بہت پیچھے ہیں۔ آرناٹ ڈینیل (1180ء۔1200ء) میں جو پرووانسال نغمہ گریا (Troubadour) تھا دانتے کی طرح شدید حسیت کے ساتھ منطقی فکر پائی جاتی ہے۔ وہ شدید جذباتی مجادلہ اور پیچیدہ ذہنی کیفیات کو نادر پیکر اور قوافی کا استعمال کر کے عجیب وغریب انداز میں بیان کرنے میں کمال رکھتا ہے۔ دانتے اس کی تکنیک سے متاثر ہوتے ہیں اور انہوں نے اسے ''مادری زبان کا بہترین صانع الفاظ'' کہا ہے۔ جس سے اس کی مراد غیر کلاسیکی زبانوں سے ہے لیکن منفرد حقیقت محسوس پر آرناٹ ڈینیل کی توجہ مرکوز نہ ہونے کی وجہ سے اس کا عشق، مرتب نہیں ہے اور اس لئے اس کے ہاں جذبہ اور فکر میں ہم آہنگی پیدا نہیں ہوتی۔ یا بالفاظ دیگر اس کے ہاں مربوط حسیت (Unified Sensibality) کی کمی ہے۔ اس کی فکر حقیقت محسوس کو پکڑنے کی وجہ سے جدوجہد میں بار بار ناکام ہو کر خلاء میں تصورات مجرد کی بھول بھلیوں میں کھو جاتی ہے۔ دانتے کے ''معنوی پدر'' گویدو گوینی چیلی (1235ء۔1276ء) کے ہاں فلسفہ اور مابعد الطبیعات کی بلند خیالی ہے، لیکن اسی کے ساتھ حقیقت محسوس سے گریز بھی ہے۔ چنانچہ اس کی شاعری میں جدلیاتی وحدت کے بجائے محض تسلسل پایا جاتا ہے اور تجسیم وتشدید کے بجائے محض لسانیت اور سرد فلسفہ طرازی پائی جاتی ہے۔ دانتے کے ''پہلے دوست'' گوئدو کاول کانتی (1250ء۔1300ء) کے ہاں

اسلوب ارفع اور شدت جذبات ضرور ہیں، لیکن محض شخصی کیفیات کی ترجمانی ہے جو اپنی سوقیانہ روحانیت کی وجہ سے تصورات مجرد ہیں منتشر ہو جاتی ہے۔ بات وہی ہے کہ اس سوقیانہ روحانیت میں عشق مرتب یا منفرد حقیقت محسوس پر ارتکاز توجہ نہیں پایا جاتا۔ اسی لئے کاول کانتی کی شاعری میں بھی مذکورہ بالا شعراء کی طرح حسی پیکر کی وہ جدلیاتی وحدت نہیں ہے جو دانتے کی عظمت کی نشانی ہے۔ لیکن دانتے کے ہاں وہ شاعرانہ فراست ہے (جو عشق مرتب کی تابع ہے اور طربیہ خداوندی میں جس کی علامت ورجل ہے) جس کی وجہ سے شاعر حقیقت محسوس پر توجہ مرکوز کر کے اسے اساطیری رویا میں بدل دیتا ہے اور اپنے فن کی جدلیاتی وحدت میں لامحدود وقعتوں کا انکشاف کرتا ہے۔ اس شاعرانہ فراست کا سبق دانتے نے کلاسیکی شعراء اور بالخصوص ورجل سے سیکھا ہے۔ گوئدو کاول کانتی نے اپنی رومانیت کے زعم میں ورجل کی پرواہ نہیں کی اور وہ شاعرانہ فراست کے اس سبق سے محروم رہا۔ جہنم میں گوئدو کاول کانتی کا باپ کھلی ہوئی آتشیں قبر سے سر باہر نکال کر دانتے سے روتے ہوئے پوچھتا ہے۔ ''اگر اس کے اندھے قید خانے میں تو محض اپنی غیر معمولی ذہانت و استعداد کی مدد سے گذر رہا ہے تو میرا بیٹا کیوں تیرے ساتھ نہیں؟ اور وہ کہاں ہے؟'' دانتے جواب دیتا ہے۔ ''میں اپنے بل بوتے پر نہیں آیا ہوں۔ وہ (ورجل) جو ادھر ٹھہرا ہوا ہے اس جگہ میری رہنمائی کر رہا ہے، کہ جس کو تیرا گوئدو شاید حقیر سمجھتا تھا''۔ گوئدو کاول کانتی اپنی تمام لیاقت کے باوجود عرفان حقیقت کی اس راہ پر گامزن نہیں ہے جو ایک عظیم ترین فنکار کو حقیقت مطلق تک لے جاتی ہے۔

اس شاعرانہ فراست کی بدولت دانتے کا فن اپنے اساطیری رویا کے ساتھ نہایت سہل بھی ہے اپنی ژوفیت میں لامحدود بھی۔ ان کے جملے جو عموماً نہایت سہل ہوتے ہیں۔ شدید ترین تاثرات کے حامل ہوتے ہیں۔ مثلاً اس طرح کا جملہ:۔

اور میری زندگی کیا ہو گئی ہے جب سے میری خاتون رخصت ہوئی دوسری دنیا کو کوئی زبان نہیں بتا سکتی۔

دانتے سے پہلے قرون وسطیٰ کے کسی شاعر نے نہیں لکھا۔ یا اس طرح کا جملہ جو دعوت (convio) میں ہے۔

اور یقیناً اگر میں بتانا چاہوں جو میں اس کے بارے میں سنتا ہوں تو میرے لئے یہ مناسب ہے کہ ایک طرف کر دوں وہ جو میرا دماغ نہیں سمجھتا ہے۔ اور ایک بڑا حصہ اس کا بھی جو وہ سمجھتا ہے کیونکہ میں نہیں جانتا کہ اسے کس طرح کہوں۔

ہم یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ فن دانتے کی مثال سے ثابت ہوتا ہے کہ دانتے کی حیات نو کے ساتھ غیر کلاسیکی زبانوں یا دیسی زبانوں کے ادب کی "حیات نو" کا آغاز ہوتا ہے۔

دانتے نے لاطینی میں ایک کتاب دیسی زبان کی فصاحت (De Vulgari Eloqunita) کے نام سے تصنیف کی ہے جس میں دیسی زبان میں عظیم شاعری کے امکانات پر ناقدانہ بحث کی۔ ان کا کہنا ہے کہ دیسی زبان بڑی سے بڑی تصنیف کے لئے موزوں ہے مگر ایسی ادبی زبان تعمیر کی جانی چاہئے، "طرز لطیف ونو" سے دانتے نے یہ مراد لی ہے کہ "ایسی بلند مرتبہ، بنیادی، شائستہ، مجلسی مادری کی زبان" تعمیر کی جائے" جو ہر اطالوی ریاست کے لئے موزوں ہو لیکن کسی خاص ریاست کی زبان نہ ہو، جس میں ہر شہر کے مقامی محاورے تو لے جائیں جانچے جائیں اور ان کا مقابلہ کیا جائے۔" یہ کتاب دانتے نے اپنی جلاوطنی کے زمانہ میں 4-1303ء میں تصنیف کی۔

وہ متفرق غنائیہ نظمیں جن کو شاعر نے حیات نو یا دعوت میں جگہ نہیں دی۔ مؤلفین نے ایک علیحدہ مجموعہ کی صورت میں شائع کی ہیں جس کا نام منظومات (The Rime) رکھا گیا ہے۔ یہ نظمیں دانتے کی شعری زندگی کے مختلف ادوار کی پیداوار ہیں۔ ان میں سے کچھ نظمیں حیات نو کے پہلے سانیٹ سے بھی پہلے کی معلوم ہوتی ہیں جو کہ دانتے کے قول کے مطابق اٹھارہ سال کی عمر میں لکھا گیا تھا کیونکہ ان نظموں میں رسمی انداز بیان اور ایک طرح کا بھدا پن پایا جاتا ہے۔ ان نظموں سے نوجوان دانتے کے اپنے ہم عصر شعراء سے روابط کا پتہ چلتا ہے۔ ذاتی معاملات پر فوریس دوناتی (Forese Donati) سے جو نوک جھونک کا سلسلہ چلتا ہے اس سے دانتے مزہ لیتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اس مجموعہ کی بہت سی نظموں سے دانتے مشق سخن بھی کرتے ہیں معلوم ہوتے ہیں اور مشق عاشقی بھی۔ مگر ان نظموں میں جو حیات نو کے بعد اور جلاوطنی سے پہلے لکھی گئی ہیں شاعری اور فلسفہ کا نہایت کامیاب امتزاج پایا جاتا ہے۔

بیاترچے کے علاوہ متعدد دیگر خواتین دانتے کی حیات معاشقہ سے متعلق رہی ہیں (اس طرح کی کم و بیش بیس خواتین کا پتہ چلتا ہے) اگر چہ بیاترچے کے عشق میں یہ سارے عشق پاک ہو کر جاتے ہیں۔ ان دیگر خواتین کے لئے بھی دانتے نے کئی نظمیں لکھی ہیں، کچھ نظمیں اس ''لونڈیا'' (Pargoletta) کے لئے بھی ہیں جس کا ذکر طربیہ خداوندی میں دانتے کی گمراہی کے سلسلہ میں ملتا ہے۔ کچھ شارحین نے (Pargoletta) سے مراد پی ایترا (Pietra) نام کی لڑکی سے لی ہے۔ کچھ نے اس دریچہ والی خاتون سے جس کا حیات نو میں ذکر کیا گیا ہے کچھ نے مقام کفارہ جین تکا (Gentucaa) سے کچھ نے اسے محض تمثیل کہہ کر بات ختم کر دی ہے۔

بہرحال، یہ ماننا پڑے گا کہ دانتے کی شاعری (Pargoletta) سے متعلق ایک محسوس تجربہ کی نشاندہی کرتی ہے۔ اگر چہ یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ تجربات دانتے کی زندگی میں بعینہ وجود رکھتا ہو اور اگر چہ شاعر اپنے تخیل کی مدد سے ان احساسات سے بھی کام لیتا ہے جو اس کے ذاتی تجربہ سے باہر ہوں پھر بھی اس کا قوی امکان ہے کہ (Pargolleta) واقعتاً ایک لڑکی ہو جس سے دانتے کے تعلقات ہو گئے ہیں۔ دانتے کے ہم عصروں اور بوکاچیو کے وسیلہ سے شہادت بھی ملتی ہے کہ دانتے کی کمزوری شہوانیت تھی اور طربیہ خداوندی میں بھی جا بجا ایسے اشارے ملتے ہیں یقیناً ایک انسان کی حیثیت سے دانتے نے گناہ کئے اور پھر توبہ بھی کی یہاں ایک نظم کا جو پی ایترا کے لئے لکھی گئی ہے تذکرہ کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ پی ایترا کے لفظی معنی ہے'' سنگ صفت'' غالباً یہ کوئی دیہاتی لڑکی تھی۔ اس نظم سے معلوم ہوتا ہے کہ دانتے جو پاکیزہ عشق کی داستان سناتے ہیں۔ جنسی خواہشات کی طوفان خیزیوں سے بخوبی واقف تھے۔ نظم کا ترجمہ ذیل پیش کیا جاتا ہے۔

اگر وہ لطیف سنہری زلفیں میرے ہاتھ میں آجائیں
جو کہ میرے لئے تازیانہ اور عذاب بن گئی ہیں
تو انہیں پکڑ کر چمٹا رہوں صبح سے
شام تک اور شام کی گھنٹیوں کے دوران
میں کوئی ترس نہیں کھاؤں گا نہ اخلاق سے کام لوں گا
بلکہ ایسا ہو جاؤں گا جیسا کہ ریچھ ہوتا ہے کھیل میں

اور اگر ان زلفوں کی وجہ سے عشق مجھے گھایل کرتا ہے تو
میں اچھی طرح سے انتقام لوں گا ہزار گنا
اور مزید یہ کہ ان آنکھوں میں جن میں نکلتی ہیں
وہ بجلیاں جو میرے دل میں جو جل جل کر ختم ہو رہا ہے آگ لگاتی ہیں،
ان آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھوں گا کہ گہری اور سخت نگاہوں سے
انتقام میں اس فرار کے جس پر وہ مجھے مجبور کرتی ہے
اور پھر میں اسے دوں گا تسکین محبت کے ذریعہ

جلاوطنی کے اوائل میں 1304ء اور 1307ء کے درمیان دانتے نے دعوت (Conivio) تصنیف کرنے کی کوشش کی جو مکمل نہ ہو سکی۔ یہ کتاب بار بی (Barbi) کے مطابق حیات نو کی توسیع اور ابلاغ معلوم ہوتی ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ ایک مختلف سمت میں آگے بڑھتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ ویسے تو دانتے حیات نو کے خاکہ پر ہی کام شروع کرتے ہیں۔ یعنی ہر نظم کے بعد تبصرہ دیتے ہیں۔ مگر تبصرہ جو حیات بن جاتا ہے اور اس طرح ہر نظم کے بعد تبصرہ دیتے ہیں مگر تبصرہ جو حیات نو میں کئی جگہ شاعرانہ تاثر میں خلل نہ پڑنے دینے کی خاطر حذف کر دیا گیا تھا دعوت میں اصل چیز بن جاتا ہے اور اس طرح ہر نظم فلسفیانہ خیالات کی تبلیغ کا محض ایک بہانہ بن جاتی ہے دعوت میں تبصرہ نظم کی حقیقت محسوس کو نمایاں کرنے کیلئے نہیں ہے، بلکہ اپنے آپ کو نمایاں کرنے کیلئے ظاہر ہے کہ اس کے مقاصد معلمانہ ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ فن محض جمالیاتی حسن شناسی نہیں ہے بلکہ عرفان حقیقت بھی ہے۔ فن میں حسن اور حقیقت ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے فن کی حسی پیکر خود حسن اور حقیقت دونوں ہی کا انکشاف کرتے ہیں۔ اسی لئے فنی تخلیق میں لفظی معنی کے ساتھ ساتھ علاماتی معنی بھی ہوتے ہیں، دانتے کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ادبی تصانیف میں چار طرح کے معنی ہوتے ہیں۔ (1) لفظی (Literal)(2) تمثیلی (Allegorical)(3) اخلاقی (Moral)(4) عارفانہ (Annogogical)۔ اس بات پر زور دینا بیجا نہ ہوگا کہ فن کے معاملہ میں عرفان حقیقت حسی پیکروں کے ذریعہ ہوتا ہے اور یہ چاروں معنی، اسی صورت میں کارفرما ہوتے ہیں۔ جب حسی پیکر کی تجسیم و تشدید اور ان کی جدلیاتی وحدت تاثر میں کوئی خلل نہ پڑے۔ یہ

بھی صحیح ہے کہ شاعری میں فلسفیانہ افکار کا استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر افکار مجرد کی ترسیل کے لئے نہیں بلکہ حقیقت محسوس کو اجاگر کرنے کے لئے اس حقیقت محسوس کو جو تجربہ اور افکار کی اساطیری اصل ہے، چنانچہ تجربہ اور افکار کے باہمی عمل سے حسی پیکروں کی تجسیم و تشدید کا عمل آگے بڑھتا ہے۔ افکار تجربہ کو روشن کرتے ہیں اور خود تجربہ کے زیر اثر حقیقت محسوس بن جاتے ہیں اور تجربہ افکار کو حسی زندگی بخشتا ہے۔ لیکن اگر تجربہ کو افکار کی ترسیل کا بہانہ بنالیا جائے تو فن کی تجسیم و تشدید میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اور فن کی وحدت تاثر قائم نہیں رہتی۔ دعوت میں یہی خطرات درپیش معلوم ہوتے ہیں اور اسی لئے دانتے نے اسے مکمل نہیں کیا۔

دانتے خود کو کہتے ہیں کہ مجھے دعوت لکھنے کا خیال اس لئے ہوا کہ بہت سے لوگ میری شاعری کو محض ''عشق بازی'' سمجھ کر اسے بدنام کرنے لگے تھے۔ گویا جلاوطن ہوجانے کے بعد دانتے اپنے آپ کو ایک عالم کی حیثیت سے منوانا چاہتے تھے چنانچہ انہوں نے ایک نہایت جرأت مندانہ تجربہ کرنا چاہا۔ دعوت میں وہ علم کی دعوت دیتے ہیں جو ''فرشوں کی غذا ہے۔''

اس نظم میں جس کے مقاصد معلمانہ ہیں دانتے چودہ غنائیہ یعنی اوڈز (Odes) پیش کرکے ہر ایک پر تبصرہ کا ایک رسالہ دینا چاہتے ہیں۔ مگر کتاب نامکمل رہ جاتی ہے۔ اور تعارفی رسالہ کے بعد صرف تین اوڈز اور ان پر تبصرہ کے تین رسالہ ہی اس میں پائے جاتے ہیں پہلے اوڈ پر تبصرہ کا جو رسالہ ہے وہ نوجوانی کے ''صوفیانہ رویہ'' پر فلسفہ جیت کے بارے میں ہے۔ یہ نوجوانی کا صوفیانہ رویہ بیاترچے اور اس کی یاد سے متعلق ہے۔ اور اب ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حیات نو میں جس ''دریچہ والی خاتون'' کا ذکر ہے وہ فلسفہ ہے۔ دعوت میں فلسفہ ایک حسین خاتون کے روپ میں تمثیل کیا گیا ہے۔ دوسرے اوڈ کے رسالہ میں اس خاتون یعنی فلسفہ کے الوہی اوصاف اور مطہرانہ تاثر کی ستائش کی گئی ہے۔ اس رسالہ کے شروع میں عشق پر بحث کی گئی ہے۔ عشق کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ عشق ''روح اور محبوب شے کا روحانی وصال ہے''۔ روح خدا کے وصال کی فطرتاً آرزو کرتی ہے اور چونکہ اشیائے فطرت دراصل مظاہر الوہیت ہیں اس لئے انسانی روح ان سے روحانی وصال کا تمایل رکھتی ہے۔ اسی تمایل کو عشق کہتے ہیں۔ تیسرے اوڈ کے رسالہ میں شرافت نفس پر بحث کی گئی ہے۔ اور اسی سلسلہ میں ایک ایسے شہنشاہ کا تصور پیش کیا گیا جو شرافت نفس کا

نمونہ ہو۔ انسانیت کی فلاح اسی میں ہے کہ ساری دنیا پر ایسے شہنشاہ کی عالمگیر سلطنت قائم ہو۔ دانتے کے خیال میں شہنشاہ عالم بننے کا مستحق ایک رومن ہی ہوسکتا ہے اور روم کو ہی اس عالم گیر سلطنت کا صدر مقام ہونا چاہئے۔ ان خیالات کا ابلاغ دانتے نے ایک علیحدہ کتاب میں کیا ہے جس کا نام شہنشاہ نامہ (De Monarchia) ہے۔ شرافت نفس کے بارے میں دانتے کہتے ہیں کہ یہ خدا کا عطیہ ہے اس روح کے لئے جو ایک کامل جسم میں ہو، اور اس عطیہ سے ہی تمام نیکیاں ماخوذ ہیں۔ نیکیاں مسرت کی ضامن ہیں چنانچہ دانتے شرافت نفس کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں یہ "مسرت کا وہ تخم ہے جو خدا نے ذی مرتبہ روح میں بویا ہے" اس طرح دانتے ان اقدار کو آفاقیت عطا کرتے ہیں جو انمردی (Chivalry) اور درباری عشق کی روایات کا موضوع رہی ہیں۔ قرون وسطیٰ میں دانتے پہلے ادیب ہیں جن کی آواز سارے یورپ کی آواز بن جاتی ہے۔ اور یہ آواز نہایت صریح اور بے لاگ سنائی دیتی ہے، اور یہ آواز انسانوں کو نیک زندگی گزارنے کی دعوت دیتی ہے۔

دعوت کا دانتے کی تصانیف میں ایک اہم مقام ہے اور خود دانتے نے اسے بڑی اہمیت دی ہے، جیسا کہ اس تصنیف کی موجودہ ضخامت سے اندازہ ہوتا ہے موجودہ نامکمل کی صورت میں ہی جبکہ صرف تین اوڈز کو لیا گیا ہے۔ ان اوڈز پر نثری تبصروں کی مجموعی ضخامت ستر ہزار الفاظ پر مشتمل ہے۔ مگر دانتے نے دعوت کو نامکمل کیوں چھوڑ دیا؟ اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ اس نوع کی تصنیف میں حقیقت محسوس کی تجسیم وتشدید رک جاتی ہے اور اس کی وحدت تاثر قائم نہیں رہتی۔ ذاتی تجربہ جو نظموں میں ہے اور عالمانہ بلکہ معلمانہ تبصرہ ایک دوسرے میں ضم نہیں ہو پاتے اور شاعرانہ قوت ضعیف ہو جاتی ہے۔ کچھ ایسی ہی صورت حال ورڈز ورتھ کی طویل نظم "ایکسکرژن" (Excarsion) میں بھی پائی جاتی ہے اسی لئے دعوت اور ایکسکرژن دونوں نظمیں اپنے آپ میں اطمینان بخش نہیں ہیں۔ اگر چہ شاعر کی تصانیف کی مجموعی وحدت میں متعلقہ نظم ایک اہم مقام رکھتی ہے دوسرے یہ کہ فلسفہ کی "صوفیانہ عشق" پر فتح جو دعوت کا مرکزی موضوع ہے محض ایک وقتی کیفیت تھی، اور وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ دانتے کو محسوس ہوتا ہے کہ یہ کیفیت ان کی داخلی زندگی کی کوئی جامع ترجمانی نہیں کرتی۔۔۔ اس لئے اگر عشق کی برکت شامل حال نہ ہوتو فلسفہ مجرد یا

عقل محض انسان کیلئے مجبوری کا باعث ہوتی ہے۔ اسی اثنا میں دانتے کے لئے بیاترچے کا تصور انتہائی رفعت اختیار کر لیتا ہے اور فلسفہ نیچے ہی رہ جاتا ہے، صرف اسی دنیا کی زندگی کے لئے ہمیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ خود فلسفہ کی بنیاد وجوبی یا وجدانی حقائق پر ہے۔ اور یہ وجدان ہی کا کرشمہ تو ہے کہ انسان پر جب کسی منفرد شے کے روبرو حیرت و استعجاب (Sturor) کا عالم طاری ہوتا ہے تو اس منفرد شے میں اسے خدائے لامحدود کا عکس نظر آتا ہے۔ لہٰذا عقل یا فلسفہ کو وجدان یا مذہبی اصطلاح میں الہام کا تابع ہونا چاہئے چنانچہ بیاترچے جس کے روبرو دانتے پر حیرت و استعجاب کا عالم طاری ہو جاتا ہے الہام مقدس کی علامت بن جاتا ہے۔ اس کے دیدار سے جو دانتے کو اکملیت کا احساس ہوا تھا وہ انہیں تمام کائنات کی اصل حقیقت کی جستجو پر آمادہ کرتا ہے۔ ان پر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ فنکار کے لئے عرفان حقیقت کی راہ حقیقت محسوس سے ہو کر گذرتی ہے اور وہ جن فلسفیانہ حقائق کی تعلیم دینا چاہتے ہیں وہ حقیقت محسوس میں ضم ہو کر ہی انسان کے وجود کلی کو متاثر کر سکتے ہیں۔ فن حقیقت محسوس کی منفرد اور وقیع ترین اشکال کا وجدان ہے اور فن میں عقل یا فلسفہ کو اس وجدان کا تابع ہونا چاہئے۔ اسی لئے فن میں اور زندگی میں بھی عشق کا نفوذ ہونا ضروری ہے۔ عقل کی رہنمائی ایک حد تک انسان کیلئے ضروری ہے۔ مگر انسان کے وجود کلی کا محرک عشق ہے اور اسی سے تمام کائنات کے معنی عبارت ہیں۔ عقل کی رہنمائی بھی عشق کے وجدانی تقاضہ پر خود عشق کو مرتب کرنے کے لئے درکار ہوتی ہے۔ تاکہ محبوب ارضی کے وسیلہ سے تجسیم خداوندی کا الہام ہو سکے اور اس الہام کے فیض سے حقیقت مطلق کا عرفان ہو سکے۔ بیاترچے کے تجربے پر غور کرنے سے دانتے کے "صوفیانہ عشق" میں وہ ابلاغ پیدا ہوتا ہے کہ وہ تمام کائنات کی تفسیر بن جاتا ہے۔ وہ دعوت کو نامکمل چھوڑ دیتے ہیں اور انہیں ایک مرتبہ پھر محسوس ہوتا ہے کہ اگر

کوئی مجھ سے پوچھتا کسی بھی چیز کے بارے میں
تو میں بصورت عاجزانہ فقط یہی جواب دیتا۔ "عشق"

لیکن اب وہ اس احساس کی توثیق کرنا چاہتے ہیں کہ ہر چیز کی ابتدا اور انتہا، علت و غایت کی کھوج کر کے، یعنی طربیۂ خداوندی لکھ کر۔ اور یہ کھوج بصورت عاجزانہ ہی کی جا سکتی ہے۔ اب دانتے کو نہ اس علمیت کا دعویٰ ہے جو دعوت لکھتے وقت تھا، نہ زبان دانی کا جو "دیسی

زبان کی فصاحت'' لکھتے وقت تھا اور نہ وہ اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کرنا چاہتے ہیں، نہ لوگوں کو لیکچر دینا چاہتے ہیں۔ وہ نہایت عاجزی کے ساتھ اپنی نوجوانی کی خواب پرست، پرشوق اور بے تکی بلکہ قدرے مہمل شخصیت کو ہی اپنی اصل شخصیت تسلیم کر لیتے ہیں۔ اور جس طرح کی زبان سے بھی کام چلے، چاہے مقامی بولی ہو، چاہے بچوں کی بولی ہو، چاہے لاطینی فقرے ہوں چاہے عالمانہ فقرے ہوں، چاہے عامیانہ فقرے ہوں، چاہے مہمل الفاظ ہوں — وہ ان سب کو قبول کرنے کیلئے تیار ہیں۔ طربیہَ خداوندی کے دانتے اور دعوت کے دانتے میں جو فرق ہے وہ اس بے پناہ عاجزی سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ غالبًا لونڈیا (Pargoletta) والا گناہ نہ تو بنیادی طور سے لونڈیا بازی تھا، نہ فلسفہ بازی۔ وہ صرف وہ گناہ تھا جسے ''سخت دلی'' کہتے ہیں — جو غرور کی پیداوار ہے اور جو دعوت سے بھی ظاہر ہے اور پی ایترا والی نظموں سے بھی۔ اب دانتے تسلیم کرتے ہیں کہ وہ گمراہ ہو گئے تھے اور اس گمراہی کا زمانہ وہ 1300ء بتاتے ہیں — جبکہ اس زمانے میں دنیاوی اعتبار سے وہ اپنے انتہائی عروج پر تھے!

☆☆☆

# طربیۂ خداوندی اور اس کا خلاصہ

''طربیہ خداوندی'' لکھنے کا خیال دانتے کے ذہن میں پہلے سے یعنی حیات نو کو مکمل کرتے وقت موجود تھا۔ غالباً 1307 تک کے قریب دانتے نے اس پر یکسوئی سے کام شروع کیا، اگرچہ کچھ محققین کا خیال ہے کہ یہ کام 1313ء میں ہنری او لکسمبرگ یا ہنری ہفتم کی وفات کے بعد شروع کیا گیا ہوگا۔ بہر حال 1314ء میں جہنم مکمل ہو کر شائع ہو چکی تھی یعنی اس کے قلمی نسخہ قارئین کے لئے دستیاب تھے۔ طربیۂ خداوندی میں کل ملا کر 14233 مصرع اور 100 قطعات contos) ہیں۔ اس نظم کے تین حصہ ہیں ۔جہنم (Inferno)، مقام کفارہ (Purgatorio) اور جنت (Paractiso)، جہنم میں 34 قطعات ہیں، مقام کفارہ میں 33 اور جنت میں بھی 33 جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے۔ دانتے کے لئے 3 کا عدد ہمیشہ رمزیت کا حامل رہا ہے، اس وقت سے جب سے انہوں نے یہ دریافت کیا کہ بیاتر چے 3x3 یعنی 9 سے متعلق ہے۔ طربیۂ خداوندی میں تین مصرعوں کی بحر (Terza Rima) لکھی گئی ہے اور اس کے تین حصے ہیں ۔ قطعات کی تعداد بھی 1+(33x3) ہے جس میں پہلا قطعہ تمہید کی صورت میں ہے۔ نظم کے شاعرانہ نظام کی تشکیل میں بھی تین کا عدد کارفرما ہے۔ جہنم، مقام کفارہ اور جنت، ان تینوں مقامات

میں ہر ایک کے طبقات 1+(3x3) کے حساب سے ہیں۔ نظم کا تجربہ بھی ہم کو تین سطحوں پر متاثر کرتا ہے یعنی پہلے ایک بے پناہ خبر کی حیثیت سے جو کہ شعلہ کی طرح ہمارے وجود میں اترتی جاتی ہے، پھر عمل صالح کے ارادہ کی تشویق کی حیثیت سے، اور پھر ایک اساطیری رویا کی حیثیت سے جس میں اصل حقیقت کے انکشاف سے جستجو کی تکمیل ہوتی ہے۔

طربیۂ خداوندی میں عشق کی ابدی اقدار کی روشنی میں شاعر کی اصل حقیقت کی کھوج کرتا ہے۔ وہ ہمیں ایک ایسی دنیا میں لے جاتا ہے جہاں ان اقدار کی روشنی میں ابدی طور پر کائنات مرتب اور معنی آفریں ہے اور ہر روح کا اس منفرد وجود کی تکمیل کے اعتبار سے مقام متعین ہے۔ طربیۂ خداوندی دوسری دنیا کے سفر اور معراج کے تمام قصد سے اسی اعتبار سے مختلف ہے دانتے کی دوسری دنیا میں ارواح اپنی اس دنیا کی انفرادیت نہیں کھوئیں بلکہ انکی یہ انفرادیت اور بھی زیادہ شدید اور معنی آفریں ہوگئی ہے۔ یعنی دانتے کی تمثیل عام تمثیل (Allegoey) سے اس اعتبار سے مختلف ہے کہ اس میں تجریدات (Abstractions) کا تمثل (Personijcation) نہیں پایا جاتا بلکہ تجربہ کی منفرد اور محسوس علامات پائی جاتی ہیں۔ یہ منفرد اور محسوس علامات اپنے وجود میں شدید واقعیت رکھتی ہیں اگر چہ ان کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ ان کی واقعیت کسی تاریخی جغرافیائی یا طبیعی حقیقت کے عین مطابق ہو۔ فنی علامات میں تجربہ کی وہ معنی آفریں اشکال (Gestractions) ہوتی ہیں جن میں آفاقی طور سے انسانی ذہن کیلئے اقدار کی مجسم صورتیں منکشف ہوتی ہیں۔ اس لئے فنی علامات کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ کسی تاریخی، جغرافیائی یا طبیعی حقیقت کے عین مطابق ہوں جس طرح مصور کی بنائی ہوئی تصویر کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ کسی ''اصل'' کے عین مطابق ہو۔ چنانچہ دانتے کے بعض کردار فنی علامات ہونے کے باعث تاریخی حقیقت کے مطابق معلوم نہیں ہوتے، اگر چہ وہ ان اساطیری اور آفاقی اقدار کے حامل ہیں جن کا شاعرانہ انکشاف کرتا ہے مثلاً گوئد و داموتتے فیلترو (Guido Da Montefelteo) کی فنی تصویر جو دانتے کے ہاں ملتی ہے اس تصویر سے مختلف ہے جو تاریخی زاویۂ نگاہ سے دیکھنے پر نظر آتی ہے اسی طرح پیغمبرؐ اسلام کی تصویر تاریخی زاویۂ نگاہ سے اور بالخصوص ان

لوگوں کے زاویہ نگاہ سے جو دانتے کے عقاید کو نہیں مانتے دانتے کی تصویر سے مختلف ہے۔ مگر دانتے کی شاعری میں یہ تصویریں فنی علامات ہیں جو ہم سے کسی عقیدہ کو ماننے کا مطالبہ نہیں کرتیں بلکہ اس عقیدہ کی اساطیری حقیقت محسوس کو پیش کر کے ان آفاقی اقدار کا انکشاف کرتی ہیں جو عقاید کے اختلافات سے ماوراء ہیں جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے کہ دانتے کے عقاید کو مانے بغیر ہم ان عقاید کی حقیقت محسوس کا شاعرانہ ادغان کر سکتے ہیں۔ اور فنی علامات کا ہم سے یہی مطالبہ ہے۔ طربیہ خداوندی کی دنیا اپنا آزاد وجود رکھتی ہے اور اس کے لئے اپنے قوانین ہیں جن میں ہم اپنے افکار و عقاید کی بنا پر دخل نہیں دے سکتے۔

یہ ضرور ہے کہ طربیہ خداوندی کی دنیا ہماری اپنی دنیا کے مواد خام کی قلب ماہیت سے تعمیر کی گئی ہے یعنی جب ہم اپنی دنیا کو ابدیت کی روشنی میں دیکھتے ہیں تو یہ اس روشنی میں تحلیل ہو کر معنی آفریں اشکال میں مرتب ہو جاتی ہے۔ اس اعتبار سے طربیہ خداوندی کی دنیا ہماری اپنی دنیا کی تمدید معلوم ہوتی ہے۔ اس کے تینوں عالم جہنم، مقام کفاہ اور جنت ہماری اس دنیا (Saeculum) کی تمدید معلوم ہوتے ہیں۔ مگر یہ تمدید اقدار و معانی کے اعتبار سے ہے، تاریخ اور جغرافیہ کے اعتبار سے نہیں ہے۔ یہ سمجھنا کہ خود دانتے اپنی نظم کے پیکروں کو تاریخی یا جغرافیائی یا سائنسی حقیقت کے مترادف مانتے تھے، بچکانی بات ہوگی۔ مثلاً دانتے ایسا کوئی عقیدہ نہیں رکھتے تھے کہ بیت المقدس کے پاس کسی تاریک جنگل میں ایک راستہ زمین کے نیچے جہنم میں جاتا ہے اور جہنم زمین کے نیچے ایک کیف کی شکل میں زمین کے مرکز تک واقع ہے۔ جہاں شیطان برف میں دھنسا ہوا ہے۔ اور بیت المقدس کے برعکس جنوبی نصف کردہ میں کسی جزیرہ پر مقام کفارہ واقع ہے جو اتنا بلند پہاڑ ہے کہ کرۂ باد سے بھی بہت اونچا چلا گیا ہے۔ اور اس کی چوٹی پر جنت ارضی واقع ہے۔ اور کوئی انسان اپنے جسمانی وجود میں تاریک جنگل سے جہنم میں اترتا ہوا زمین کے مرکز سے گذر کر صرف ڈھائی دن میں زمین کے دوسری طرف برآمد ہو کر مقام کفارہ میں پہنچ سکتا ہے۔ اسی طرح دانتے ایسا کوئی عقیدہ نہیں رکھتے تھے کہ جنت نو آسمانوں میں واقع ہے۔ بلکہ وہ یہ کوشش کرتے ہیں کہ ہم اس طرح کی غلط فہمیوں میں نہ پڑیں اور فنی رویا کو ذہن کی علامتی شکل

(Symbolic Form) سمجھنے کے بجائے سائنسی حقیقت نہ سمجھ بیٹھیں۔ لیکن دوسری طرف ایک داستان کو اور ایک ناول نگار فنکار کی طرح وہ اپنے عالم رویا کو "واقعی" بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کیلئے نہایت منفرد، محسوس اور واضح تفصیلات دیتے ہیں (صدیوں سے عظیم افسانہ نگار اور ناول نگار جیسے ڈیفو، بنیان، ژول ورن، کانن ڈایل، سوئفٹ، ایچ جی ویلز وغیرہ اس معاملہ میں دانتے کا اتباع کرتے آرہے ہیں)۔ دانتے ہر چیز کو اتنا "واقعی" بنادیتے ہیں کہ ہم ان کی دنیا کے وجود پر اپنی عقل محض کا تعطل کر کے دل سے یقین کرنے لگتے ہیں گویا کہ ہم خود بغیر رہبر کے اس دنیا میں جاسکتے ہوں۔ بالکل اسی طرح جس طرح ہم دل سے یقین کرتے ہیں کہ ہم رابنس کروسو کے جزیرہ یا گلیور کے للی پٹ میں جاسکتے ہیں۔ یا بالکل اسی طرح جس طرح لوگوں کو دل سے یقین تھا کہ شرلک ہومز "واقعی" بیکر اسٹریٹ کے مکان 221 میں رہتا ہے اور لوگ اس کے نام اس پتہ پر خطوط بھیج کر اپنے مسائل پر تفتیش کرنے کی اس سے درخواست کرتے تھے۔

ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم دانتے کی دنیا کے نشیب وفراز سے اس طرح واقف ہیں جس طرح کوئی اپنے محلّہ کے گلی کوچوں سے واقف ہوتا ہے اور اگر ہمیں اس دنیا میں کہیں بھی چھوڑ دیا جائے تو ہم بتاسکتے ہیں کہ ہم کہاں ہیں اور ہمارے آگے کیا ہے اور پیچھے کیا ہے۔ کیونکہ اس دنیا کی ہر چیز نہایت منفرد اور مشخص ہے۔ ہم واقف ہیں شیطان کے شہر کی دہکتی ہوئی آہنی دیواروں کی سرخ آنچ سے جو دلدل کی سیاہ ندی کو کشتی میں پار کرتے وقت ہم تک نہیں پہنچتی ہے، اس کردار سے جہاں پوپ انستاسیس کی قبر ہے اور جہاں جہنم کے درخت خودکشی کرنے والوں کی روحیں ہیں جن کی ٹوٹتی شاخوں سے کالا خون اور سنسناتی ہوئی آواز نکلتی ہے جیسے کہ ہری شاخ کو آگ لگانے سے قطرے ٹپکتے ہیں اور اس کے دوسرے سرے سے سنسناتی ہوئی آواز نکلتی ہے اور پھر اس اداس جنگل کے آگے اس تپتی ہوئی ریت سے بھی ہم واقف ہیں جہاں آگ کی بارش ہوتی رہتی تھی۔ یہاں ہم جانتے ہیں کہ آگ سے بچنے کیلئے ہمیں خون کی ندی کے کنارے کنارے چلنا چاہئے یہاں تک کہ ہم اس مقام تک پہنچ جائیں جہاں سے اگلے حلقہ میں آبشار گرنے کا شور اس طرح سنائی دیتا ہے جیسے شہد کی مکھیوں کے چھتے کے پاس بھنبھناہٹ کی آواز۔ ہمیں معلوم ہے کہ اگلے حلقہ میں جس کی دس خندقوں کو ہم پل نما فصیلوں پر چل کے عبور کرسکتے ہیں کونسی پل نما فصیل کہاں ٹوٹی ہوئی ہے،

وغیرہ وغیرہ۔اور اسی طرح مقام کفارہ اور جنت میں بھی ایک مشخص ماحول اور مشخص فضا ہے جس سے ہم بخوبی واقف ہیں۔

دانتے کی دوسری دنیا میں ہر روح کا منفرد وجود اس روح کے اس دنیا کے منفرد وجود کی تمدید اور تشدید ہے۔اس وجدانی عقلی جواز اکوئناس کے نظام فکر میں موجود ہے۔اکوئناس کے مطابق مرنے کے بعد روح کی وہی انفرادی حالت رہتی ہے جو مرنے سے پہلے تھی اور روز حشر احیائے جسمانی کے بعد یہ انفرادی حالت محض اپنی تکمیل کو پہنچ جاتی ہے۔چنانچہ طربیۂ خداوندی میں ہر روح کی مرنے کے بعد جو حالت ہے وہ عرضۂ ابدیت میں اس کی انفرادیت کی تمدید اور تشدید ہے۔اور یہی اس روح کی عذاب یا کفارہ برکت کی حالت ہے یعنی ہر روح اسی حالت میں ہے جو اس نے اپنی انفرادیت کی نشوونما کے لئے خود منتخب کی ہے۔طربیۂ خداوندی کی دنیا میں ہم اس انتخاب کی ابدی حقیقت دیکھتے ہیں اور یہ محسوس کرتے ہیں کہ عالم ابدیت میں ہر روح کو وہی مقام ملتا ہے جس کی اس نے خود آرزو کی تھی خدا خود نہ تو کسی کو جہنم میں بھیجتا ہے، نہ جنت میں اور نہ ہی کسی پر عذاب نازل کرتا ہے، نہ برکت۔بلکہ عذاب یا برکت کی حالت تو روح خود اپنے آزادانہ انتخاب کے ذریعہ اپنے لئے منتخب کرتی ہے۔اور یہ حالت اس کے آزادانہ انتخاب کا فطری نتیجہ ہوتی ہے۔طربیۂ خداوندی کی محسوس تجربہ کے ذریعہ اس حقیقت کی توثیق کرتی ہے کہ انسان اپنی دنیا آپ پیدا کرتا ہے۔

طربیۂ خداوندی کے مطالعہ کے لئے چند وجوبی یا وجدانی حقایق کا ادغان ضروری ہے ایک تو یہ کہ انسان ایک عاقل مخلوق کی حیثیت سے اپنے اعمال کیلئے خود ذمہ دار ہے، اس ذمہ داری کو ستاروں یا ماحول یا لاشعور پر نہیں ٹالا جا سکتا۔دوسرے یہ کہ کائنات بے مقصد اور بے معنی نہیں ہے، نہ ہی انسانی زندگی بے مقصد اور بے معنی ہے اور اسی لئے موت کے بعد اس کا تسلسل عالم ابدیت میں قائم رہتا ہے۔

طربیۂ خداوندی کا موضوع ہے" تجدید حیات کی خاطر انسان کا سفر"۔ظاہر ہے کہ یہ ایک اساطیری موضوع ہے جو اس نظم کی آفاقیت اور ہمہ گیری کا ضامن ہے۔کائنات کی شعوری تسخیر کے لئے ہر ملک اور زمانہ میں انسانی تجربہ اس موضوع کے مطابق ڈھلتا آتا ہے اور ڈھلتا رہے گا،

اور جب بھی تجربہ اس موضوع کے مطابق ڈھلے گا تب وہ انسانی ذہن کیلئے نہایت معنی آفریں اور نہایت احساس پرور ہوگا۔ یہ اساطیری موضوع انسان کے وجود کلی کو متاثر کرتا ہے۔ اسی لئے انسانی تجربہ کی تمام علامتی اشکال (Symbolic Forms) اس میں سمٹ آتی ہیں۔ مذہبی اعتبار سے یہ تجدیدی سفر جستجوئے نجات ہے اور یہ گناہ کی تاریکی سے شروع ہوکر معرفت الٰہی کی برکتوں پر ختم ہوتا ہے۔ یہ سفر نفس انسانی کی باطنی دنیا کا وہ سفر ہے جس کا مقصد تجدید ذات ہوتا ہے۔ یہ سفر ایک عاشق کا جس کے لئے دیدار محبوب ہی تجدید حیات بابرکت ونجات کی ضمانت ہے اور جو اس کی آرزو میں دل وجان کی بازی لگا کر موت کی دنیا کے شدید ترین خطرات سے گزرتا ہے اور عشق میں فنا ہوکر نئی زندگی حاصل کرتا ہے۔ یہ سفر ہے ایک فنکار کا جس کیلئے تجدید شعوری کی راہ حسی پیکروں کی تجسیم وتشدید سے ہوکر گذرتی ہے۔ لسانی اعتبار سے یہ سفر زبان کی وہ معراج ہے جس کی بدولت انسانی ذہن عام زندگی کی سطح سے اٹھ کر ماورائی حقائق سے آشنا ہوتا ہے۔ علم اور فلسفہ کے اعتبار سے یہ سفر انسانی ذہن کا وہ سفر ہے جس کی وجہ سے کائنات ایک مربوط اور معنی آفریں نظام کی علامتی اشکال میں منکشف ہوتی ہے لیکن وہ اس سفر میں جیسے جیسے حقیقت لامحدود کا علامتی ادراک کرنے کے قابل ہوتا جاتا ہے اسے اپنی محدودیت کا یعنی اپنے تجربہ کی علامتی اشکال کے علامتی ہونے کے احساس بڑھتا جاتا ہے[1] تاریخی اعتبار سے یہ سفر ان تمام سفروں کی یاد تازہ کرتا ہے جو ہر زمانے میں انسانی ذہن تجدید یا نجات کی خاطر کرتا آیا ہے اور ان تمام سفروں کی بھی جو عاشق اپنے محبوب سے ملنے کے لئے کرتا آتا ہے۔ طربیۂ خداوندی میں اینیس (Aeneas) ورسینٹ پال (St. Paul) کے دوسری دنیا کے سفروں کا حوالہ دیا گیا ہے۔ مگر ان سفروں کے علاوہ متعدد ایسے سفر ہیں جن کے تذکرے مذہبی اساطیری، رومانی اور ادبی روایات کے وسیلہ سے ہم تک پہنچتے ہیں، جیسے ایڈونس (Adonis) اور آسیرس (Osiris) کے دوسری دنیا کے سفر اور پیغمبرؐ اسلام کی معراج۔ ان سفروں میں مسافر ہیرو کو ایسے تجربات ہوتے ہیں جو اسے ایک نیا علم اور نئی قدرت بخشتے ہیں بالفاظ دیگر ان سفروں کا مقصد تجدید حیات کے اسرار سے واقف ہونا ہوتا ہے۔ یہ سفر مرنے اور نئی

---

[1] جہنم کے بعد مقام کفارہ اور جنت میں یہ احساس بتدریج بڑھتا جاتا ہے اور اسی لئے تجربہ کی اشکال کی انفرادیت کا طبعی خدوخال پر انحصار بتدریج کم ہوتا جاتا ہے۔

زندگی حاصل کرنے کی تعبیرات ہیں۔ دراصل تجدید حیات کا عقیدہ قبل تاریخی زمانہ سے انسانی ذہن کو روشن کرتا آیا ہے اور مذاہب فطری (Nature Cutts) اور مذاہب مرموز (Mystery Religion) کی اساس اسی عقیدہ پر قائم رہی ہے۔ اور اس عقیدہ نے متعدد روایات کو جنم دیا ہے ایسے ہی عقاید کی پیداوار مخاطرہ جوئی کے وہ قصص بھی ہیں جن میں مسافر ہیرو تجدید حیات کی کوئی کلید حاصل کرتا ہے جیسے پشم طلائی (Golden Fleece) اور کاسۂ مقدس (Holy Grill) کے قصص یقیناً اپنی اساطیری ساخت کی بدولت طربیۂ خداوندی انسان کی قدیم ترین اور مہذب ترین حسیت کا امتزاج پیش کرتی ہے۔ اس کا اساطیری موضوع ایک طرف تو فرد کی نجات کی نشاندہی کرتا ہے اور دوسری طرف انسانی معاشرہ کی کیونکہ جہنم، مقام کفارہ اور جنت باطنی دنیا کی تصاویر بھی ہیں اور انسانی معاشرہ کی بھی۔ غرض کہ اپنی اساطیری ساخت کی بدولت دانتے کی نظم نہایت آفاقی بھی ہے اور ہمہ گیر اور جامع بھی۔

جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے کہ طربیۂ خداوندی کی اساطیری ساخت کی بدولت یہ نظم ایک طرف تو نہایت سہل داستان ہے اور دوسری طرف اس کے معنی پھیلتے جاتے ہیں، تہ در تہ، خود دانتے کو اپنی نظم کے معنی کی تہوں کا احساس تھا۔ انہوں نے معانی کی ان چار تہوں کا تذکرہ کیا ہے جن کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے یعنی لفظی معنی، تمثیلی معنی اخلاقی معنی اور عارفانہ معنی۔ ہم معانی کی آخری تین قسموں کو علامتی معنی یا مرموز معنی کہہ سکتے ہیں۔ تمثیلی کے عمومی مفہوم میں، ہم انہیں تمثیلی معنی بھی کہہ سکتے ہیں جیسا کہ دانتے کہیں کہیں کہتے ہیں۔ یہاں دانتے کے اس خط کا اقتباس پیش کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جو انہوں نے کان گرانڈ ویلا اسکالا کو لکھا تھا۔ یہ خط خصوصاً طربیۂ خداوندی کے بارے میں ہے۔

اس تصنیف کے معنی سہل نہیں...... کیونکہ اگر اس کی لفظی شکل پر غور کیا جائے تو ایک معنی حاصل ہوتے ہیں اور اس لفظی شکل کی وقعت پر غور کیا جائے گا تو دوسرے معنی حاصل ہوتے ہیں اور ان اول الذکر معنی کو لفظی معنی کہتے ہیں اور موخر الذکر معنی تمثیلی (یہاں تمثیلی کا عمومی مفہوم مراد ہے) یا مرموز معنی کہتے ہیں۔ اور اس طرح کے انداز بیان کی وضاحت (بائبل کی اس آیت کو لے کر کی جاسکتی ہے۔ "جب بنی اسرائیل مصر سے باہر نکل آئے اور یعقوب کا خاندان اغیار کے درمیان سے نکل آیا تب یہوداس کا حرم ہوگیا اور اسرائیل اس مملکت"۔ چنانچہ الگ ہم محض لفظی شکل پر غور کریں

تو جو بات ہمیں بتائی گئی ہے وہ بنی اسرائیل کا موسیٰ کے زمانے میں مصر سے خروج(Exodus) ہے۔ اگر ہم تمثیل پر غور کریں تو یہ بات ہماری نجات ہے جو مسیح کے وسیلہ سے قرار پائی۔ اگر ہم اخلاقی مفہوم پر غور کریں تو ہمیں گناہ کی ابری اور اندوہ کی حالت سے توفیق خداوندی Divine) (Geace کی جانب روح کی انابت(Conversion) کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ اگر ہم عارفانہ مفہوم پر غور کریں تو ہمیں روح مقدس کے فسق و فجور کی غلامی سے نکل کر جلال ابدی (External Glory) کی حالت کو پہنچنے کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ اور اگر چہ مرموز معانی کو مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے لیکن ان کو ہم عمومی طور پر تمثیلی معنی کہہ سکتے ہیں اس لئے کہ یہ معنی لفظی اور تاریخی معانی سے مختلف ہیں۔

چنانچہ کل تصنیف کا موضوع لفظی اعتبار سے '' موت کے بعد روح کی حالت کا براہ راست تعین ہے''۔ اس لئے کہ کل تصنیف کا ابلاغ اسی خیال پر مبنی ہے۔ لیکن دراصل اگر کل تصنیف کا تمثیلی مفہوم لیا جائے تو اس کا موضوع یہ ہے کہ انسان اپنے نیک یا بداعمال کی بدولت اپنے آزادانہ انتخابات کے ذریعہ خدا کے انعام پرور یا عقوبت پرور عدل کا کس طرح مستحق ہوتا ہے۔

دراصل طربیۂ خداوندی بھی انابت اور خروج کے بارے میں ہے۔ ایک آدمی گناہ کے تاریک جنگل سے نکل کر نور معرفت کی بلندیوں تک پہنچنا چاہتا ہے اور بزعم خود جو کوشش کرتا ہے اس میں ناکام ہوتا ہے کیونکہ وسوسہ ہائے نفسانی تین درندوں کی صورت میں اس کا راستہ روک لیتے ہیں چنانچہ عقل کی مدد سے اپنے نفس کی گہرائیوں میں اتر کر اسے عجز کا سبق سیکھنا پڑتا ہے۔ تب ہی وہ ان بلندیوں کی طرف صعود کرنے میں کامیاب ہوتا ہے جہاں اس کی روح کے لئے ارض موعودہ ہے۔ اب اگر وسوسہ ہائے نفسانی اس کے راستہ میں آتے ہیں تو براہ راست توفیق خداوندی اس کی مدد کے لئے نازل ہوتی ہے 'اس من (Manna) کی طرح جو صحرائے سینا میں بنی اسرائیل پر نازل ہوتا تھا۔ اس عالم میں اس کی اپنی مرضی سے اور توفیق خداوندی کی مدد سے اس کا تزکیۂ نفس عمل میں آتا ہے۔ جس کے بعد وہ عالم لاہوت کی لامحدود برکتوں کی طرف پرواز کر سکتا ہے۔ یہاں تک کہ رویائے سعادت (Be Atific Vision) کا شرف حاصل کر سکے۔ یہ مفہوم ہے اس داستان کا جس میں طربیۂ خداوندی کا مسافر ہیرو تاریک جنگل میں بھٹک جانے کے بعد

ورجل کی رہنمائی میں جہنم میں اترتا ہے اور پھر زمین کے دوسری طرف مقام کفارہ میں برآمد ہوتا ہے اور مقام کفارہ کی پہاڑی پر چڑھ کر اس کی چوٹی پر پہنچتا ہے جہاں جنت ارضی Earth) (Paradise ہے اور پھر یہاں سے ورجل کی جگہ بیاترچے کی رہنمائی میں جنت لاہوت میں پرواز کرتا ہوا عرش معلے The Empyrean تک پہنچ جاتا ہے، جہاں رویائے سعادت سے مشرف ہوتا ہے۔ یہ داستان اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ تجدید شعور یا نجات کے لئے پہلے معرفت نفس اور پھر تزکیۂ نفس ضروری ہے۔ اور یہ کہ معرفت کی بلندیوں تک صعود (Ascent) کے لئے پہلے عاجزانہ سقوط (Decent) ضروری ہے۔ عیسائی عقیدہ کے مطابق یسوع مسیحؑ کی تجسیم خداوندی کی داستان سے، یعنی ان کی زندگی ان کے مسائل اور جہاد، ان کی صلیب پر موت اور ان کی مقبرہ اور پھر جہنم میں اترنے کی روایات سے شہادت ملتی ہے۔ اسی لئے اتباع مسیحؑ میں طربیۂ خداوندی کا ہیرو گڈ فرائی ڈے (Good Friday) کی شام کے وقت اپنا سقوط شروع کرتا ہے، یعنی جہنم میں اترنا شروع کرتا ہے اور ایسٹر سنڈے Easter) (Sunday کی صبح کے وقت جہنم کے ''مقبرہ'' سے برآمد ہوتا ہے، حیات بابرکات کی بلندیوں تک صعود کرنے کے لئے ایک مرتبہ پھر اس کا راستہ ''صحرائے عظیم'' سے گزرتا ہے اور یہ راستہ نہایت دشوار گزار ہے۔ لیکن اب وہ عجز کا سبق سیکھ چکا ہے اور سینٹھے (Rush) کے حلقہ سے کمر بستہ ہیں ایک بار پھر انابت اور خروج کا واقعہ دہرایا جاتا ہے اور اس مرتبہ مسافر ہیرو اپنی منزل کی طرف آگے بڑھتا ہے اور توفیق خداوندی خود براہ راست اس کی مدد کیلئے کارفرما ہوتی ہے۔ دراصل انابت کوئی ایسا واقعہ نہیں ہے جو ایک مرتبہ قطعی طور سے ہوگیا اور بس آدمی خدا رسیدہ ہوگیا نہ ہی انابت کا مطلب یہ ہے کہ کسی خواہش کی نفی کی جائے یعنی یہ خواہش نہیں وہ خواہش ہونی چاہئے کیونکہ جیسا کہ کیرکگارڈ Kierkegard کہتا ہے خلوص دل کا مطلب یہ ہے کہ صرف ایک خواہش ہو۔ یعنی اس ایک خواہش میں ہی تمام خواہشات سمٹ آئیں۔ اور جب اس طرح کی صرف ایک خواہش ہوگی تو ہمیشہ وہ نیک خواہش ہوگی وہ خیر کلی کی خواہش ہوگی جو نفس کی جدلیاتی وحدت سے، جو انسان کے وجود کلی سے پیدا ہوتی ہے یعنی غیر مرتب خواہشات کی اصل حقیقت جاننے کے بعد، اپنی روح کے جہنم سے گذرنے کے بعد، انسانی وجود کی وہ قوت جو ان غیر مرتب

خواہشات کی وجہ سے منتشر ہو جاتی ہے۔ اسے سمیٹ کر اس ایک خواہش کے نکتہ پر مرکوز کر دیا جائے تو پاکیزگی نفس اور عشق مرتب کی وہ صورت پیدا ہوتی ہے جس میں انسان کا ارادہ آزاد ہو جاتا ہے، یہی انابت ہے۔ دانتے کے جہنم اور مقام کفارہ میں ہم اسی حقیقت کو محسوس کرتے ہیں۔ انابت کا فطری نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ روح توفیق خداوندی کا براہ راست اثر قبول کرنے کے لائق ہو جاتی ہے۔ اس سے بعد کی کہانی ہمیں جنت میں ملتی ہے۔ جہاں قرب خداوندی کی بدولت برکتوں سے سرشار ہوتی ہے۔ دراصل طربیۂ خداوندی کی کہانی کبھی ختم نہیں ہوتی بلکہ انسان کی زندگی میں بار بار، رویا کے بعد رویا میں، یہ کہانی دہرائی جاتی رہتی ہے۔ رویائے سعادت کا مطلب پایان شوق نہیں ہے اس لئے کہ خود رویائے سعادت کی تجلی لامحدود ہے اور اس کا تجربہ ہونے کے بعد خواہش اور ارادہ عشق کی قدرت سے گھومتے ہوئے آگے بڑھتے رہتے ہیں۔ روحانی دنیا کا مسافر ایک نیا شعور لے کر اپنی زمان و مکان کی دنیا (Saeculum) کو واپس لوٹتا ہے، ابدیت کے ایک نئے جلوہ کے لئے۔ اس عاشق مسافر کے لئے رویا کی مسلسل تجسیم و تشدید کے جدلیاتی عمل میں ہی وہ جنت ہے جو مسلسل تماشائے وجود ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ جنت دوزخ کی قلب ماہیت سے تعمیر ہوتی ہے، خلوصِ دل کی اس جدلیاتی وحدت سے تعمیر ہوتی ہے جس میں کسی خواہش کی نفی نہیں ہوتی یہ جنت وجود کلی کا پرتو ہے جو خیر کلی کی شکل میں ظہور پذیر ہے۔ لہٰذا انابت اور جہاد زندگی کے ہر لمحہ میں اپنے وجود کلی کی قوت سے رجعت الی اللہ یعنی خدا کی طرف پلٹنے کا نام ہے۔ زندگی کا ہر لمحہ حیات نو کا پیغام ہے اور ہم سے اپنی پوری قوتوں کے ساتھ جہاد مسلسل کا مطالبہ کرتا ہے۔ یہی عشق مرتب کی وہ حقیقت ہے جو طربیۂ خداوندی کا محسوس تجربہ بن کر ایک شعلہ کی طرح ہمارے رگ و پے میں حلول کر جاتی ہے۔

طربیۂ خداوندی کے مطالعہ کیلئے چند عظیم تر پیکروں کا موٹے طور پر سمجھنا ضروری ہے۔ زیر کا مختصر تبصرہ ڈوروتھی سیئرز (Dorothy Sayers) کے طربیۂ خداوندی کے انگریزی ترجمہ کے تعارف سے ماخوذ ہے۔

دانتے۔ نظم میں دانتے کی دو طرح کی شخصیتیں ہیں جن کا ایک دوسرے سے امتیاز کرنا ہمارے لئے ضروری ہے۔ ایک تو وہ دانتے ہے جو مسافر ہیرو ہے اور جس کی شخصیت میں بتدریج

فروغ پایا جاتا ہے۔ دوسرا وہ دانتے ہے جو اپنے تجربات سنا رہا ہے اور کبھی کبھی ہم سے براہ راست مخاطب ہوتا ہے۔ (نظم میں نہایت شدت آفریں مقامات پر اکثر یہ دونوں دانتے یکجا ہو جاتے ہیں)۔ داستان میں مسافر ہیرو دانتے اس دانتے کی فنی تجسیم ہے جو وہ جلاوطنی سے پہلے 1300ء میں تھا۔ یعنی وہ شخص جو فلورنطینی شاعر، فلسفی، سیاست اور بیاتر چے کا عاشق ہے۔ تمثیلی اعتبار سے وہ ہر عیسائی گنہگار کی علامت ہے اور اس کی مسافرت وہ مسافرت ہے جو نجات کی طالب ہر روح کو گناہ کے تاریک جنگل سے خدا کے شہر تک طے کرنا ہوتی ہے۔ ہمیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ یہ دونوں شخصیت فنی علامات ہیں اور ان کو دانتے کی واقعی یا تاریخی شخصیت سے امتیاز کرنا بھی ہمارے لئے ضروری ہے۔ تاکہ زندگی اور فن کے تعلق کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ ہم ان کو ایک دوسرے سے امتیاز کر سکیں۔ اسی امتیاز کو ذہن میں برقرار رکھنے کیلئے اس کتاب میں جہاں ''دانتے'' سے مراد فنی علامت ہے وہاں اس کے لئے صیغہ واحد استعمال کیا گیا ہے۔

ورجل۔ داستان میں ورجل وہ شاعر ہے جس نے اپنی نظم اینیڈ (Aeneid) میں سلطنت روما کی ابتدا، اس کی تقدیر عالیہ اور اس کی مہذب دنیا کو متحد کرنے والے کردار کے بارے میں بتایا ہے۔ قرون وسطیٰ میں ورجل کو عیسایت کا غیر شعوری نقیب سمجھا جاتا تھا اور عوام الناس کے ذہن میں جو اس کی تصویر تھی وہ ایک ''سفید ساحر'' (White Magician) کی تصویر تھی جو اپنے علم وفضیلت کی وجہ سے روحوں پر قدرت رکھتا ہو۔ دانتے کی فنی تصویر میں ان تصورات کی جھلک ملتی ہے۔ اور جو کچھ ہم نے ورجل کی پرکشش نرم مزاج شخصیت کے بارے میں سنا ہے اس کی بھی۔ تمثیل کے اعتبار سے ورجل انسانی عقل کی علامت ہے (جو دراصل وجدان یا الہام یا توفیق خداوندی کے زیر اثر ہی عقل کی حیثیت سے کام کرتی ہے۔ ہمیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ ورجل بیاترچے کی تحریک پر اور توفیق خداوندی کے زیر اثر ہی دانتے کی رہنمائی کرتا ہے)۔ ورجل اس ثقافتی عروج کی علامت ہے جہاں تک انسان اپنی لیاقت سے توفیق خداوندی سے خصوصی تائید کے بغیر پہنچ سکتا ہے۔ اس ثقافتی عروج کا جنت ارضی (Earthly Paradise) ہے۔ ورجل نہ صرف انسانی اخلاق اور انسانی فلسفہ بلکہ فن، شعور وسخن اور انسانی احساس اور انسانی تخیل کی معراج کی علامت ہے اور یہ تمام چیزیں اس عقل سے عبارت ہیں، جس کی وہ نمائندگی کرتا ہے۔ وہ جنت ارضی کے آگے

نہیں بڑھ سکتا، کیونکہ اس سے آگے دیدارِ خداوندی کی برکت وسعادت کا اس نے خود کوئی تصور نہیں کیا تھا وہ جنت لاہوت نہ تو خود جا سکتا ہے، نہ کسی کو لے جا سکتا ہے۔( کیونکہ جن اقدار کی وہ نمائندگی کرتا ہے وہ مذہب کا بدل نہیں ہو سکتیں )۔لیکن وہ توفیق خداوندی کے زیر اثر روح کو بیدار کر کے اسے اپنی معصیت کا احساس دلا سکتا ہے۔ تا کہ وہ توفیق خداوندی کا براہ راست اثر قبول کر سکے۔وہ عقل ہے جو انسان کو انسان بنا سکتا ہے۔

بیاترچے۔بیاترچے داستان میں وہی ہے جو وہ دانتے کے لئے زندگی میں تھی۔یعنی اس فلورنطینی کی فنی علامت جس سے دانتے کو اس لمحہ سے عشق تھا جب سے انہوں نے اس کو دیکھا تھا اور جس کے منفرد وجود میں انہیں خدائے لامحدود کا جلوہ نظر آیا تھا وہ دانتے کے لئے وہ مقدس پیکر تھی اور جو حامل الوہیت ہو۔تمثیل کے اعتبار سے بیاترچے وقتاً فوقتاً مختلف حاملین الویت کی نمائندگی کرتی ہے، جیسے کلیسا، تجسیم خداوندی الہام مقدس، مریم عذرا، مسیحؑ، پاک روٹی (The Holy Host)یا عشائے ربانی (Eauharist)یا مائدۂ مقدسہ (Holy Communion)یعنی بیاترچے لطف خداوندی یا توفیق خداوندی (Divine Geace) کا وہ پیکر ہے جس میں یہ تمام الوہی علامات یہ تمام آیات ربانی منعکس ہوتے ہیں۔ ''بیاترچے''(Beateice) کے لفظی معنی بھی حامل برکت (Blessing Beacer) کے ہیں۔نظم میں بیاترچے کا فعل وعمل یہی ہے کہ وہ دانتے کو الوہی علامات یا آیات ربانی کا براہ راست عرفان کرا سکے۔ جنت کے آخر میں بیاترچے کا پیکر ہٹ کر کسی اور پیکر کو جگہ نہیں دیتا بلکہ دوسرے الوہی پیکروں کو ضم ہو جاتا ہے، یعنی پہلے کلیسائے فتح یاب (The Chuch Triumphant)کے پیکر میں پھر مریم عذرا کے پیکر میں جو تاریخی اعتبار سے اور آفاقی اعتبار سے حامل الوہیت میں اور پھر خدائے لامحدود کے پیکر میں جہاں پیکر اور حقیقت ایک ہیں۔ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ بیاترچے کے منفرد وجود کی روشنی میں کل وجود کی حقیقت نظر آتی ہے اور طربیۂ خداوندی کا رویا منکشف ہوتا ہے۔اس کا تبسم ہی جنت کا تجربہ بن جاتا ہے۔ اور خود رویائے سعادت بھی اسی کے دیدار کی تمدید ہے۔اس طرح بیاترچے ہر نفس انسانی کے لئے وہ غیر نفس (Not Sale)یا وہ دیگر حقیقی (Teue Other)یا وہ ''تو''(Thou)ہے جو ''ازلی تو''

(Eaternal Thou) کا مظہر ہے۔ وہ حامل الوہیت ہے، آیات ربانی ہے، خدا کے وجود کا الہام ہے، تجسیم خداوندی کی شہادت ہے اور اس کی معرفت بغیر عشق کے ممکن نہیں۔

جہنم۔ داستان میں جہنم وہ مقام یا وہ حالت ہے جو مرنے کے بعد گمراہ روحوں کی ہوتی ہے اس کی فنی شبیہ ایک عظیم کیف نما قعر مذلت کی ہے جو شمالی نصف کرہ کے نیچے زمین کے اندر مرکز زمین تک چلا گیا ہے تمثیل کے اعتبار سے جہنم نفس انسانی کے اندر بدی کے گہرے ہوتے ہوئے امکان کا ایک پیکر ہے۔ اس اعتبار سے جہنم کے گناہگار جنہوں نے تمرد کے ساتھ بدی کو منتخب کیا اور جو اس بدی میں ابدی طور پر قیام کرتے ہیں نفس کے انتخاب فاسقانہ کے پیکر ہیں۔ داستان کے مقاصد کے لئے وہ تاریخی یا قصصی شخصیات کی فنی تصاویر ہیں جو مسافر ہیرو کے اور ہمارے وجود کے باہر ہیں۔ تمثیل کے اعتبار سے وہ مسافر ہیرو کی اور ہماری غیر مرتب خواہشات ہیں جن سے ہم نفس کی مخفی گہرائیوں کی کھوج کرنے پر واقف ہوتے ہیں۔ ہر ملعون گناہ گار ایسے امکانی یا واقعی گناہ کا پیکر ہے جسے نفس خود ملامت کرتا ہے۔ نہ تو داستان کی سطح پر، نہ ہی تمثیل کی سطح پر، جہنم کو کوئی ایسا تعزیری زنداں ہے جہاں ہر کسی کو حاکم مطلق محض اپنی مرضی سے بھیج دے۔ جہنم وہ حالت ہے جو روح خود اپنے فاسقانہ انتخاب سے اپنے لئے پیدا کرتی ہے اور جہنم کا عذاب فسق و فجور کی وہ بھیانک بے قراری ہے جو انسانی روح کے لئے خیر کلی کی فطری خواہش کی تسکین نہ ہونے پر فطری طور سے پیدا ہوتی ہے۔ جہنم میں ہر روح کو وہی مقام ملا ہے جس کی اس نے خود آرزو کی تھی اپنے گناہ کے ذریعہ۔ ہاں گناہ کا پرفریب التباس اس عالم ابدیت میں ختم ہو چکا ہے۔ ہمیں جہنم جو لفظی معنی ہیں جہنم ہے اور رویائے جہنم جو دانتے کو مشیت الٰہی کی طرف سے عطا ہوا ہے ان دونوں میں امتیاز کرنا چاہئے۔ جہنم کی کوئی اصلاح یا معالجاتی آفادیت نہیں ہے اور مرنے کے بعد جو اس میں داخل ہوتا ہے اسے ساری امیدیں ترک کردینی پڑتی ہیں۔ وہ اس سے ہرگز باہر نہیں آسکتا۔ کیونکہ اس نے گناہ کا خود انتخاب کیا اور گناہ کی جو خواہش اسے یہاں لائی ہے وہ گناہ کا التباس ختم ہونے پر بھی ابدی طور سے اس کے ساتھ ہے اسی لئے مرنے کے بعد جو جہنم میں چلا گیا اس کے لئے جہنم کا تجربہ کبھی منفعت بخش نہیں ہو سکتا۔ اور کوئی زندہ انسان جہنم میں جا نہیں سکتا کیونکہ جب تک زندگی باقی ہے چاہے ایک ہی لمحہ کیوں نہ ہو، تب تک توبہ کرنے کا موقع ہے ـــ ہاں اگر انتہائی سخت دل یا

کفر جحود کی وجہ سے توبہ کرتے ہی نہ بنے تو بات دوسری ہے، ایسی صورت میں تو آدمی جیتے جی جہنم میں ہوتا ہے۔ لیکن ''رویائے جہنم'' جہنم سے مختلف ہے۔ رویائے جہنم نفس انسانی میں بدی کے امکانات کا عرفان ہے، اور اس عرفان کا نتیجہ شخصیت کی تجدید ہوتا ہے۔

مقام کفارہ۔ داستان میں کیتھولک عیسائی عقیدہ کے مطابق مقام کفارہ وہ مقام یا حالت ہے جس میں مرنے کے بعد تائب روحیں ہوتی ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ دانتے کا مقام کفارہ ہماری زمان و مکان کی دنیا میں موجود ہے جبکہ ان کی جہنم اور جنت اس سے باہر ہیں۔ دانتے نے اس کا تصور ایک نہایت بلند پہاڑ کی صورت میں کیا ہے جو جنوبی نصف کرہ میں بیت المقدس کے مخالف قطبی مقام (Anti Podal Position) پر ایک جزیرہ میں واقع ہے۔ مقام کفارہ خاص کرۂ باد سے اوپر شروع ہوتا ہے، اور اس کے سات چکر دار کانسوں (Cornics) پر سات گناہ کبیرہ (The Seven Deadle Sins) کا تزکیہ عمل میں آتا ہے جس کے بعد ارواح جنت لاہوت میں خدا کے حضور میں پہنچنے کے لائق ہو جاتی ہیں۔ تمثیل کے اعتبار سے مقام کفارہ توبہ پیکر ہے کہ جس کی بدولت روح اس زندگی میں گناہ کی کثافت سے پاک ہوتی ہے۔ اس طرح جو تائب روحیں یہاں عمداً، اپنی مرضی سے اذیت مطہر کو برداشت کرتی ہیں وہ روح انسان کی ان حرکات کی علامت ہیں جن کا اعتراف گناہ اور انابت کے عمل سے متعلق ہے۔

جنت۔ داستان میں جنت وہ مقام یا حالت ہے جس میں مرنے کے بعد بابرکت یا نجات یافتہ روحیں ہوتی ہیں۔ دانتے کا اس کا تصور پہلے تو قرونِ وسطیٰ کے علم الافلاک کے مطابق دس آسمانوں کی صورت میں کرتے ہیں۔ اور پھر گل متصوفانہ (Mystecal Rose) کی صورت میں۔ اس طرح وہ اس بات کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ اگرچہ مختلف ارواح کے درجات فضیلت متعین ہیں — اپنے اپنے انفرادی وجود کی تکمیل کے اعتبار سے — مگر دراصل یہ تمام درجات ایک ہی جنت ہیں اور مختلف ارواح کو برابر کی مسرت و برکت محسوس ہوتی ہے اگرچہ یہ مسرت و برکت ان کی مختلف استطاعت سے مختلف ہوتی ہے۔ تمثیل کے اعتبار سے جنت روح کی حالت برکت یا حالت توفیق ہے، جو میعاد لاہوت کی سعادتوں کی پیش رو ہے۔ مختلف ساکنان جنت میں ہمیں روح کے اس تدریجی صعود کی علامت ملتی ہے جس کی منزل رویائے سعادت ہے۔

شہر اور سلطنت کے متعلق طربیۂ خداوندی میں مختلف پیکر ملتے ہیں، جیسے فلورنس، روم اور اطالیہ کے دوسرے شہر، جہنم میں شیطان کا شہر اور اس کی سلطنت اور جنت میں خدا کا شہر یا روم لاہوتی۔ ان تمام پیکروں کا کچھ وہی مفہوم ہے جو آج کل لفظ "معاشرہ" سے لیا جاتا ہے۔ طربیۂ خداوندی کی تمثیل کا مفہوم اگر سیاست اور مذہبیت کے اعتبار سے لیا جائے تو اس کا مفہوم وہ راہِ نجات ہے جو صرف فرد کی راہ نجات نہیں، بلکہ انسانی معاشرہ میں انسان کی راہ نجات ہے۔ فرد اور معاشرہ کی سطح پر دیکھا جائے تو یہ احساس ہوتا ہے کہ انسانی معاشرہ کی نجات کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ اپنے اندر کے جہنم سے واقف ہو اور شر سے اپنے آپ کو پاک کرے تاکہ برکت انصاف اور محبت کی دنیا آباد ہو سکے تاکہ زمین پر خدا کی سلطنت (The Kingdom of God on Earth) آباد اور قائم ہو سکے۔ یہ وہی مقصد ہے جس کے حصول کے لئے دانتے کی زندگی اور ان کا فن دونوں ہی ایک جہاد بن جاتے ہیں۔

ایک مرتبہ ہم دانتے کے مکتوب بنام کان گراند دیلا اسکالا سے اس اقتباس کو دہراتے ہیں جس میں طربیۂ خداوندی کے مقصد کا اعلان کیا گیا ہے۔

اس ساری تصنیف کا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ اس دنیا میں زندگی گزار رہے ہیں انہیں ابتری کی حالت سے بچایا جائے اور بابرکت زندگی کی طرف ان کی رہنمائی کی جائے۔

ذیل میں عام ناظرین کی دلچسپی کے لئے طربیۂ خداوندی کی داستان کا مختصر خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔ کوئی بھی خلاصہ نظم کے تجربہ کا بدل نہیں ہو سکتا، اور اس اعتبار سے خلاصہ خود اپنے وجود کی نفی کرتا ہے۔ خلاصہ کا اگر کوئی جواز ہے تو وہ یہی ہے کہ قاری کو نظم کے مطالعہ کی طرف رجوع کرے۔ ذیل کے خلاصہ کے بارے میں ہمیں اس بات کا احساس ہے کہ اس خلاصہ میں بہت کچھ چھوٹ جائے گا۔ امید ہے کہ اس کی تلافی اور اس کتاب کی دیگر کوتاہیوں کی تلافی قارئین کے مطالعہ سے خود کریں گے۔ نظم کے چند ایسے پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لئے جو عام ناظرین کے لئے دلچسپ ہو سکتے ہیں اس خلاصہ میں کہیں کہیں تفصیلات کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

(خلاصہ میں نظم کے ہیرو دانتے کے لئے صیغۂ واحد استعمال کیا گیا ہے)

# جہنم

قطعہ 1:۔(دانتے کہتا ہے) ''ہماری اس زندگی کے سفر کے بیچوں بیچ میں نے اپنے آپ کو ایک تاریک جنگل[1] میں پایا، صراط مستقیم کھو دینے کے بعد۔ یہ جنگل اتنا بھیانک تھا کہ موت شاید ہی اس سے کچھ زیادہ بھیانک ہو۔ اس جنگل میں رات بھر بھٹکنے کے بعد صبح کے وقت ایک خوشنما پہاڑی[2] کے دامن میں پہنچتا ہوں تو وہ خوف جو میرے دل کی جھیل میں اب تک موجزن

---

1 گناہ کی علامت ہے اور کسی خاص گناہ کی نہیں بلکہ اس سخت دلی کی جو تمام گناہوں کی اصل ہے اور انسان کی گمراہی کا باعث بنتی ہے۔ اس کیفیت میں انسان لطف خداوندی کے اثر سے محروم ہو جاتا ہے۔ لیکن ابھی عقل، علم و ادب اور ثقافت سے متاثر ہونے کی استعداد رکھتا ہے۔

2 رمزیت کے اعتبار سے یہ پہاڑی برکت و سعادت کی سمت میں روحانی صعود کی علامت ہے اور اخلاقی اعتبار سے انابت اور توبہ کی۔ اس پر ''صحیح راستہ'' سے چڑھا جا سکتا ہے۔ لیکن ''تاریک جنگل'' سے نہیں کیونکہ وسوسے ہائے نفس کے خارج پیکر درندوں کی شکل میں راستہ روک لیتے ہیں چنانچہ نجات کیلئے گناہ کے داخلی اصلیت کا عرفان ضروری ہے جو اپنے نفس کے دوزخ میں اترنے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ اس عرفان کے بعد ہی انابت اور توبہ ممکن ہیں۔ اس عرفان کے بعد ہی مقام کفارہ کی پہاڑی تک پہنچا جا سکتا ہے۔ یہ وہی پہاڑی ہے جو بعد میں مقام کفارہ کی شکل میں نمودار ہوتی ہے۔

تھا ذرا کم ہوتا ہے جیسے کوئی تیراک سمندر سے جان بچا کر ہانپتا ہوا کنارے پر پہنچے اور پلٹ کر سمندر کے سیل پر خطر کو دیکھنے لگے۔[1] اس طرح جب کہ میری روح سے کوئی آدمی زندہ بچ نہیں نکلا۔ میں پہاڑی پر چڑھنا شروع کر دیتا ہوں۔ مگر ایک چیتا پھر ایک شیر اور پھر ایک بھیڑیے کی مادہ[2] میرا راستہ روک لیتی ہے'' اور میں چڑھائی سے ناامید ہو کر مارے دہشت کے پیچھے ہٹ جاتا ہوں یہاں تک کہ وہاں پہنچ جاتا ہوں جہاں سورج خاموش ہے''۔ اس وقت ایک شخص ظاہر ہوتا ہے ''جس کی آواز طویل خاموشی کے باعث بیٹھی ہوئی ہے''۔ اور میں پکار کر کہتا ہوں۔ ''تو جو کوئی بھی ہے محض سایہ یا سچ مچ کا آدمی ہے مجھ پر رحم کر!'' وہ شخص کہتا ہے ''آدمی نہیں، کبھی میں آدمی تھا۔ میرے والدین لومبارڈ تھے اور ان دونوں کا وطن انتواتھاء میں جولیس کے عہد میں پیدا ہو گیا تھا۔ اگرچہ وقت گزرنے کے بعد دیر سے۔ میں روما میں نیک آگسٹن کے دور میں رہتا تھا...... میں شاعر تھا اور میں نے ان کی زلیس کے انصاف پسند بیٹے کا قصہ نظم کیا جو ٹرائے سے اس وقت آیا جب ایلیوم کا تکبر جل کر خاک میں مل گیا تھا۔ مجھے اب یہ معلوم ہوتا کہ یہ شخص شاعر ورجل ہے جسے میں اپنا استاد مانتا آیا ہوں۔ ورجل مجھ سے کہتا ہے کہ تجھے دوسرے راستہ پر چلنا ہوگا اگر تو یہ چاہتا ہے کہ اس وحشی مقام سے بچ نکلے۔ کیونکہ بھیڑیے کی مادہ کسی کو بچ کر نکلنے نہیں دیتی وہ بہت سے درندوں سے اختلاط کرتی ہے اور بہت سوں سے کرے گی۔ یہاں تک کہ وہ سگ تازی[3] آئے گا جو اپنے غضبناک وار اسے غارت کرے گا۔ اس کی غذا ریاز مین نہیں ہوگی بلکہ فراست اور محبت اور مردانگی، اس کی جائے پیدائش فلیتر و اور فلیتر و[4] کے درمیان ہوگی۔ وہ ذلت رسیدہ طالیہ کا منجی ہوگا...... ورجل مجھ سے کہتا ہے کہ میرے ساتھ اس دوسرے راستہ سے چل جس میں پہلے تو ناامیدی کی چیخیں سنے

---

1۔ یہ خروج پیکر بنی اسرائیل کے دریائے احمر کو پار کرنے کی یاد دلاتا ہے

2 تین درندے جہنم کے تین اقسام کے گناہوں سے مطابقت رکھتے ہیں۔ یعنی 1۔ نفس پرستی (چیتا)، 2۔ تشدد (شیر ببر)، 3۔ فریب و غار (بھیڑیے کی مادہ) اور جیسا کیا اوپر کہا گیا ہے۔ یہ درندے سوسہ ہائے نفسانی کے خارجی پیکر ہیں۔

3۔ سگ تازی سے مراد نجات دہندہ سے ہے۔ یہ ایک اساطیری پیکر ہے اور اس میں مختلف معانی سمٹ آئے ہیں جیسے روح القدس، مسیح موعود، اطالیہ کا نجات دہندہ شہنشاہ، ہنری ہفتم وغیرہ۔

4 اسی طرح ''فلیتر و اور فلیتر و'' کے مختلف معانی ہو سکتے ہیں۔ جیسے (1) خرقۂ صوف (2) وینشیا کے فلیتر و اور روما گنا کے موتنے فلیترہ کے درمیان۔

گا۔ (جہنم میں) اور پھر اس سے آگے ان لوگوں کو دیکھے گا جو آگ میں بھی اس خیال سے مطمئن ہیں کہ جب وقت آئے گا وہ بخشے جائیں گے اور نجات حاصل کریں گے اور اگر مجھے اور اوپر صعود کرنے کی خواہش ہوگی تو نجات یافتہ ارواح تک مجھ سے برتر ایک دوسری روح تیری رہنمائی کرے گی اور میں تجھے اس کے پاس چھوڑ کر رخصت ہو جاؤں گا کیونکہ شہنشاہ آسمانی کو یہ منظور نہیں کہ میں جو اس کے دستور سے باغی رہ چکا ہوں اس کے شہر میں داخل ہو سکوں گا اس گفتگو کے بعد میں ورجل کے پیچھے ہو لیتا ہوں۔

قطعہ نمبر۔2 ''دن ختم ہو رہا تھا اور بھوری ہوا زمین کے تمام جانداروں کو کام کاج سے چھڑا رہی تھی (دانتے کہتا ہے کہ صرف میں) اکیلا اپنے آپ کو سفر اور افسوس کی جنگ کے لئے تیار کر رہا تھا۔ میری ہمت پست ہو رہی تھی۔ میں ورجل سے کہتا ہوں'' مجھے اس کٹھن سفر پر لے جانے سے پہلے یہ بھی تو دیکھ لے کہ مجھ میں اس کی صلاحیت بھی ہے یا نہیں...... میں نہ اینیس ہوں نہ سینٹ پال'' ورجل میرے خوف کا اندازہ کرتے ہوئے کہتا ہے'' ایک نہایت حسین اور پاکیزہ خاتون یعنی بیاترچے کی روح عشق سے مجبور ہو کر آسمان سے جہنم میں مجھ سے محض یہ فرمائش کرنے کیلئے اتری کہ میں اس کے دوست (دانتے) کو جو تاریکی میں پھنس گیا ہے نجات کا راستہ بتاؤں۔ بیاترچے نے مجھے بتایا کہ آسمان کی بلند مرتبہ خاتون (یعنی مریم عذرا) نے تیری (دانتے کی) حالت پر ترس کھا کر لوسی[1] کو اس کے (بیاترچے کے) پاس بھیجا کہ وہ مجھے بچانے کی کوشش کرے اور فوراً ہی وہ میرے پاس میری خدمات حاصل کرنے کے لئے جہنم میں اتر آئی چنانچہ عالم بالا کی حمایت اس سفر میں تیرے ساتھ ہے اور مجھے تیری رہنمائی کے لئے مامور کیا گیا ہے۔ یہ سن کر میری ہمت بندھ جاتی ہے۔ اور میں اس کٹھن اور وحشتناک راستہ پر ورجل کی رہنمائی میں چلنے لگتا ہوں۔

قطعہ نمبر 3۔ '' مجھ سے ہو کر تیرہ و تار شہر کو راستہ جاتا ہے۔ مجھ سے ہو کر ابدی عذاب کو

---

1۔ تیسری صدی عیسوی کی شہید ولی دوشیزہ سینٹ لوسی (St. Lucy) جو کمزور لوگوں کی سرپرست ولی ہیں۔ یہاں لوسی نور لطف خداوندی کی علامت ہے۔ مریم، بیاترچے اور لوسی تینوں لطف خداوندی یا توفیق خداوندی (Divine Geace) کے مختلف مظاہر ہیں۔ دانتے اتنا گمراہ ہو چکا ہے کہ لطف خداوندی سے براہ راست متاثر نہیں ہو سکتا۔ مگر علم و عقل و تہذیب و فن سے ہنوز متاثر ہو سکتا ہے۔

راستہ جاتا ہے، مجھ سے ہوکر ان لوگوں تک راستہ جاتا ہے جو تباہ ہو چکے ہیں۔انصاف نے میرے خالق اعظم کو تحریک دی، قدرت خداوندی، عقل مطلق اور عشق ازلی نے مجھے تعمیر کیا۔ مجھ سے پہلے کوئی چیز تخلیق نہیں کی گئی سوائے جاودانی مخلوق کے۔ میں بھی جاودانی ہوں۔اے شخص جو مجھ میں سے داخل ہوتا ہے تمام امیدوں سے ہاتھ دھولے''— یہ الفاظ اداس روشنائی سے لکھے ہوئے ایک دروازہ پر نظر آتے ہیں جو جہنم کا دروازہ ہے۔ ورجل مجھ کو تسلی دیتا ہوا اس دروازہ سے گذار کر ان بدنصیبوں کو دکھانے لے جاتا ہے'' جنہوں نے عقل کی بھلائی کو کھودیا ہے''۔ یہاں آہیں اور فریادیں اور گریہ و بکا کی گہری صدائیں ستاروں سے خالی فضا میں گونج رہی تھیں۔اس طرح کہ پہلے تو مجھے بھی رونا آ گیا۔ دہشت ناک چیخیں، دکھ بھری کراہیں، غصہ کے لہجے، گہری کرخت آوازیں اور ان کے درمیان دو ہتڑوں کا شور مسلسل ایسا ہنگامہ برپا کر رہا تھا جو چکر کھاتا ہے ابدی رات میں جو ٹھوس تاریکی سے کالی ہے، اس طرح جیسے کہ ریت چکر کھاتی ہے تند بگولہ میں۔ میرے پوچھنے پر ورجل بتاتا ہے کہ'' یہ افسوسناک کیفیت ان بدبخت لوگوں کی روحوں کو برداشت کرنا پڑتی ہے۔ جن کی زندگی نہ قابل الزام تھی نہ قابل تعریف......آسمان نے انہیں نکال باہر کیا کہ اس کے نورانی حسن پر ان کی موجودگی سے داغ نہ لگے۔عمیق جہنم انہیں قبول نہیں کرتا ورنہ ملعون فاسق بھی ان کے مقابل فخر کرنے لگیں گے...... دنیا اس کی اجازت نہیں دیتی کہ ان کا نام باقی رہے۔ رحم و انصاف کو ان سے تنفر ہے۔ چل اب ان کا ذکر چھوڑیں۔ دیکھ اور آگے بڑھے۔'' اور میں (دانتے) نے دیکھا کہ ایک جھنڈا ہے جو چکر کھاتا ہوا اس تیزی سے دوڑ رہا ہے کہ گویا ٹھہرنے سے اسے نفرت ہے اور اس کے پیچھے یہ بدبخت لوگ دوڑتے تھے، اتنی بڑی قطار میں کہ مجھے یقین نہ آتا تھا کہ موت نے اتنوں کو تباہ کیا۔ میں نے ان میں سے بعض کو پہنچان لیا اور فوراً میں سمجھ گیا کہ یہ گروہ ان لوگوں کا ہے جن سے خدا بھی نفرت کرتا ہے اور اس کے دشمن بھی۔[1] یہ بدنصیب جو کبھی (حقیقت میں تازندہ رہے ہی نہیں بالکل ننگے تھے اور بھڑیں ان کو کاٹتی تھیں، ان کو اتنا کاٹتی تھیں کہ ان کے چہروں سے خون

1۔اس لئے کہ انہوں نے یہ نیکی کا انتخاب کیا نہ بدی کا ان کا اپنا عزم اور ارادہ نہ ہونے کی وجہ سے انہیں جدھر ہوا بہالے گئی وہ بہہ گئے اور ان کی یہی کیفیت عالم ابدیت میں بھیانک روپ اختیار کر لیتی اور جہنم کی یہ ڈیوڑھی (Vesti Vule) اسی کا پیکر ہے۔

ابلنے لگتا تھا۔ یہ خون ان کے آنسوؤں سے ملکر ان کے قدموں میں گرتا تھا جہاں مکروہ کیڑے مکوڑے اسے چاٹتے تھے"۔ اس مجمع سے گذر کر میں اور ورجل ایک بڑے دریا کے کنارے پہنچتے ہیں جو جہنم کے کنارے کے اطراف بہتا ہے۔ اس دریا کا نام ایکرون (Acheron) ہے وہ بوڑھا عفریت کیرون (Charon) ہماری طرف کشتی کھیتا ہوا، چلاتا ہوآ تا ہے۔ وہ مجھے دیکھ کر چلاتا ہے اور تو جو یہاں زندہ موجود ہے، بھاگ جا، ان لوگوں کے پاس سے بھاگ جا جو مردہ ہیں۔ اور پھر یہ دیکھ کر کہ میں نہیں جاتا وہ کہتا ہے۔" دوسرے راستہ سے، دوسرے گھاٹ سے تو پار ہو سکے گا یہاں سے نہیں۔ تجھے لے جانے کیلئے اس سے زیادہ ہلکی کشتی چاہئے۔ ورجل اس سے کہتا ہے۔ کیرون کیوں بے وفائدہ دہاڑتا ہے اور طیش کھاتا ہے۔ ایسی ہی مشیت ہے وہاں کی جہاں مشیت اور قدرت عمل ایک ہیں۔ بس اس سے زیادہ مت پوچھ۔ اور پھر زار زار روتے ہوئے سب گناہگار مل کر اس منحوس کنارے پر جمع ہوجاتے ہیں جو ہر شخص کا منتظر ہے۔ جس کے دل میں خدا کا خوف نہیں۔ عفریت کیرون جس کی آنکھیں دہکتے ہوئے انگارے ہیں اشارہ کر کے انہیں بلاتا ہے، انہیں اکٹھا کرتا ہے۔ جو کوئی رکتا ہے اسے چپو سے مارتا ہے، جس طرح خزاں میں پتیاں ایک کے بعد ایک جھڑتی جاتی ہیں یہاں تک کہ شاخیں اپنی ساری دولت زمین پر بکھیر دیتی ہیں، اسی طرح اشاروں پر آدم کی یہ خبیث اولاد ایک ایک کر کے اس کنارے سے رواں ہوتی ہے، جیسے شکرہ باز کی آواز پر شکرہ۔ اس طرح وہ اس بھورے ساحل پر روانہ ہوتے ہیں۔ اور ان کے دوسرے ساحل پر پہنچنے سے پہلے ہی یہاں ایک اور تازہ مجمع اکٹھا ہوجاتا ہے۔ ورجل مجھے بتاتا ہے کہ جو لوگ اس حالت میں مرتے ہیں کہ ان پر خدا کا غضب ہوتا ہے وہ سب ہر ملک اور ہر خطہ سے آ کے یہاں جمع ہوجاتے ہیں۔ اور وہ فوراً یہ دریا پار کرنے کو تیار ہوجاتے ہیں کیونکہ انصاف خداوندی انہیں اس طرح مجبور کرتا ہے کہ ان کا خوف بدل کر خواہش بن جاتا ہے۔ جب وہ یہ کہہ چکا تو دھندلا میدان اس زور شور سے لرزا کہ اس خوف کو یاد کر کے مجھے اب بھی پسینہ آجاتا ہے۔ اداس زمین سے ہوا کا ایک زبردست جھکڑ نکلا اور اس سے قرمزی رنگ کی ایسی بجلی چمکی کہ میرے تمام حواس مغلوب ہوگئے اور میں یوں گر پڑا جیسے کوئی نیند کے غلبہ سے گر پڑے۔

قطعہ نمبر 4۔ توڑ دیا ایک رعد سنگین نے گہری نیند کو میرے دماغ میں۔ میں اٹھ بیٹھا

ہوں اور یہ دیکھتا ہوں کہ کسی نے مجھے دریا کے پار پہنچا دیا ہے۔ میں اپنے آپ کو ایک نہایت تاریک اور ایک نہایت گہری خلیج کے کنارے پر پاتا ہوں اور مجھے نیچے کچھ نظر نہیں آتا ورجل کہتا ہے۔ ''اب چل'' اس اندھی دنیا میں اتریں۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ ورجل کا رنگ زرد ہے۔ میرا خوف کے مارے برا حال ہے اور میں ورجل سے کہتا ہوں کہ میں کیسے اتروں جب کہ میں دیکھتا ہوں [illegible] تیرا جو مجھے تسلی دینے والا ہے۔ خوف سے رنگ اڑا جا رہا ہے۔ ورجل کہتا ہے کہ ایسا خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ ان لوگوں پر ترس آنے کی وجہ سے ہے جو نیچے عذاب میں گرفتار ہیں۔ میں اور ورجل جہنم کے پہلے حلقہ، لمبو (Limbo) میں پہنچتے ہیں جہاں ان لوگوں کی روحیں جو عیسائیت قبول نہ کر پائے تھے۔ ورجل کہتا ہے ''یہ گناہگار نہیں ہیں، انہوں نے نیکیاں کیں۔ مگر وہ کافی نہیں کیونکہ ان کا بپتسمہ نہیں ہوا تھا۔[1] وہ کہتا ہے کہ میں خود بھی انہیں لوگوں میں سے ہوں اور انہی کے ساتھ جہنم میں میرا بھی مقام ہے۔ ہم لوگ صرف یہی رنج اٹھاتے ہیں کہ (خدا کے دیدار کی سعادت کی) ہمیں تمنا ہے، لیکن کوئی امید نہیں''۔ یہ سن کر میرا دل بہت آزردہ ہوا کیونکہ میں جانتا تھا کہ بڑے بڑے لایق لوگ اس مقام پر رکے ہوئے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا یہاں سے کبھی کسی نے نکل کر نجات اور برکت حاصل کی ہے۔ ورجل بتاتا ہے کہ جب میں یہاں نیا نیا آیا تھا تب ایک نہایت قدرتمند ہستی (یعنی مسیحؑ) نے یہاں آ کر بہت سی روحوں کو نکال لیا۔ جیسے آدم اور نوح اور موسیٰ کی روحوں کو۔ یہاں کسی فریاد کی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ بجز ٹھنڈی سانسوں کے کہ جس کی وجہ سے جاودانی ہوا لرز رہی تھی۔ میں اور ورجل اس حلقہ میں اور آگے بڑھتے ہیں تو روشنی کے ایک نیم کردہ کے پاس پہنچتے ہیں جہاں ہومر اور دوسرے کلاسیکی شعراء سے ملاقات ہوتی ہے۔ یہ عظیم ترین شعراء مجھے اپنے گروہ میں چھٹے نمبر پر شمار کرنے کا اعزاز بخشتے ہیں[2] پھر میں اور ورجل ایک قلعہ معلیٰ میں پہنچتے ہیں جہاں ہم ممتاز ترین عقلاء اور بہادروں کو دیکھتے ہیں جن میں اینیس، جولیس سیزر، صلاح الدین،

---

1۔ یعنی ان کا تجسیم خداوندی یا کائنات کے مظہر خداوندی ہونے پر ایمان نہیں تھا یا یوں کہیں کہ آیات ربانی پر ان کا ایمان نہیں تھا۔ یا دوسرے الفاظ میں یوں کہیں گے کہ یہ لوگ الہام مقدس اور عشق سے بہرہ ور نہیں تھے۔

2۔ یہ محض دانتے کی کسر نفسی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ان سے بڑا شاعر دنیا میں کوئی نہیں۔

سقراط، افلاطون، آرفیوس، اقلیدس، بطلیموس، جالینوس، ابن سینا، اور ابن رشد شامل ہیں۔ یہاں عالی شان قصر تھے۔ ایک شفاف ندی تھی، اور تازہ سبزہ زار تھا[1]۔ پھر خاموش، کانپتی ہوئی فضا سے گذرتے ہوئے ہم دونوں ایک ایسے مقام پر پہنچ جاتے ہیں جہاں کوئی چیز ایسی نہیں جو روشن ہو۔

قطعہ 5۔ ہم دونوں جہنم کے دوسرے حلقے میں اتر جاتے ہیں۔ جہاں سے جہنم حقیقی معنوں میں شروع ہوتا ہے۔ یہاں دروازہ پر ہیبت ناک می نوس (Minos) بیٹھا ہوا دانت نکالے ہنس رہا ہے وہ تمام گناہ گاروں کا امتحان کرتا جاتا، فیصلہ کرتا جاتا اور اپنی دم سے اپنی کمر کے گرد اتنے حلقے بناتا ہے جتنے درجہ وہ چاہتا ہے کہ گناہگار جہنم میں اترے۔ ہر بدنصیب روح اس کے آگے سب کچھ قبول دیتی ہے۔ مجھ کو بغیر اعتراف گناہ کے آگے بڑھتا دیکھ کر می نوس اسے ٹوکتا ہے۔ مگر ورجل می نوس سے کہتا ہے "کیوں تو اس طرح چلاتا ہے اس کا راستہ مقدر ہو چکا ہے اسے مت روک، ایسی ہی مشیت ہے وہاں کی جہاں مشیت اور قدرت عمل ایک ہے۔ بس اس سے زیادہ مت پوچھ"۔ آگے بڑھنے پر میرے کانوں میں گریا وزاری اور فریاد کی صدائیں آنے لگتی ہیں۔ اور ہم ایسی جگہ پہنچتے ہیں جہاں روشنی بالکل خاموش ہے، جہاں ایسی گرج کی آواز آتی ہے جیسے اس طوفانی سمندر کی آواز جو جنگجو ہواؤں کے نرغہ میں ہو۔ جہنم کے دوسرے حلقے میں شہوانی گناہگار ہیں۔ جن کیلئے عذاب یہ ہے کہ کامل تاریکی میں ہولناک ہواؤں کے طوفانی جھکڑ مسلسل اڑائے پھرتے ہیں۔ اور چکر دے دے کر تھپیڑے مار مار کر انہیں ہراساں کرتے رہتے ہیں۔ ان گناہگاروں کی کالی ہوا کے بھیانک جھکڑ زمستانی پرندوں کے دلوں کی طرح اڑائے پھرتے ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ ان کی فریادوں کو بھی۔ ان میں ورجل بتاتا ہے ملکہ سیمی رامس کو جس نے اپنے حکم سے قانون

---

1۔ تمام روحوں کی طرح ان نیک کافروں کو بھی عالم ابدیت میں وہی مقام ملا ہے جس کی خود انہوں نے آرزو کی تھی اور خود ان کی عقل وفکر کی معراج کے مطابق ہے یعنی ایک ٹھیک ٹھیک خوبصورت، مگر اکتا دینے والی بے معنی دنیا جس میں مظاہر خداوندی الہام مقدس اور عشق پر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے دیدار خداوندی کی برکت وسعادت سے محروم ہیں۔ اس لئے اس برکت وسعادت کا ان کے پاس کوئی تصور نہ تھا— اور یہ تصور اصول تجسیم خداوندی کو مانے بغیر ممکن نہیں۔ وہ عقل محض کی روشنی میں نیکی اور خوشی کا تصور تو کر سکتے تھے لیکن فیضان عشق سے محروم ہونے کی وجہ سے ان کیلئے اس ابدی وجد کا تصور ممکن نہ تھا جو معرفت حق سے پیدا ہوتا تھا۔

اور شہوت کو ایک کر دیا تھا تا کہ وہ خود تہمت سے بری رہے، ملکہ دی دو (Dido) کو جس نے محبت کی وجہ سے اپنی جان خود لی، عیش پرست کلیو پاترا کو، ہیلن کو جس کے باعث اتنے عرصہ تک زمانہ منحوس میں رہا اور ایکی لیز اور پیرس کو۔ ان نامور عورتوں اور بہادروں کی حالت دیکھ کر مارے ترس کے میرے دل میں درد ہونے لگتا ہے۔ اور مارے حیرت کے میرا سر چکرانے لگتا ہے۔ میری توجہ دو روحوں یعنی پاؤلو اور فرانچکا کی طرف منعطف ہوتی ہے جو ساتھ ساتھ جا رہے ہیں اور ہوا پر نہایت سبک معلوم ہوتے ہیں۔ میں ان سے بات کرنا چاہتا ہوں ورجل مجھ سے کہتا ہے۔ ''ٹھہر، انہیں ہمارے قریب آ جانے دے اور تب تو انہیں دیکھے گا۔ تو انہیں اس عشق کا واسطہ دینا جو انہیں بہائے لئے جاتا ہے اور تب وہ آ جائیں گے''۔ جیسے ہی ہوا کا دھارا انہیں بہا کر ہمارے پاس لایا آواز بلند کی۔ ''اے تھکی ماندہ روحو! آ کے ہم سے بات کرو، اگر کوئی چیز مانع نہ ہو''۔ جس طرح فاختائیں[1] اپنی خواہش سے حرکت کرتی ہوئی ہوا میں پر تولے، اپنے پیارے آشیانے کی طرف واپس آتی ہیں۔ محبت بھری خواہش انہیں اڑائے لئے جاتی ہے۔ اس طرح یہ دونوں روحیں دی دو کے گروہ سے نکل کر ظالم ہوا میں پھڑ پھڑاتی ہوئی ہماری طرف اتر آئیں۔ کیونکہ میری محبت بھری پکار میں بڑا اثر تھا۔ فرانچکا بولی! ''اے نیک دل اور خوش خلق زندہ انسان جو زندہ اس کالی ہوا سے گذرتا رہا اور ہم سے ملاقات کرنے آیا ہے جو کہ اپنی موت سے زمین کو خون آلود کر گئے۔ اگر کائنات کا بادشاہ ہمارا دوست ہوتا اور ہم اس سے التجا کر سکتے تو ہم اس سے تیرے سکون کے لئے التجا کرتے، کیونکہ تجھے ہماری بدنصیبی پر ترس آیا۔ تو جو چاہتا ہے پوچھ اور سن۔ ہم بخوشی تجھ سے بات کریں گے تو تیری بات سنیں گے جب تک کہ ہوا جو اب ہمارے لئے ساکن ہے ساکن رہتی ہے۔ وہ گاؤں جہاں میں پیدا ہوئی اس خطۂ زمین سے ہے جہاں دریائے پو نیچے اتر کر اپنے باج گذاروں کے ساتھ آرام پاتا ہے۔ عشق جو نازک دل میں فوراً گھر کر لیتا ہے اس نے اس نوجوان (پاؤلو[2]) کو میرے

---

1۔ دانتے اس بات کی اشارہ کرتے ہیں کہ جہنم میں گناہگار روحوں کی امکانی نیکی بھی ان کے ساتھ ہے۔ وہ فرانچکا کی شخصیت میں اس کی نرم دلی اور خوش خلقی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ (''فاختہ'' کی تشبیہ ایسی خصوصیات کی نشان دہی کرتی ہے)، اور یہی سب باتیں اس کی کمزور بن گئیں۔

2۔ فرانچکا کے شوہر کا بھائی جس کے ساتھ وہ زنا میں ملوث ہوگئی۔

حسین جسم سے گرفتار کیا جس (جسم) سے مجھے چھڑا دیا گیا۔ ایسے ظالمانہ طور سے کہ اس کا مجھے اب تک قلق ہے۔[1] عشق نے جو کسی معشوق کو محبت سے حیلہ جوئی کی اجازت نہیں دیتا میرے لئے اس (پاؤلو) میں ایسی خوشی اور لذت پیدا کی کہ تو دیکھ رہا ہے۔ عشق نے مجھے ابھی تک نہیں چھوڑا۔ عشق نے ہم دونوں کو ایک ہی موت سے مارا۔ کائی نا[2] (Caina) کا مقام منتظر ہے اس قاتل کا[3] جس نے ہماری زندگی بجھادی''۔ یہ الفاظ ہم تک پہنچے اور ان زخمی روحوں کی باتیں سن کر میں نے[4] سر جھکا لیا۔ اور میں سر جھکائے رہا یہاں تک کہ شاعر (ورجل) نے مجھ سے کہا تو کیا سوچ رہا ہے؟ میں نے جواب میں کہا۔ ''آہ، کیسا شیریں تخیل، کیسی عزیز تمنا انہیں تباہی کی طرف لائی!'' اور پھر میں ان روحوں کی طرف پلٹا اور یوں مخاطب ہوا''۔ (فرانچکا، تیری افسوسناک تقدیر پر مجھے رنج اور درد سے رونا آتا ہے۔ لیکن مجھے یہ بتا کہ لطیف سانسیں لیتے وقت کیونکر اور کیسے محبت نے تم دونوں کو ان مبہم تمناؤں سے آشنا کیا۔ اور وہ مجھ سے بولی'' اس سے بڑھ کر کوئی تکلیف نہیں کہ بد نصیبی کی حالت میں خوشی کی گھڑیوں کو یاد کیا جائے، اور تیرا عالم استاد (ورجل) یہ بات جانتا ہے۔ لیکن اگر تجھے ہماری محبت کی ابتداء معلوم کرنے کی ایسی ہی آرزو ہے تو میں تجھے اس طرح سناؤں گی جیسے کوئی روتا جاتا ہے اور سناتا جاتا ہے۔ ایک دن وقت گذارنے کے لئے ہم لانسلاٹ کا قصہ پڑھ رہے تھے کہ کس طرح وہ محبت میں گرفتار ہوا۔ ہم دونوں اکیلے تھے اور کوئی اندیشہ نہ تھا۔ اس قصہ کی وجہ سے کئی

---

1۔ جہنم میں گناہ کی کربناک خواہش گناہگار کی روح میں ابدی طور سے موجود ہے۔ گناہ کا پرفریب التباس ختم ہو چکا ہے مگر گناہگار اپنی باطل خواہشات سے چمٹے ہوئے ہیں۔ اور انہیں ان کی تکمیل نہ ہونے کا قلق تا ابد رہے گا۔ وہ اپنے اصلی گناہ کا علم نہیں رکھتے (اگر ایسا ہوتا تو وہ جہنم میں نہ ہوتے۔ مقام کفارہ میں ہوتے) بلکہ وہ اپنے گناہ کے محض ظاہری تکنیکی نام سے واقف ہیں (جیسے زنا، چوری، قتل وغیرہ)۔ فرانچکا کا گناہ یہ نہیں ہے کہ اس نے اپنے دیور سے محبت کی بلکہ یہ اس شوہر دار خاتون نے اپنے مخصوص حالات کے تقاضہ کے مطابق حقیقی معنی میں ذمہ دارانہ طور پر محبت نہیں کی اور خیر کلی کے تقاضہ کے خلاف، محض خیر جزوی کی خواہش میں پھنس کر زنا کی مرتکب ہوئی۔ اس کا گناہ عشق نہیں ہے۔ بلکہ وہ عشق ہے جو مرتب نہ تھا۔

2۔ کائی نا یا دار القابیل جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں وہ مقام ہے جہاں قریبی عزیزوں کے قاتل سزا پاتے ہیں۔

3۔ یعنی فرانچکا کا شوہر

4۔ اس لئے کہ شہوت پرستی خود دانتے کی کمزوری تھی۔

مرتبہ ہماری نظریں ملیں اور ہمارے چہروں کا رنگ دگرگوں ہوگیا۔لیکن بس ایک لمحہ ایسا آیا جو ہم پر غالب آ گیا۔ جب ہم نے یہ پڑھا کہ اس پیاری مسکراہٹ کو کس طرح اس کے عاشق نے چوما تھا اس (پاؤلو) نے جواب کبھی مجھ سے جدا نہیں ہوگا کانپتے ہوئے میرے منہ کا بوسہ لیا۔ وہ کتاب گالیوتو تھی اور ایسا ہی (دلال)[1] اس کا مصنف بھی تھا۔ اس دن یہ کتاب ہم اور زیادہ نہ پڑھ سکے۔ جب ایک روح مجھ سے یہ بیان کر رہی تھی تو دوسرا اس بری طرح رویا[2] کہ مارے ترس کے مجھے غش آ گیا گویا کہ میں مر رہا تھا۔ اور ایک مردہ جسم کی طرح زمین پر گر پڑا۔

قطعہ نمبر 6۔ ہوش میں آنے پر میں نے اپنے آپ کو نئے نئے عذابوں اور نئے نئے گناہوں کے درمیان پایا۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ میں جہنم کے تیسرے حلقہ میں ہوں۔ یہ مقام عیش پرستوں اور بسیار خوروں کے لئے ہے[3]۔ یہاں بڑے بڑے اولے اور گندا پانی اور برف کالی ہوا میں موسلا دھار برستے رہتے ہیں۔ جس زمین پر یہ برسات ہوتی ہے اس سے بڑی بدبو نکلتی ہے۔ سربےرس (Cerberus) ایک عجیب الخلقت اور خوفناک عفریت جس کی تین گردنیں اور تین سر ہیں کتے کی طرح ان گناہگاروں پر بھونکتا ہے جو اس زمین پر دھنسے پڑے رہتے ہیں۔ اس کی آنکھیں سرخ ہیں اور داڑھی چکنی چکٹی ہوئی اور سیاہ، اسکی توند بڑی ہے اور ہاتھ پنجوں کے سے ہیں۔ وہ گناہ گاروں کو دبوچتا ہے ان کی کھال ادھیڑتا ہے اور تکے بوٹیاں کرتا ہے۔ جب سربےرس

---

1۔ اس رومانی قصہ کا وہ کردار جس نے لانسلاٹ اور ملکہ جیونیوز کو ملانے کی کوشش کی تھی۔ روایت ہے کہ یہ قصہ سب سے پہلے اسی نے تحریر کیا۔ گالیونو کے نام پر اس کتاب کو گالیوتو کہتے تھے اور روایت کے مطابق) گالیوتو ہی اس کا مصنف تھا جس کے قرون وسطی میں مجازی معنی تھے "ملانے والا یا دلال"۔

2۔ یہ مسافر ہیرو دانتے کا عکس العمل ہے جسے ابھی بہت کچھ ہے۔ خاص طور سے عشق کی حقیقت کے بارے میں اس عکس العمل کو مصنف دانتے سے منسوب نہیں کرنا چاہئے۔

3۔ جہنم میں گناہ پرور خواہشات کی تسکین کا دائرہ بتدریج محدود ہوتا جاتا ہے اور اسی لئے جہنم کا پیکر کیف نما ہے مثلاً شہوت کی بہ نسبت عیش پرستی اور بسیار خوری کا دائرہ ذاتی تسکین کے اعتبار سے زیادہ محدود ہے۔ جیسے جیسے ہم جہنم میں نیچے اترتے جاتے ہیں دائرہ تنگ ہوجاتا ہے یہاں تک کہ محض انا کے نکتہ پر سمٹ آتا ہے، دغا کی صورت میں وہ خودخونسمر دانا نیت کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے جس میں تمام خواہشات اور جذبات منجمد ہوجاتے ہیں۔

دونوں شاعروں کو دیکھتا ہے تو اپنے بھیانک جبڑے کھولتا ہے اور بڑے بڑے دانت دکھاتا ہے۔ ورجل مٹی اٹھاتا ہے اور اس کے مرجھکی حلقوں میں جھونک دیتا ہے۔ سربےرس کے منہ بند ہوجاتے ہیں۔ اس کے باوجود روحوں پر اس طرح گرجتا ہے کہ وہ بہری ہوجانے کی آرزو کرتی ہیں۔ ہم دونوں روحوں پر سے ہوتے ہوئے اس خلاء پر قدم رکھتے ہوئے گزرتے ہیں جو جسم معلوم ہوتی ہے۔ سب گناہ گار زمین پر پڑے ہوئے ہوتے تھے سوائے ایک کے اور اس نے جب ہمیں گذرتے ہوئے دیکھا تو فوراً اٹھ بیٹھا اور مجھ سے مخاطب ہوا، "اے تو جہنم میں لے جایا جارہا ہے۔ مجھے دیکھ اور اگر پہچانتا ہے تو پہنچان لے، کیونکہ میرے بگڑنے سے پہلے تو بنا۔" میں اسے اس حالت میں پہنچان نہیں پاتا۔ وہ کہتا ہے کہ میں تیرا وہ ہم وطن ہوں جسے لوگ چیا کو (یعنی خنزیر) کہتے تھے۔ میں اس سے اپنے وطن کے مستقبل کے بارے میں پوچھتا ہوں۔ چیا کو بتاتا ہے کہ پہلے جنگل والی جماعت (سفید فرقہ)، دوسری جماعت (سیاہ فرقہ) پر جیتے گی۔ اور پھر ایک ایسے شخص کی طاقت سے جو ابھی سے تاک میں بیٹھا ہوا ہے یہ دوسری جماعت جنگل والی جماعت پر غائب آئے گی اور اسے بری طرح کچلے گی۔ وہاں صرف دو آدمی حق پر ہیں جنکی کوئی نہیں سنتا، غرور، حسد اور بخل یہ تین چنگاریاں ہیں جنہوں نے سب کے دلوں میں آگ کے بیج بودیے ہیں۔ میں اس سے فاری تاتا اور جاکو پورستی کوچی اور اپنے وطن کے دیگر معززین کے بارے میں پوچھتا ہوں کہ یہ لوگ کہاں ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ یہ لوگ سیاہ ترین روحوں میں ہیں اور اگر تو (جہنم میں) اور نیچے اترے گا تو انہیں دیکھ سکے گا پھر وہ کہتا ہے لیکن جب تو پیاری دنیا میں واپس پہنچے تو میں تیری منت کرتا ہوں وہاں لوگوں کو میری یاد دلانا۔ اس سے زیادہ تجھ سے کچھ نہ کہوں گا۔ نہ کوئی جواب دوں گا"۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی سیدھی آنکھیں ترچھی کر کے گھمائیں اور ذرا میری طرف دیکھا۔ اور پھر اپنا سر جھکایا اور سر کے بل اپنے بے بصر ساتھیوں میں گر پڑا۔ ورجل کہتا ہے کہ اب وہ اس وقت تک بیدار نہ ہوگا جب تک کہ قیامت نہ آجائے اور روز حشر ہر روح اپنا گوشت پوست کا جسم اختیار نہ کرلے۔ اس تکمیل وجود کے بعد اگرچہ ملعون افراد صحیح تکمیل کو کبھی نہ پہنچ سکیں گے) یہ عذاب اور زیادہ شدید ہوجائیں گے۔ کیونکہ جو چیز اپنے منفرد وجود میں جتنی مکمل ہو اسی قدر تکلیف یا راحت محسوس کرتی ہے۔ ہم دونوں روحوں اور بارش کے غیظ مرکب سے گذرتے ہوئے اس مقام پر پہنچتے ہیں جہاں اتار شروع

ہوتا ہے اور یہاں ہم بڑے دشمن پلوٹو کو دیکھتے ہیں۔

قطعہ نمبر 7۔ ہم دونوں چوتھے حلقہ کے کنارے پر پلوٹو کے روبرو پہنچتے ہیں۔ وہ ہمیں آتا دیکھ کر غصہ اور حیرانی سے پھول جاتا ہے اور عجیب وغریب الفاظ بولتا ہے مگر ورجل کے ڈانٹنے پر جیسے ہوا سے پھولے بادبان مستول کے ٹوٹتے ہی الجھ کر گر پڑتے ہیں۔ اسی طرح وہ وحشی عفریت زمین پر گر پڑا۔ میں اور ورجل چوتھے حلقہ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ جیسے کیربدس کے گرداب کے پاس سمندر کی موج اور اس موج سے آ کر ٹکراتی ہے جو اس کے مقابل ہے۔ اسی طرح یہاں کے لوگوں کو ایک دوسرے کے خلاف ناچنا پڑتا ہے۔ اس حلقہ کے دو حصہ ہیں جن میں دو مختلف قسم کی روحیں مختلف سمتوں سے سینے کے بل سنگین وزن ڈھکیلتی رہتی ہیں۔ وہ ایک دوسرے پر یہ وزن ڈھکیلتے ہیں اور وسط میں تصادم کے بعد گھوم کر پھر وہاں ان مخالف مقامات پر پہنچ جاتے ہیں جہاں سے چلے تھے اور پھر اپنے اپنے وزن ڈھکیلتے ہیں اور ایک گروہ دوسرے سے چلا کر کہتا ہے "تو یہ جمع کیوں کر رہا ہے!" اور دوسرا پہلے سے چلا کر کہتا ہے "تو یہ پھینک کیوں رہا ہے!" ایک گروہ بخیلوں کا ہے اور دوسرا مسرفوں کا، اور یہ دونوں ایک ہی گناہ کی دو متضاد کیفیتوں میں مبتلا ہیں۔ بخیلوں کے گروہ میں جن کے سروں پر بال نہیں وہ پادری ہیں۔ اس حلقہ کے گناہ گاروں کو پہچانا نہیں جا سکتا کیونکہ ان کی (اقدار کو) تمیز نہ کرنے والی زندگی نے ان کو بالکل مسخ کر دیا ہے (اور ان کے چہروں کو تمیز نہیں کیا جا سکتا (ورجل کہتا ہے کہ "لیکن میرے فرزند، دیکھ کہ تقدیر جو مال و دولت دیتی ہے اس کا کھیل کتنا مختصر ہوتا ہے۔ مگر بنی نوع انسان اسی کے لئے آپس میں لڑتی ہے کیونکہ چاند کے نیچے جتنا سونا ہے وہ سب کا سب ان تھکی ہوئی روحوں میں سے کسی ایک کو بھی راحت نہیں دے سکتا"۔ اب ستارے اوجھل ہوتے جا رہے ہیں[1] ورجل اور میں اس حلقہ کو عبور کر کے دوسرے کنارے پر پہنچتے ہیں۔ قریب ہی ایک چشمہ ہے جو ایک شگاف سے ابلتا ہے اور یہ شگاف خود اسی چشمہ نے بنایا ہے۔ اس کا پانی بہت تاریک ہے۔ دھندلی موجوں کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے دونوں شاعر ایک عجیب وغریب راستہ سے نیچے اترتے ہیں۔ یہ تیرہ و تار چشمہ جب بھورے دہشت ناک کناروں کے نیچے پہنچتا ہے تو ایک دلدل بن جاتا ہے جس کا نام اسٹکس

1۔ یعنی گڈ فرائی ڈے کی رات میں آدھی رات کا وقت ہے۔

(styx) [1] ہے۔ یہی دلدل جہنم کا پانچواں حلقہ ہے۔ یہاں مغضوب الغضب گناہ گار ننگے اوا کیچڑ میں لت پت ایک دوسرے کو مارتے پیٹتے ہیں اور تکا بوٹی کرتے ہیں۔اور کالے دلدل آمیز پانی کے نیچے بھی کچھ لوگ ہیں جو ہچکیاں لے لے کے روتے ہیں اور اس سے پانی کی سطح پر بلبلے بنتے ہیں۔ یہ لوگ اس خوشگوار ہوائیں جس کو سورج فرحت بخشا ہے اداس رہتے تھے۔اپنے دلوں میں کالا غبار لئے ہوئے۔اب وہ اس کالی دلدل میں اداس ہیں اور اس کالی دلدل کی گندگی کو نگل رہے ہیں۔ ورجل اور میں اس دلدل کے کنارے کنارے بہت بڑا چکر کاٹ کر ایک مینار کے دامن میں پہنچ جاتے ہیں۔

قطعہ 8۔ مینار کے دامن میں پہنچنے سے پہلے ہی ہم نے اس کی چوٹی پر دو چھوٹے چھوٹے شعلے اٹھتے دیکھے اور ایک تیسرے شعلہ نے بہت دور پر اس کا جواب دیا۔ جب میں نے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے تو ورجل نے کہا" اس کا مطلب تجھے خوب نظر آ جاتا ہے مگر دلدل کی دھند اسے تیری نظر سے چھپاتی ہے۔ تیر سے بھی تیز ایک کشتی ان کی طرف آتی ہے۔اس کا ناخدا مجھ کو مخاطب کر کے چلاتا ہے" اب تو آ پہنچی ہے، اے ملعون روح" ورجل اس ناخدا کو جس کا نام فلے گیاس(Phlegyas) ہے خاموش کرتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ تجھے اس بار دھوکا ہوا ہے۔ جیسے کسی کو دھوکا دیا جائے۔اور اس پر وہ بہت برہم ہوا۔اسی طرح فلے گیاس کو بڑا طیش آتا ہے۔ دونوں شاعر فلے گیاس کی کشتی میں سوار ہوتے ہیں۔ پہلے ورجل بعد میں میں۔کشتی وزن دار تب ہوئی جب میں نے اس میں قدم رکھا۔اپنے معمول سے زیادہ ڈوبتی ہوئی لیکن تیزی سے لہروں کو کاٹتی ہوئی یہ کشتی اس مردہ رود بار کو عبور کر رہی تھی کہ اتنے میں کالی دلدل سے ایک شخص کیچڑ میں لت پت ابھرتا ہے اور مجھ سے کہتا ہے " تو کون ہے جو اپنے وقت سے پہلے آیا ہے"۔ میں نے جواب دیا۔" میں آیا تو ہوں!" مگر ٹھہروں گا نہیں۔لیکن تو کون ہے جو اس قدر کثیف معلوم ہوتا ہے"۔وہ بولا " تو دیکھ رہا ہے میں وہ ہوں جو روتا ہے!" میں نے کہا" اے ملعون روح!" گریہ

---

1۔یہ وہی دریا ہے جسے پہلے ہم نے ایکروں کے روپ میں دیکھا تھا۔یعنی جہنم کے دروازے میں داخل ہونے کے بعد یہ دریا زمین دوز ہونے کے بعد شگاف سے برآمد ہو کر یہاں اسٹکس کا روپ لے لیتا ہے۔دراصل دوسری دنیا کے تمام دریا ایک ہی دریا کے مختلف روپ ہیں۔

ورنج میں مبتلا رہ'' کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تو کس قدر ناپاک ہے''۔اس پر اس نے دونوں ہاتھ بڑھا کے کشتی کو پلٹنا چاہا۔ مگر میرے فریس استاد (ورجل) نے اسے یہ کہہ کر پیچھے ڈھکیل دیا ہٹ! اور دوسرے کتوں کے ساتھ رہ! پھر ورجل نے اپنے ہاتھ میرے گلے میں حمائل کر کے میرے چہرے کو چوما[1] میں نے کہا۔ میرے استاد، مجھے یہ دیکھ کے خوشی ہوگی کہ قبل اس کے ہم یہ دلدل پار ہوں۔ یہ شخص پھر اس گندے پانی میں غوطہ کھائے۔ ورجل نے کہا'' تیری یہ خواہش پوری ہوگی۔ اور تھوڑی ہی دیر بعد کیچڑ میں لتھڑے ہوئے بہت سے آدمیوں نے اس شخص کو جس کا نام فلی پوار جنتی تھا پکڑ کے دانتوں سے نوچنا شروع کیا اب میرے کانوں میں نالہ ٔ وشیون کی چھبتی ہوئی صدائیں آنے لگتی ہیں۔ ورجل کہتا ہے کہ دس (Dis) کا شہر (یا شیطان کا شہر) قریب آ رہا ہے۔ اس شہر کی سرخ آنچ ہم تک پہنچتی ہے۔ اور مجھے اس شہر کے گنبد نظر آنے لگے ہیں جو اتنے سرخ ہیں کہ گویا ابھی ابھی آگ کی بھٹی سے نکالے گئے ہیں۔ ہم ان کی گہری کھائیوں میں پہنچتے ہیں جو اس شہر کے گرد خندقوں کا کام دیتی ہے۔ بڑا چکر کھانے کے بعد فلے گیاس ہمیں شہر کے پھاٹک کے سامنے کشتی سے اتار دیتا ہے۔ اس پھاٹک پر ایک ہزار سے زیادہ شیاطین پہرہ دے رہے ہیں۔ وہ غصہ اور تعجب سے چلاتے ہیں'' یہ کون ہے جو مرے بغیر مردوں کی سلطنت میں آیا ہے!'' ورجل نے ان کو اشارہ کیا کہ وہ ان سے راز میں کچھ کہنا چاہتا ہے جس سے ان کا اندازہ حقارت ذرا کم ہوا۔ وہ کہنے لگے'' تو اکیلا آ اندر، اسے چلا جانے دے جو اتنی دلیری سے زندہ اس سلطنت میں داخل ہوا ہے۔ اس احمق کو اکیلا واپس لوٹنے دے۔ ذرا وہ کوشش تو کر دیکھے۔ کیونکہ تو جو تاریک ملک میں اس کی رہبری کرتا ہے یہاں ہمارے ساتھ ٹھہرے گا۔'' اے ناظر، تو ہی انصاف سے کہہ ان الفاظ کو سن

---

1۔ یہاں ورجل کسی غیر عیسائی رویہ کو نہیں سراہتا۔ دراصل گناگاروں نے اپنے غلط انتخاب میں جن جذبات سے کام لیا وہ جذبات عذاب کی صورت میں ابدی طور پر ان کے ساتھ ہیں۔ دانتے کے عکس العمل میں بھی یہی جذبات منعکس ہوتے ہیں۔ مثلاً فرانچکا دانتے میں بھی وہی نرم دلی اور ترحم پیدا کرتی ہے جو اس کے گناہ کے جذباتی محرکات تھے۔ یا مسرفوں اور بخیلوں نے چونکہ خود اقدار میں تمیز نہیں کی اس لئے عالم ابدیت میں دانتے ان کو پہچان نہیں سکتا۔ اسی طرح مغضوب اور الغضب لوگوں نے چونکہ خود ترحم سے کام نہیں لیا۔ اسی لئے وہ دانتے میں بھی ترحم پیدا نہیں کرتے۔ جذبات کا عکس العمل دانتے کے روحانی سفر کی تینوں دنیاؤں میں ہر مقام پر ملتا ہے۔

کر میری ہمت کس قدر پست ہوئی ہوگی۔ کیونکہ مجھے یقین ہوگیا کہ میں پھر سلامت دنیا کو واپس نہ لوٹ سکوں گا۔ میں نے ورجل سے التجا کی اور کہا۔" مجھے اس بے کسی میں نہ چھوڑ اگر ہمیں اس سے آگے بڑھنے نہ دیا جائے تو چل ہم دونوں تیزی سے واپس چلے جائیں"۔ ورجل مجھے تسلی دیتا ہے۔ اور وہیں ٹھہرے رہنے کی ہدایت کر کے شیاطین سے بات کرنے چلا جاتا ہے۔ میں شک اور خوف کے عالم میں تنہا کھڑا رہتا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ ان کے درمیان کیا گفتگو ہوئی۔ لیکن میں نے دیکھا کہ شیاطین تیزی سے اندر جاتے ہیں اور ورجل کو باہر چھوڑ کر پھاٹک بند کر لیتے ہیں اور اب ورجل آہستہ آہستہ واپس آ رہا ہے۔ اس کی نظریں زمین کی طرف جھکی ہوئی ہیں اور اس کے ابروؤں سے اس کی ساری ہمت رخصت ہو چکی ہے وہ کہتا ہے" ہراساں نہ ہو، اس زور آزمائی میں غالب میں ہی آؤں گا۔ ان شیاطین کی مخالفت کوئی نئی چیز نہیں......لیکن کوئی دم میں آسمانی طاقت آ کر ہمارے لئے اس دروازے کو کھولے گی۔"

قطعہ 9۔ ورجل، میری ہمت بڑھانا چاہتا ہے۔ مگر اس کے پریشان اور شکستہ الفاظ سے میرا خوف بڑھ جاتا ہے۔ ورجل کہتا ہے کہ میں ایک بار پہلے بھی شیطان کے شہر کی گہرائیوں تک جا چکا ہوں، مرنے کے کچھ دن بعد ہی ظالم جادوگرنی اریکتو (Erichtho) کے لئے حلقہ یہودا (Judcca) سے ایک روح نکال کر لایا تھا۔ تو اطمینان رکھ، میں اس راستہ سے بخوبی واقف ہوں، وغیرہ اس نے نہ جانے اور کیا کہا۔ مجھے نہیں معلوم کیونکہ میری نظر نے مجھے اس اونچے مینار کی طرف متوجہ کر دیا تھا جس کی چوٹی جل رہی تھی۔ یہاں دفعتاً تین دوزخی قہر کی دیویاں[1] (Furies) نمودار ہوئی تھیں۔ جو خون سے آلودہ تھیں۔ ان کے اعضاء اور حرکات عورتوں کے سے معلوم ہوتے تھے۔ سبز ترین مارہائے صد سران سے لپٹے ہوئے تھے۔ بالوں کی بجائے پتلے پتلے زہریلے، سانپ تھے جو ان کی کنپٹیوں پر کندھے ہوئے تھے......ان میں سے ہر ایک اپنے پنجوں سے اپنا سینہ نوچتی تھی اور اپنی ہتھیلیوں سے اپنے آپ کو پیٹتی تھی۔ اور یہ سب ایسی چیخیں تھیں کہ میں اندیشہ اور خوف کے مارے ورجل سے لپٹ گیا۔ ان سب نے نیچے دیکھ کر کہا" میڈوسا[2] (Medusa) کو بلاؤ کہ

---

1-(Furies) یونانی ضمیات میں وہ انتقام کی دیویاں ہیں جو سنگین مجرموں کے ضمیر کو اذیت دیتی ہیں۔ یہاں یہ اس لاحاصل پچھتاوے کی علامت ہیں جو توبہ کی طرف نہیں لے جاتا۔ 2۔ یونانی ضمیات میں میڈوسا عورت نما چہرہ اور نوکیلے پنجوں اور سر میں بالوں کی بجائے سانپ رکھنے والا وہ گورگن ہے جسے اگر آدمی دیکھ لے تو پتھر کا ہو جاتا ہے۔

ہم اسے پتھر بنادیں۔ہم نے تھی سیوس(Theseus) کے حملہ[1] کا خوب بدلا لیا تھا!"" پیچھے ہٹ، اور اپنی آنکھیں بند کرلے! کیونکہ اگر وہ گورگن (Gorgon) میڈوسا تیرے سامنے آجائے اور تو اسے دیکھ لےتو پھر کبھی یہاں سے لوٹ کراوپرنہیں جاسکتا۔میرے استاد نے یہ کہااورخود مجھے پلٹایا۔ میرے ہاتھوں پر اعتبار نہ کیا اورخود اپنے ہاتھوں سے میری آنکھیں ڈھانپ دیں۔وہ (ناظرین، جوارباب عقل و دانش ہیں اس مسئلہ کو سمجھ لیں جوان رمزیہ مصرعوں کی نقاب میں چھپا ہوا ہے۔اور پھر میلے پانی پر ایک ایسے ہیبت ناک دھماکے کی آواز ہوئی کہ دونوں کنارے کانپ اٹھے......ورجل نے میری آنکھوں پر سے ہاتھ ہٹائے اور کہا" اب اس قدیم دلدل کے کف پرنظر ڈال،ادھر دیکھ جدھر دھند بہت گہری ہے جس طرح پانی میں مینڈک اپنے دشمن سانپ کے آگے تتر بتر ہو کے بھاگتے ہیں یہاں تک کہ ہرایک تہ میں جابیٹھتا ہے۔اسی طرح میں نے ایک ہزار سے زیادہ تباہ شدہ روحوں کوایک ایسے شخص (ہستی) کے سامنے بھاگتے دیکھا جو اسٹکس کے پانی پر یوں چلا آرہا تھا کہ اس کے تلوے بھی بھیگے نہ تھے...... یہ مجھ پر روشن ہوگیا کہ وہ قاصد آسمانی ہے۔اس کے آتے ہی تمام شیاطین بھاگ جاتے ہیں۔وہ پھاٹک پر پہنچ کراپنے عصا سے اسے چھوتا ہےاورفوراًبغیر کسی مزاحمت کے پھاٹک کھل جاتا ہے۔ہم دونوں شیاطین کے شہر میں داخل ہوتے ہیں۔ایک بڑا چٹیل میدان نظرآتا ہے جوسخت رنج وعذاب سے بھرا پڑا ہے یہی جہنم کا چھٹا حلقہ ہے۔میدان قبروں کی وجہ سے ناہموار ہے۔اور یہ آہنی قبریں دہک دہک کرسرخ ہورہی ہیں۔ان قبروں کے اوپر کے چھت والے پتھر اٹھے ہوئے ہیں اوران کے اندر سے کراہنے کی رنج دہ آوازیں آرہی ہیں۔ میرے پوچھنے پر ورجل بتاتا ہے کہ ان میں ہرفرقہ کے سنگین بدعتی (Heretics) دفن ہیں۔ہم دونوں سیدھے ہاتھ کی طرف مڑکران عذابوں کے مناظر اوراونچی فصیلوں کے درمیان چلتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔

قطعہ 10۔ایک تنگ سے راستہ سے جو فصیل کی دیوار اوران عذابوں کے درمیان ورجل آگے بڑھتا ہے میں اس کے پیچھے پیچھے ہوں۔میرے پوچھنے پر ورجل کہتا ہے۔" یہ کھلی ہوئی

---

1۔ایتھنس کا بادشاہ تھی سیوس جہنم سے پرسیفون (Perse Phone) کو نکال کرلے جانے میں ناکام ہوا تھا۔ یہاں میڈوسا اس مایوسی کی علامت ہے جو دل کو پتھر جیسا سخت کر دیتی ہے اور توبہ کی صلاحیت کوختم کردیتی ہے۔

قبریں اس وقت بند ہوں گی جب روزحشر جو وفات سے یہ لوگ اپنے ان جسموں سمیت واپس ہوں گے جنہیں وہ دنیا میں چھوڑ آئے ہیں۔ جس حصہ سے ہم گزر رہے ہیں اس میں بدعتی اپیقورس (Epecurus) اوراس کے پیروفن ہیں جو اس کے قائل تھے کہ روح بھی جسم کے ساتھ فنا ہوجاتی ہے۔ اس لئے تیری وہ خواہش جس کا تو نے اظہار کیا اور وہ خواہش بھی جس کو تو نے مجھ سے چھپایا ابھی پوری ہوئی جاتی ہے[1]۔ میں نے کہا کہ میں تجھ سے کوئی خواہش چھپانا نہیں چاہتا لیکن محض اس وجہ سے خاموش رہتا ہوں کہ تو نے ہی دو ایک دفعہ زیادہ بات نہ کرنے کی ہدایت کی ہے۔ اے تسکنی کے رہنے والے جو اس شہر آتشیں سے زندہ گذر رہا ہے اور اس قدر شائستگی سے باتیں کرر ہا ہے اگر طبیعت چاہے تو ذرا یہاں ٹھہر جا۔ تیری تقدیر تجھے اس قدر معزز ملک کا بادشاہ ظاہر کرتی ہے جسے شاید میں نے بہت پریشان کیا''۔ یہ آواز ایک قبر سے نکلی جس کو سن کر مارے خوف کے میں اپنے رہبر کے قریب آ گیا اور اس ورجل نے مجھ سے کہا'' یہ کیا! ذرا پلٹ، دیکھ فاری ناتا (Faeinata) کو جو اٹھ کر کھڑا ہو گیا ہے کمرے سے لے کر سر تک وہ تجھے نظر آ سکتا ہے'' اتنے میں میں پلٹ ہی چکا تھا کہ اس کو دیکھوں وہ سیدھا کھڑا ہوا تھا، مضبوط سینہ آگے کئے ہوئے۔ اور سر اٹھائے ہوئے، معلوم ہوتا تھا کہ وہ جہنم کو بڑی حقارت سے دیکھ رہا ہے[2]۔ ورجل نے مجھے آگے کیا جب میں قریب پہنچا تو اس نے میرے چہرہ کا جائزہ لیا، اسی حقارت آمیز انداز سے میرا نام اور میرے اجداد کے بارے میں پوچھا میرے بتانے پر وہ بولا۔ وہ میرے اور میرے اجداد کے اور میری جماعت کے بڑے سخت دشمن تھے، دو مرتبہ میں نے انہیں تتر بتر کیا''۔ میں نے کہا وہ'' تتر بتر ہوئے مگر دونوں بار ہر طرف سے وہ دوبارہ آ کے جمع ہو گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے آدمیوں نے اب تک یہ گر نہیں سیکھا''۔ تب اس کے قریب ہی ایک اور سایہ[3] (روح) بلند ہوا جو ٹھڈی تک نظر آ تا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ گھٹنوں کے بل اٹھا تھا۔ اس نے میرے اطراف ادھر ادھر دیکھا گویا

---

1۔ ورجل اکثر دانتے کے خیالات اور پوشیدہ خواہشات جان لیتا ہے۔

2۔ دانتے فاری ناتا کے غرور اور شجاعت کی طرف اشارہ کر کے اس کی شخصیت کی امکانی خوبیوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو جہنم میں بھی اس کا ساتھ ہیں اگرچہ عشق مرتب کے فقدان کے باعث یہی امکانی خوبیاں میں بدل گئی اور اس کی تباہی کا باعث بنیں۔ موازانہ کیجئے۔ فرانچکا سے

3۔ گوئد کا دل کانتی کا باپ

میرے ساتھ کوئی اور بھی ہو جسے اس کی نظریں ڈھونڈ رہی تھیں۔ لیکن جب اس کی عزیز تو قع بجھ گئی تو اس نے روتے ہوئے کہا'' ۔ اگر اس اندھے قید خانے میں تو محض اپنی غیر معمولی ذہانت واستعداد کی مدد سے گذر رہا ہے تو میرا بیٹا کیوں تیرے ساتھ نہیں[1] اور وہ کہاں ہے؟'' میں نے اسے جواب دیا۔ میں اپنے بل بوتے پر نہیں آیا ہوں۔ وہ اور ور جل جوادھر ٹھہرا ہوا ہے اس جگہ میری رہنمائی کر رہا ہے۔ جسے شاید تیرا گوئدو حقیر سمجھتا تھا''......وہ فوراً ہی سیدھا کھڑا ہو گیا اور چلایا۔'' تو یہ کیا کہتا ہے! سمجھتا تھا؟ تو کیا وہ اب زندہ نہیں؟ کیا سورج کی پیاری روشنی اب اس کی آنکھوں تک نہیں پہنچتی۔'' یہ دیکھ کر کہ میں جواب دینے میں تامل کر رہا ہوں وہ پیٹھ کے بل گر پڑا۔ اور پھر نظر نہ آیا لیکن وہ دوسرا (فاری ناتا) جس کی خواہش پر میں ٹھیرا ہوا تھا، اسی دبدبہ کے ساتھ سیدھا کھڑا رہا اور اس نے نہ پہلو بدلا، نہ گردن جھکائی، نہ کسی طرف جھکا۔ اور اپنی گفتگو کا سلسلہ پھر سے قائم کرتے ہوئے اس نے کہا۔'' اور اگر میری جماعت میں یہ گُر ابھی تک نہیں سیکھا، تو یہ میرے لئے اس بستر آتشیں سے زیادہ عذاب کا باعث ہے لیکن اس ملکہ کا چہرہ جو یہاں حکومت کرتی ہے[2]۔ پچاس بار بھی روشن نہ ہونے پائے گا کہ اس گُر کا سخت نتیجہ تیرے اوپر ظاہر ہو جائے گا۔'' وہ مجھ سے پوچھتا ہے کہ تیرے فرقہ کے لوگ میرے خاندان پر کیوں ظلم کر رہے ہیں اور کیوں اس سے متنفر ہیں۔ میں نے کہا کہ ہماری مقدس سرزمین اسی تاخت وتاراج کی وجہ سے فتنہ وفساد سے بھر گئی ہے جو تو نے برپا کیا تھا۔ وہ ٹھنڈی سانس بھر کے کہتا ہے'' اس میں مجھ اکیلے کا قصور نہیں تھا، اور یقیناً بلا وجہ میں دوسروں کا ساتھ نہ دیتا۔ لیکن میں تنہا تھا اور باقی سب فلورینس کو بیخ وبنیاد تباہ کرنے پر تلے ہوئے تھے، اس وقت میں نے تنہا ان کی مدافعت کی'' میرے ذہن میں ایک گتھی ہے۔ جسے سلجھانے کی میں فاری ناتا تھے درخواست کرتا ہوں میں نے پوچھا'' لیکن یہ کیا بات ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ آنے والے واقعات کو تو تم لوگ پہلے سے دیکھ سکتے ہو۔ لیکن حال کی خبر نہیں رکھتے''۔ اس نے جواب دیا۔'' ہم چیزوں کو اس طرح دیکھتے ہیں جیسے کوئی خراب نظر والا دیکھا دور کی چیزیں ہم صاف دیکھ سکتے ہیں۔ قادر المطلق نے ہمیں اتنی بصارت عطا کی ہے۔ لیکن جب وہی چیزیں قریب

1۔ گویا یونیورسٹی کے علماء کی سفارش پر دانتے کو جہنم کی سیر سے نوازا گیا ہے۔

2۔ جہنم کی ملکہ پروسر پینا (Plosers Pina) یا پرسیفون جو چاند کی دیوی بھی مانی جاتی ہے

آتی ہیں یا حال بن جاتی ہیں تو ہماری عقل بالکل ماؤف ہو جاتی ہے چنانچہ بجز ان خبروں کے جو ہم تک دوسروں کے ذریعے پہنچتی ہیں ہم لوگ تم موجودہ انسانوں کی حالت سے بالکل واقف نہیں[1]۔ اس لئے یہ ذہن نشین کر لو کے ہمارا تمام علم اس دم فنا ہو جائے گا جب مستقبل کا دروازہ بند ہوگا۔" اور اب گویا اپنی غلطی کی تلافی کے طور پر میں نے کہا کہ اگر یہ بات ہے کہ تم اس شخص سے جو گر پڑا (یعنی گوئدو کاول کانتی کے باپ سے) یہ کہہ دینا کہ اس کا بیٹا ابھی زندوں میں ہے اور میں جو خاموش ہو گیا تھا اور اسے جواب نہ دے سکا تھا تو اس سے کہنا کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ میرے خیالات اس غلط فہمی میں الجھ گئے تھے جس کو تم نے ابھی دور کیا"۔ فاری ناتا نیچے قبر میں چلا گیا میں ورجل سے واپس جاملا۔ میرا ذہن برے دنوں کی اس پیش گوئی سے پریشان تھا۔ جو فاری ناتا نے میرے بارے میں کی تھی۔ ورجل میرے خیالات کو سمجھتے ہوئے نصیحت کرتا ہے کہ جو کچھ اپنے خلاف میں نے سنا ہے اسے یاد رکھوں۔ وہ کہتا ہے کہ لیکن جب تو اس خاتون (بیاترچے) کے پاس پہنچے گا کہ جس کی بابرکت آنکھیں ہر چیز کو مکمل طور سے دیکھتی ہیں تب تجھے اپنی زندگی کے معنی کا (عارفانہ) علم ہوگا پھر وہ بائیں طرف مڑا ہم دونوں دیوار کا ساتھ چھوڑ کر ایک ایسے راستہ سے جو وادی میں پہنچتا ہے وسطی علاقہ کی طرف بڑھتے ہیں۔

قطعہ 11۔ چھٹے حلقہ کو طے کر کے اب ہم دونوں بڑے اونچے ساحل پر پہنچتے ہیں جس کا کردار بڑے بڑے ٹوٹے پتھروں سے ایک دائرہ کی شکل میں بنا ہوا تھا یہاں ہم نے اس سے بھی زیادہ ظالم مجمع دیکھا۔ یہاں اس سڑی ہوئی، سر چکرا دینے والی بھیانک بدبو سے جو گہری خلیج سے اٹھتی ہے بچنے کیلئے ہم ایک بڑے لوحِ مزار کے سائے میں پناہ لیتے ہیں۔ جس پر یہ کتبہ درج ہے۔ "پوپ انستاسیس مجھ میں دفن ہے جو فوریتنس نے راہ راست سے ہٹایا"۔ ورجل کہتا ہے۔

1۔ حقیقت حال اور اس کے تقاضوں سے بے خبر رہنا ہی جہنم میں رہنا ہے۔ یعنی حقیقت حال کے منفرد وجود کا ادراک نہ کرنا اور اپنے وجود کلی سے اس کے تقاضوں کو پورا کرنا عشق مرتب اور خیر کلی کے خلاف ہے۔ ایسی حالت میں خارجی حقیقت کے منفرد وجود یا حقیقی دیگر کے بجائے انسان ایک پیکر باطل یا سائرن (Siren) دیکھتا ہے جو درحقیقت ماضی ہے اور محض اس کی اپنی خواہش نفس کا عکس ہے چنانچہ جہنم کے گناہگار اس ماضی محض کی غیر حقیقی دنیا میں مقید رہتے ہیں ان کے پاس صرف حافظہ ہے اور خواہش۔ وہ ماضی کا علم رکھتے ہیں اور اسی کی بنیاد پر کسی حد تک مستقبل کا اور حافظہ کے باہمی عمل سے ان کیلئے روحانی کرب پیدا ہوتا ہے۔

''ہم ذرا ٹھہر کے اتریں گے تا کہ ہمارے حواس اس ناگوار بدبو کے بادی ہو جائیں پھر ہم کو اس کی پرواہ نہ ہوگی''۔ اس وقت کو ضائع نہ ہونے کی خاطر ورجل مجھے جہنم کی تشکیل و ترتیب کے بارے میں بتاتا ہے۔ نیچے چٹانوں کے درمیان بالترتیب تین حلقہ ہیں، ایسے ہی حلقہ جیسے کہ ہم اوپر طے کر چکے ہیں (ہم چھ حلقہ طے کر چکے ہیں) جہنم زیریں کا تعلق بغض و کینہ سے ہے جن کا مقصد ضرر رسانی ہوتا ہے۔ یہ مقصد یا تو تشدد (Violence) کے ذریعہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یا فریب (Fraup) کے ذریعہ۔ ساتویں حلقہ کا تعلق تشدد سے ہے اور آٹھویں اور نویں حلقہ کا تعلق فریب ہے۔ تشدد تین طرح کا ہو سکتا ہے ہمسایہ پر اپنے آپ پر اور خدا پر۔ چنانچہ ساتویں حلقہ کے تین حصہ ہیں۔ پہلے حصہ میں قاتلوں اور بغض و کینہ سے حملہ کرنے والوں، لیٹروں اور ڈاکوؤں کے گروہ ہیں۔ دوسرے حصہ میں خودکشی کرنے والے اور اپنی دولت اور صلاحیت ضائع کرنے والے ہیں۔ تیسرے حصہ میں خدا کے خلاف تشدد کرنے والے ہیں۔ یعنی وہ جو اس کی قدرت سے انکار کرتے ہیں، یا اس کی تخلیق شدہ فطرت (Nature) اور اس کی عطا کی ہوئی نعمتوں کی بے حرمتی کرتے ہیں۔ اس حصہ پر سوڈم (Sodam) یا شہر قوم لوط جو اغلام یا فطرت پر تشدد کی علامت ہے) اور کہورس (Cahors) یا شہر سود خواراں جو انسانی ہنر پر تشدد کی علامت ہے) کی مہر ثبت ہے فریب کا استعمال کوئی شخص یا تو کسی ایسے شخص کے خلاف کر سکتا ہے جو اس پر اعتماد کرتا ہو، یا کسی ایسے شخص کے خلاف جو اس پر اعتماد نہیں کرتا۔ یا کسی ایسے شخص کے خلاف جو اس پر اعتماد نہیں کرتا۔ موخر الذکر کا تعلق آٹھویں حلقہ سے ہے۔ جس میں ظاہر دار خوشامدی، جادوگر، دھوکے باز، مذہبی متعزلین اور تفرقہ انداز، چور، مذہب، فروش، بھڑوے، مقدمے باز اور اسی طرح کے لوگ ہیں۔ اول الذکر کا تعلق نویں حلقہ سے ہے جس میں دغا باز ہیں۔ دغا فریب کی وہ قسم ہے جس میں کوئی اپنے اوپر اعتماد کرنے والے کو دھوکا دیتا ہے۔ دغا سنگین ترین بدی ہے اور اسی لئے اس کا مقام جہنم میں سب سے نیچے ہے۔ اس جگہ شیطان زمین کے مرکز پر برف میں دھنسا ہوا ہے۔ میں نے پوچھا کہ کیونکر وہ گناہ گار جو اوپر کے حلقوں میں ہیں جہنم زیریں میں سزا نہیں پاتے۔ ورجل کہتا ہے کہ ایسا اس لئے ہے کہ ان کا گناہ صرف نفس پرستی ہے جو اتنا قابل ملامت نہیں اور جس سے خدا اس قدر ناراض نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ارسطو نے اخلاقیات (Ethics) میں بتایا ہے اور اسی لئے ان لوگوں کی سزا بھی ہلکی ہے۔

ورجل اس بات کی بھی وضاحت کرتا ہے کہ سودخواروں (Uswers) کا شمار خدا کے خلاف تشدد کرنے والوں میں اس لئے ہے کہ انسانی ہنر خدا کے ہنر یعنی خدا کی تخلیق شدہ فطرت کی پیروی کرتا ہے۔ یا یوں کہیں کہ انسانی ہنر خدا کا پوتا ہے۔ (یعنی خدا کی تخلیق شدہ فطرت کا بیٹا (ہنر کے ذریعہ روزی کمانا انسان کا وظیفہ فطری ہے۔ مگر سودخور ایک بالکل ہی غیر فطری طریقہ اختیار کر کے فطرت اوراس کے پیروکار انسانی ہنر کی بے حرمتی کرتا ہے جو بالآخر خدا کے خلاف تشدد ہے۔ اسی طرح جیسے اغلام ہے پھر ورجل کہتا ہے "مگر اب میں آگے بڑھنا چاہتا ہوں۔ میرے پیچھے پیچھے آ۔ کیونکہ آسمان پر برج ماہی کی مچھلیاں حرکت کررہی ہیں۔ شمال مغرب میں نبات النعش چمک رہی ہے اور ادھر ذرا آگے بڑھ کے ہم اس کے کردار سے نیچے اتریں گے[1]۔"

قطعہ 12۔ ہم دونوں جہنم کے ساتویں حلقہ میں اترتے ہیں۔ ڈھلوان سیدھی ہے اور چٹان جگہ جگہ پھٹی ہوئی ہے اس حلقہ کے سرے پر ہمیں منوتار (Minotaur) ملتا ہے جس کا دھڑ بیل کا ہے اور اوپر کا حصہ آدمی کا (یہ دیو اس جبوانی ظلم وتشدد کی علامت ہے جس کے پیروکار اس حلقہ میں سزا پاتے ہیں) وہ ہمیں آتا دیکھ کر اپنے آپ کو دانتوں سے چبانے لگتا ہے۔ مگر ورجل کے ڈانٹنے پر وہ غصہ سے بے بس ہو جاتا ہے۔ جیسے کوئی سانڈ جان لیوا زخم کھا کے کے چھوٹ جائے تو دوڑ نہیں سکتا۔ مگر بلا مقصد ادھر ادھر جھپٹتا ہے۔ ورجل کہتا ہے کہ ایسے میں جب کہ اس پر یہ کیفیت طاری ہے تیزی سے نیچے اتر جا۔ وہ کہتا ہے کہ یہ چٹان اس وقت ٹوٹی ہوئی نہ تھی جب اس سے پہلے میں ادھر سے گذرا تھا۔ یہ یقیناً اس دن ٹوٹی ہے۔ جب عیسیٰ جہنم میں اوپر کے حلقہ کی روحوں کو نجات دلانے کے لئے اترے۔" اس وقت اس گہری نفرت انگیز وادی پر ایسا زلزلہ طاری ہوا کہ مجھے محسوس ہوا کہ ساری کائنات باہم عشق میں مبتلا ہے"۔ ہم نیچے پہنچتے ہیں تو ایک ابلتی ہوئی خون کی ندی فلے جی تون[2] (Phelgethon) ملتی ہے۔ یہ خون کی ندی ساتویں حلقہ کے اطراف بہتی ہے۔ اور اس کے تین حصوں میں سے ایک کو باقی دو سے الگ کرتی ہے۔ اس ندی میں ہمسایہ پر (یعنی

---

1۔ یعنی اس وقت شنبۂ مقدس Holy Saturday کی صبح کے کوئی چار بجے ہیں۔

2۔ فلے جی تون جس کے معنی آتشیں کے ہیں۔ اکیرون اور اسٹکس کے بعد جہنم کا تیسرا دریا ہے۔ وہ گناہگار جنہوں نے اپنے آتشیں جذبات کی وجہ سے دوسروں کا خون کیا اس ابلتے ہوئے خون کے دریا میں عذاب میں مبتلا ہیں۔

دوسرے انسانوں پر) ظلم وتشدد کرنے والے سزا پاتے ہیں۔ جن کا گناہ زیادہ سنگین ہے وہ اس ندی میں ابروؤں تک ڈوبے ہوئے ہیں۔ کنارے پر قنطور (Centaurs) دوڑتے پھرتے ہیں جو تیروں سے مسلح ہیں (قنطور جن کے دھڑ گھوڑے کے اور اوپر کا حصہ آدمی کا ہوتا ہے[1]۔ اور اگر کوئی گناہ گار خون کی اس گہرائی سے باہر نکلنا چاہتا ہے جو اس کیلئے مقرر ہے تو قنطور اسے تیروں سے چھید دیتے ہیں۔ ہمیں آتا دیکھ کر قنطور رک جاتے ہیں۔ اور ان میں سے ایک ہمیں للکارتا ہے۔ ورجل اس سے کہتا ہے کہ تیرے سوال کا جواب صرف تمہارے سردار کرون (Chison) کو دیا جائے گا۔ ورجل مجھے بتاتا ہے کہ یہ قنطور نیسس (Nessus) ہے جو خوبصورت ڈائیانرا (Deinira) کی خاطر مارا گیا اور جس نے مرتے وقت اپنے خون سے ہی اپنے خون کا انتقام لیا[2] جب ہم کرون کی طرف بڑھتے ہیں تو کرون ہماری طرف تیر کمان کھینچتا ہے۔ اس طرح کہ تیر کا پچھلا سرا اس کی داڑھی کو پیچھے اٹھائے ہوئے ہے پھر وہ اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔ تم نے دیکھا اسے (دانتے) کو جو پیچھے پیچھے آتا ہے جو جس چیز کو چھوتا ہے اسے حرکت دیتا ہے مردوں کے قدم ایسا نہیں کر سکتے۔ ورجل کہتا ہے کہ ہاں یہ شخص جو میرے ساتھ زندہ ہے اور وہ اسے سفر اور مشیت آسمانی کے بارے میں بتاتا ہے اس سے ایک رہنما کو ساتھ کرنے کی درخواست کرتا ہے۔ جس کی پیٹھ پر بیٹھ کر میں (دانتے) جو روح محض کی طرح پرواز نہیں کر سکتا خون کی ندی کو پار کر سکوں، کسی ایسی جگہ سے جہاں وہ پایاب ہو۔ کرون نیسس کو ہمارے ساتھ کر دیتا ہے ہم خون کی ندی میں سکندر، ڈائنا نسیس (Dinonysius) اور ازولی نو (Azzolina) کو غوطہ لگاتے دیکھتے ہیں۔ اور نیسس بتاتا ہے کہ یہاں اتی لا (Allola) اور پرس (Pyrrhus) بھی ہیں، نیسس ہمیں خون کی ندی پار کرا کے چلا جاتا ہے۔

---

1۔ قنطور نیسس نے ہرقلز (Hercules) کی بیوی ڈائنانرا کو ندی پار کراتے وقت زبردستی لے بھاگنے کی کوشش کی تھی۔ ہرقلز نے اسے تیر سے مارا۔ مرتے وقت اس نے ڈائنانرا سے کہا کہ میرا کچھ خون لے لے۔ محبت پیدا کرنے کے لئے جادو کا کام کرے گا۔ بعد میں ڈائنانرا کو جب ہرقلز کی وفاداری پر شک ہوا تو اس نے نیسس کے خون میں رنگا ہوا کرتا ہرقلز کو پہنا دیا۔ اس کے آتشیں زہر سے ہرقلز کو ایسی تکلیف ہوئی جو برداشت سے باہر تھی اور جس کی وجہ سے اس نے آگ میں جل کر اپنی زندگی ختم کر دی۔

2۔ حیوانی تشدد کی علامت

قطعہ 13۔ ہم دونوں ساتوں حلقہ کے دوسرے حصہ میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ ایک ایسا جنگل ہے جس میں پگڈنڈی کا نام ونشان نہیں ہے۔ پتوں کا رنگ سبز نہ تھا بلکہ سیاہ زرد تھا۔ شاخیں، سیدھی اور گاؤدم نہ تھیں بلکہ گانٹھ دار اور اینٹھی ہوئی تھیں۔ ان میں پھل نہیں لگتے تھے بلکہ کانٹے جن میں زہر بھرا ہوا تھا۔ یہاں ان درختوں پر ہیبت ناک ہارپیوں[1] (Harpies) کے آشیانہ تھے اور یہ وہی مخلوق تھی جس نے اہل ٹرائے کو استروفادیس (Strpahdes) سے آنے والی تباہی کے بھیانک نغمہ سنا سنا کر بھگا دیا تھا۔ ان کے پنکھ چوڑے ہیں اور گردنیں اور چہرے انسانوں (عورتوں) کے سے ہیں۔ مگر پیروں کی جگہ تیز نوکیلے پنجے ہیں۔ ان مہیب وموز درختوں پر وہ نوحہ کرتی ہیں۔ اور ان کے پتے نوچ نوچ کر انہیں زخمی کرتی رہتی ہے۔ ہر طرف نالہ وشیون کی صدائیں سن سن کر میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ صدائیں ان لوگوں کی ہیں جو ہمیں دیکھ کر درختوں کے پیچھے چھپ گئے ہیں ورجل میرے خیالات سمجھ رہا تھا۔ اور اس لئے اس نے مجھ سے کسی درخت کی ٹہنی توڑنے کو کہا۔ تب میں نے اپنا ہاتھ ذرا آگے بڑھایا اور ایک بڑے کانٹے دار درخت سے ایک ٹہنی توڑی اور اس کا تنا روتے ہوئے چلایا "تو کیوں مجھے اس طرح توڑتا ہے! اور جب اس سے کالا کالا خون نکلا وہ روتے ہوئے بولا۔ کیوں تو مجھے چیر پھاڑ کر رہا ہے! کیا تیرے دل میں ذرا بھی رحم نہیں؟ ہم پہلے انسان تھے جواب یہاں درختوں کی جڑیں جمائے ہوئے ہیں اگر ہم سانپوں کی روحیں ہوتے تب بھی تیرے ہاتھوں کو ہم پر ترس آنا چاہئے تھا"۔ جیسے کسی ایسی شاخ کو جو ابھی ہری ہو ایک سرے سے آگ لگانے سے دوسرے سرے پر سنسناہٹ کی آواز نکلتی ہے اور اسے سے گرم گرم قطرے ٹپکتے ہیں اسی طرح اس ٹوٹی ہوئی ٹہنی سے خون اور الفاظ دونوں نکل رہے تھے۔[2] ٹہنی میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اور میں ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا۔ ایسے آدمی کی طرح جس پر خوف طاری ہے۔ ورجل نے کہا۔ "اے زخمی روح" اگر میں اسے (دانتے کو) یقین دلا سکتا اس بات کا جو صرف اس نے میری نظم[3] میں پڑھی تھی تو یہ کبھی تجھے اذیت دینے کے لئے اپنا ہاتھ نہ اٹھاتا۔ لیکن کیونکہ

---

1۔ ہارپیاں بھی انسان کے حیوان سے اتصال کی علامت ہیں۔ جب ٹرائے سے بھاگ کر اینیس (Aeneas) اور اس کے ساتھی استروفادیس کے جزیروں میں آئے تو وہاں ہارپیاں ان کے کھانے پر جھپٹی تھیں اور اسے گندہ کر دیتی تھیں یہاں ہارپیاں کے ارادے کی علامت ہیں۔ 2۔ اینیئڈ (Aeneid) 3۔ خودکشی چونکہ انسانی جسم کی بے حرمتی ہے اس لئے یہ گنہگار انسانی جسم کی شباہت سے محروم ہیں چونکہ انہوں نے زندگی اور حرکت وعمل کو رد کر دیا اس لئے ان کی روحوں نے ان بھیانک درختوں کا روپ لے لیا۔

بات نا قابل یقین تھی اس لئے میں نے اسے ایسا کرنے کی ترغیب دی جس پر اب مجھے خود افسوس اور پشیمانی ہے لیکن اسے یہ بتا کہ تو کون ہے۔ تا کہ جب یہ دنیا میں واپس جائے تو تلافی مافات کے طور پر وہاں تیری شہرت تازہ کر سکے۔ اور تنے نے جواب دیا...... میں وہ ہوں جس کے پاس فریڈرک کے دل کی دونوں کنجیاں تھیں۔ میں جب چاہتا آسانی سے گھما کر اسے کھولتا یا بند کرتا۔ ایسے فن کے ساتھ کہ میرے علاوہ کوئی اور شخص اس کے دل میں گھس نہیں سکتا تھا۔ اس خدمت عالیہ کا مجھے اس قدر پاس تھا کہ میں نے اپنی نیند اور اپنی ساری قوت کی بازی لگا دی۔ وہ فاحشہ (حسد) جس نے (جولیس) سیزر کے گھرانہ سے کبھی اپنی شہوت بھری نظر نہیں ہٹائی وہ جو تمام دریاؤں کی سب سے بڑی آفت اور سب سے بڑی برائی ہے اس نے تمام دلوں کو میرے خلاف مشتعل کیا اور انہوں نے مشتعل ہو کر میرے شہنشاہ کو میرے خلاف اس قدر بھڑکایا کہ میرے اعزاز کی ساری خوشی تلخ رنج میں بدل گئی۔ میری روح نے بیزاری اور حقارت کے عالم میں اور حقارت سے موت کے ذریعہ بچنے کے لئے اپنے آپ سے بے انصافی کی لیکن میں تم سے اس درخت کی نئی جڑوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے اپنے محترم آقا سے کبھی بے وفائی نہیں کی اور اگر تم میں سے کوئی دنیا کو واپس لوٹے تو میری یاد کو تقویت پہنچانا جو حسد کے ظالمانہ وار سے مجروح ہو کر زمین پر پڑی ہوئی ہے'' ورجل مجھ سے اس روح سے کچھ اور پوچھنے لگتا ہے۔ مگر میں جواب دیتا ہوں کہ تو خود جو مناسب سمجھے پوچھ، مجھے تو ایسا ترس آ رہا ہے کہ حوصلہ نہیں۔ بس ورجل خود یہ پوچھتا ہے کہ بتا ان درختوں میں روح کس طرح قید کی جاتی ہے۔ اور کیا کبھی وہ ان درختوں کے اعضاء سے اپنے آپ کو آزاد بھی کر سکے گی۔ تب وہ درخت زور سے سرسرایا اور اس سے جو ہوا نکلی وہ ان الفاظ میں بدل گئی۔ تجھے مختصر جواب ملے گا۔ جب وحشتناک روح زبردستی اپنے جسم کو پھاڑ کر باہر نکلتی ہے تو می نوس اسے ساتویں خلیج میں بھیج دیتا ہے۔ جہاں وہ اس جنگل میں گر پڑتی ہے۔ کوئی جگہ اس کیلئے چنی نہیں جاتی۔ جہاں بھی قسمت اسے پھینکے وہاں اس کی کونپلیں پھوٹ نکلتی ہیں اس طرح جیسے گیہوں کے دانے سے پھر وہ بڑھ کے پودا بن جاتی ہے۔ اور پھر مہیب ہارپیاں اس کے پتے نوچ نوچ کر اسے اذیت دیتی ہیں اور اذیت کے اظہار کے راستہ (یعنی زخم) بناتی ہیں روز حشر ہم بھی دوسروں کی طرح اپنے لباس جسمانی کو لینے جائیں گے۔ مگر ہم تا ابد اسے پہن نہ پائیں گے کیونکہ یہ تو انصاف

نہیں ہوسکتا کہ کسی شخص کو پھر سے وہ چیز ملے جو اس نے خود ہی اتار پھینکی ہو۔ ہم اپنے جسموں کو کھینچ لائیں گے اور پھر اس مخروں جنگل میں ہمارے جسم لٹکا دیئے جائیں گے۔ ہر جسم اپنی خودکشی روح کے کانٹوں پر لٹک رہا ہوگا'' ...... وہ درخت بہ اسرار بتا ہی رہا تھا کہ وہ ننگی اونچی کچھی روحیں جنگل میں دوڑتی ہوئی آتی ہیں۔ جنگل کی دوشاخیں ان کے راستہ میں ہیں وہ بری طرح ٹوٹ جاتی ہیں۔ جہنم کی کالی مہیب کتیاں ان کا تعاقب کرتی آتی ہیں۔ اور انہیں چیرنے پھاڑنے لگتی ہیں۔ اور ان کے اعضاء نوچ نوچ کرلے جاتی ہیں۔ یہ بے روزی سے اپنا دوسروں کا سرمایہ ضائع کرنے والے لانو اور جاکو مادا سانت آندریا تھے جن کا یہ حشر ہم نے دیکھا۔ ایک جھاڑی سے جو اس کا ہنگامہ میں بری طرح زخمی ہوگئی تھی۔ ورجل پوچھتا ہے کہ تو کون ہے۔ وہ ہم سے التجا کرتی ہے کہ میری نچی ہوئی پتیاں اس آرزدہ پودے کے تلے جمع کردو۔ اور اب مجھے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ ایک میرے ہم وطن کی روح ہے جس نے اپنے آپ کو پھانسی دے کر خودکشی کی تھی۔

قطعہ 14۔ اپنے وطن کی محبت سے مجبور ہوکر میں اس جھاڑی کی بکھری ہوئی پتیاں اس کے پاس جمع کردیتا ہوں۔ پھر ہم دونوں وہاں سے چل کر ساتویں حلقہ کے تیسرے حصہ میں پہنچتے ہیں۔ یہ ایک چٹیل، ریتیلا میدان ہے جس کی ریت خشک اور موٹی ہے اور یہ میدان خودکشی کرنے والوں کے جنگل سے اسی طرح گھرا ہوا ہے جیسے اداس جنگل خون کی ندی سے گھرا ہوا ہے میں نے وہاں ننگی روحوں کے گلے دیکھے جو بڑے دردناک طریقہ سے آہ و بکار کر رہے تھے اور ان کیلئے الگ طریقہ کی سزا تھی کچھ تو زمین پر چت پڑے تھے۔ (یہ خدا کے خلاف تشدد کرنے والے تھے) کچھ دبکے بیٹھے تھے (یہ سودخور تھے جنہوں نے انسانی ہنر کے خلاف تشدد کرکے فطرت اور خدا کے خلاف تشدد کیا، مسلسل دوڑتے پھر رہے تھے (یہ اغلام باز تھے جنہوں نے وضع فطرت کے خلاف تشدد کرکے فطرت اور خدا کے خلاف تشدد کیا) ...... وہ جو چت پڑے ہوئے عذاب جھیل رہے تھے تعداد میں کم تھے مگر تکلیف سے سب سے زیادہ وہی چلاتے تھے۔ اس سارے ریتیلے میدان پر آہستہ آہستہ آگ کے پھیلتے ہوئے شعلہ برس رہے تھے۔ اس طرح جیسے آلپس کے پہاڑوں پر برف گر رہی ہو اور ہوا نہ چلتی ہو، یا جیسے وہ شعلہ ہوں جو سکندر نے ہندستان کے گرم خطوں میں زمین پر اور اپنی فوج پر گرتے ہوئے دیکھے...... یہاں اسی طرح ابدی آگ برستی تھی جس کی وجہ سے ریت

مشتعل ہوتی رہتی تھی اس طرح جیسے چقماق اور فولاد کے نیچے سوختہ۔ اس سے گناہگاروں کو تکلیف دہری ہو جاتی۔ جو اپنے ہاتھوں سے برابر اپنے جسموں کو پیٹ رہے تھے۔ میں نے ورجل سے پوچھا..... ''وہ عظیم روح کون ہے جس کو آگ کی پرواہ نہیں اور جو اس طرح اکڑا اکڑا ہوا ہے۔ کیا وہ اس بارش میں پک نہیں رہا؟'' اور وہ شخص خود یہ دیکھ کر کہ میں نے اس کے متعلق اپنے رہبر سے سوال کیا ہے بول اٹھا۔ '' میں زندگی میں جو کچھ تھا۔ مرنے کے بعد بھی وہی ہوں.....'' یہ کپانیس (Capanesus) ہے جس نے جو (Jone) یونانی ضمیات میں خدا کا نام) کے خلاف غرور، غصہ اور تشدد کا مظاہرہ کیا[1]۔ ورجل مجھے بتاتا ہے کہ یہ ان سات بادشاہوں میں سے ایک تھا جنہوں تھیبس (Thebes) کا محاصرہ کیا تھا تب اور معلوم ہوتا ہے اب بھی وہ خدا کو کچھ نہیں سمجھتا۔ پھر ورجل سے کہتا ہے ''اب میرے پیچھے پیچھے آ۔ یہ خیال رکھنا کہ جلتی ریت پر قدم نہ پڑنے پائے۔ جنگل کے کنارے کنارے ہی چلا چل''۔ بالکل خاموش ہم ایسی جگہ پہنچے جہاں ایک چھوٹی سی ندی ملتی ہے۔ جو جنگل سے امنڈ کر آتی ہے اور جس کی ارغوانی سرخی یاد کر کے مجھے اب بھی کپکپی سی معلوم ہوتی ہے۔ یہ ندی ان تمام شعلوں کو بجھا دیتی ہے۔ جو اس کے کناروں پر گرتے ہیں مجھے ان ندیوں کے بارے میں جاننے کی خواہش ہوتی ہے۔ ورجل بتاتا ہے کہ جزیرہ افریطش (Ceete) میں ایڈا نامی پہاڑ میں ایک پیر مرد کا مجسمہ کھڑا ہوا ہے...... جو روما کی طرف یوں دیکھتا ہے گویا وہ اس کا آئینہ ہے۔ اس کا سر کھرے سونے کا بنا ہوا ہے۔ سینہ اور ہاتھ خالص چاندی کے ہیں۔ درمیانی حصہ یا دھڑ پیتل کا ہے۔ وہاں سے لیکر پیر تک وہ بیچ لوہے کا ہے۔ بجز اس کے کہ اس کا سیدھا پیر پکی ہوئی مٹی کا ہے اس کے بدن کا سارا بوجھ اسی پیر پر ہے نہ کے دوسرے پیر پر۔ اس حصہ کے سوا جو سونے کا بنا ہوا ہے اس کے جسم کے ہر حصہ میں چاک ہیں جن سے آنسو ٹپکتے ہیں یہ[2] آنسو ایک غار

---

1۔ دانتے کا جہنم چونکہ زیادہ تر کلاسیکی اخلاقیات کے مطابق مرتب کیا گیا ہے اس لئے اس میں غرور کا الگ سے کوئی طبقہ نہیں ہے جو عیسائیت کے مطابق تمام گناہوں کی جڑ ہے لیکن اس معنی میں تو جہنم غرور ہی کا پیکر ہے۔ غرور جو مختلف گناہوں کی شکل میں ہمیں نظر آتا ہے۔

2۔ یہ انسانی تاریخ کے بتدریج انحطاط کی تمثیل ہے۔ صرف انسانی تاریخ کا سنہری دور آنسوؤں کا باعث نہیں بنتا۔ غالباً لوہے کے پیر شہنشاہیت اور مٹی کا پیر کلیسا کی علامات ہیں۔ یہ مجسمہ روما کی طرف یعنی مغرب کی نئی تہذیب کی صرف دیکھتا ہے۔

میں گرتے ہیں اور پھر چٹان در چٹان آنسوؤں کا یہ سیل نیچے گرتا ہوا جہنم کی وادی میں جمع ہوتا ہے ان آنسوؤں سے اکیرون (Acheron) اسٹکس (Styx) فلے جی تون (Phlegethon) نامی جہنم کی ندیاں بنتی ہیں۔ اور پھر اس تنگ نالی سے یہ پانی نیچے اتر کر جہنم کے سب سے نچلے حصہ میں پہنچتا ہے کہ جس سے زیادہ نیچی کوئی اور جگہ نہیں۔ اور وہاں کوکیٹس (Cocytus) نامی منجمد برفانی جھیل بن جاتا ہے (جو جہنم کا چوتھا دریا ہے) ایک اور ندی لیتھے (Lethe) ہے جو جہنم کے باہر مقام کفارہ میں پائی جاتی ہے۔ ورجل کہتا ہے کہ تو نے یہ ابلتی ہوئی خون کی ندی دیکھی، یہ فلے جی تون ہی ہے۔ ''آ! اب جنگل سے کٹ کر الگ ہوں، قدم بہ قدم نیچے چلا آ، ندی کے کنارے جل نہیں رہے، یہی ہمارا استہ ہے۔ یہاں آگ کے شعلے بجھ جاتے ہیں۔

قطعہ 15۔ ہم دونوں سرخ ندی کے کرارے دار کنارے پر چلے جا رہے ہیں۔ ندی سے جو بخارات اٹھتے ہیں ان سے اوپر ایک سایہ تھا جو ندی اور اس کے کناروں پر چھایا ہوا تھا اور آگ سے اسے بچاتا تھا۔ ندی کے کنارے فصیل نما تھے، ایسے جیسے وہ فصلیں جو فلمینگ لوگ سمندری طوفان کے ڈر سے بناتے ہیں جو ان کی طرف جھپٹتا ہوا آتا ہے۔ ہم اب جنگل سے اتنی دور آ گئے تھے کہ اگر میں پلٹ کر اسے دیکھنا چاہتا تو نظر نہ آتا۔ ہم نے ارواح کے ایک گروہ (جو وضع فطرت کے خلاف تشدد کرنے والوں کا گروہ تھا[1]) دیکھا جو کنارے کے قریب قریب آ رہا تھا اور ان میں سے ہر ایک نے ہماری طرف اس طرح دیکھا جس طرح راہ گیر نئے چاند کی روشنی میں ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں اور ہماری طرف انہوں نے اپنی نگاہ کو اس طرح تیز کر کے دیکھا جیسے کوئی معمر درزی سوئی کے ناکے کی طرف دیکھتا ہے جب یہ گروہ ہمیں اس طرح دیکھ رہا تھا تو اس میں سے ایک نے مجھے پہنچان کر میرا دامن پکڑ لیا۔ اور کہا کیسے تعجب کی بات ہے اور جب اس نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا تو میں نے بھی اس کے جلے ہوئے چہرے کی طرف غور سے دیکھا کہ باوجود اس کے کہ اس کا چہرہ بھنا ہوا تھا۔ میرا حافظہ غلطی نہ کر سکا اور میں نے اسے پہچان لیا اور اس کی طرف

---

1۔ یہ لوگ ان تمام غلط کاریوں کی علامت ہیں جو انسان کی فطری صلاحیتوں کو تباہ کر دیتی ہیں اور اس طرح فطرت پر ظلم کرنے کے مترادف ہیں (شرابیوں کو بھی دانتے اسی گروہ میں رکھنا چاہیں گے) اس لئے یہ لوگ آگ کی بارش میں تپتی ریت پر بے فائدہ دوڑے پھر رہے ہیں۔

سر جھکا کے جواب دیا!'' جناب برونتو[1] آپ یہاں!'' اور وہ بولا'' اے میرے فرزند ناراض نہ ہونا اگر برونتو لاطینی تھوڑی دیر کے لئے تیرے ساتھ لوٹ چلے اور اپنے ساتھیوں کو آگے بڑھ جانے دے''۔ اور'' میں نے کہا۔ میں تہ دل سے آپ سے اس کی درخواست کرتا ہوں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں تھوڑی دیر آپ کے ساتھ بیٹھ کے باتیں کروں تو میں حاضر ہوں، بشرطیکہ اس (ورجل) کی بھی یہی مرضی جو جس کے ساتھ میں یہ سفر کر رہا ہوں''۔ اس نے کہا!'' اے میرے فرزند اس گروہ میں جو شخص لحظہ بھر کے لئے ٹھہر جاتا ہے اسے اس کے بعد سو سال تک یہ بھگتنا پڑتا ہے جب آگ کے شعلہ اس پر گرتے ہیں تو وہ ہاتھ بھی نہیں ہلا سکتا۔ اس لئے چلا چل، میں تیرا دامن پکڑے اسی طرح چلتا رہوں گا اور پھر اپنے گروہ کے لوگوں میں جا کے مل جاؤں گا جو ابدی خسارہ کے عالم میں ماتم کرتے ہوئے دوڑتے رہتے ہیں۔ میں اتنی جرأت نہیں کر سکتا تھا کہ راستہ سے اتر کر اس کے برابر چلتا۔ اس لئے میں تعظیماً سر جھکائے چلتا رہا۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ کون سا اتفاق یا تقدیر تجھے تیرے آخری وقت سے پہلے یہاں لے آئی ہے اور یہ کون ہے جو تیری رہبری کر رہا ہے۔ میں نے اسے بتایا کہ میں سورج سے روشن دنیا میں گمراہ ہو کے ایک تاریک وادی میں بھٹک رہا تھا یہاں کہ یہ شخص ورجل میرے پاس آیا جو اب اس راستہ سے میری رہبری کر رہا ہے۔ اور اس نے مجھ سے کہا۔'' اگر تو اپنے ستارے کے پیچھے پیچھے چلے گا تو یقیناً کسی عظیم الشان منزل تک پہنچے گا۔ زندگی کے حسین دنوں میں اگر تیرے بارے میں میرا اندازہ غلط نہ تھا تو میں اب یہ پیش گوئی کر سکتا ہوں۔ اگر میں اتنی جلدی نہ مر جاتا تو آسمان کو تجھ پر مہربان دیکھ کر تیرے کام میں ضرور تیرا دل بڑھاتا لیکن وہ ناشکرے اور خبیث لوگ (اہل فلورنس) جو فیزوے کی پہاڑیوں سے اترے اور جن میں اب تک پہاڑیوں اور چٹانوں کا اثر باقی ہے تیری نیکیوں کی وجہ سے تیرے دشمن بن جائیں گے اور اس کی وجہ بھی ہے۔ ترش ناشپاتیوں کے جھنڈ میں اگر میٹھا انجیر پروان چڑھے تو انہیں بھلا نہیں لگتا۔ دنیا میں یہ ان کی (اہل فلورنس) شہرت ہے کہ وہ اندھے ہیں۔ کم ظرف اور حاسد اور مغرور ہیں۔ دیکھ اپنے آپ کو ان کی عادتوں سے پاک رکھنا۔ تیری تقدیر نے تیرے لئے وہ عزت کی جگہ

---

1۔ برونتو لاطینی 94۔1220 جسے دانتے نے اپنا استاد مانا ہے۔ یہ ایک زبردست عالم تھا۔

مقرر کی ہے کہ دونوں جماعتیں تجھے حاصل کر کے ہڑپنا چاہیں گی، مگر اچھی گھاس بکرے سے محفوظ رہے گی...... میں نے کہا'' کاش کہ میری خواہش پوری ہوئی کہ آپ کو جسم انسانی سے جلد جلا وطن نہ ہونا پڑتا۔ کیونکہ آپ کی عزیز پدرانہ صورت میرے دل پر نقش ہے اور میرے حافظہ پر حاوی ہے...... میری قسمت کے بارے میں آپ نے جو کچھ کہا ہے وہ میں نے سن لیا ہے اور میں ایک دوسرے متن کے ساتھ اسے محفوظ رکھوں گا تا کہ اگر میں ایک مقدس خاتون کے پاس پہنچ سکوں تو اس سے موضوع پر رائے لے سکوں۔ میں آپ کو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگر میرا ضمیر مجھے ملامت نہ کرے تو میری قسمت کو جو منظور رہے میں اس کے لئے بالکل تیار ہوں۔ یہ پیش گوئی میرا ضمیر مجھے ملامت نہ کرے تو میری قسمت جس طرح چاہے اپنے چکر کو گھمائے اور گنوار جس طرح چاہیں اپنے پھاوڑے چلائیں۔'' اس پر میرا آقا ورجل سیدھی طرف پلٹا اور میری طرف دیکھ کے کہنے لگا۔ اچھی طرح وہ سنتا ہے جو ذہن نشین بھی کرتا ہے۔ برونتو لاطینی اس خطہ کے کچھ دوسرے گناہ گاروں کے بتانے کے بعد کچھ لوگوں کا جن کا ساتھ ہونا وہ برداشت نہیں کر سکتا آتا دیکھ کر ہم سے رخصت ہوتا ہے، اور پلٹ کر ایسا بھاگتا ہے جیسے ویرونا کے کھلے میدانوں میں سبز کپڑے والی دوڑ دوڑتے ہیں، اور معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہ ایسا دوڑنے والا نہیں جو ہارے گا، ایسا دوڑنے والا ہے جو جیتے گا۔

قطعہ 16۔ ساتویں حلقہ کے تیسرے حصہ میں ورجل کے ہمراہ میں اب ایک ایسے مقام پر پہنچتا ہوں جہاں دوسرے حلقہ میں پانی کے گرنے کا شور اس طرح سنائی دے رہا تھا جیسے شہد کی مکھیوں کے چھتے کے پاس بھنبھناہٹ کی آواز۔ روحوں کا ایک گروہ اس کی آگ کی بارش میں نمودار ہوتا ہے۔ یہ لوگ جنگ اور جہانبانی میں ممتاز تھے مگر یہ بھی اب اسی گناہ کے عذاب میں مبتلا ہیں جو برونتو لاطینی کا گناہ تھا۔ ان میں سے تین میرے ہم وطن ہیں اور وہ مجھے میرے لباس سے پہچان لیتے ہیں۔ یہ مجھ سے باتیں کرتے ہیں مگر ٹھہرتے نہیں ہیں، بلکہ چکر کاٹتے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک جاکو پورستی کوچی ہے (جس کے بارے میں دانتے نے چیاکو سے پوچھا تھا وہ کہتا ہے کہ میری تند مزاج بیوی میری گمراہی کا باعث بنی۔ وہ اپنے بارے میں بتاتا ہے جس کا باعث نو دولتوں اور بے اعتدالی ہے تو وہ دائرہ میں چکر کاٹنا چھوڑ کے اس تیزی سے بھاگتے ہیں کہ ان کے

پیر پر معلوم ہوتے تھے۔ میں اور ورجل آگے بڑھتے ہیں اب پانی کا شور اتنا تیز ہو گیا ہے کہ ہم ایک دوسرے کے الفاظ نہیں سمجھ سکتے۔ جس طرح دیائے مون تونے پہاڑی پر سے شور مچاتے ہوئے گرتا ہے اور ایسا نہ زبردست آبشار بناتا ہے کہ اس کے نیچے ہزار آدمی پناہ لے سکیں اسی طرح ہم اس رنگین آب جو کو ایک کھڑی چٹان سے نیچے اس بے پناہ شور کے ساتھ گرتے رہتے تھے کہ ذرا سی دیر میں کام سن ہو جائیں۔ ورجل مجھ سے اس طناب[1] کو کھولنے کا کہتا ہے جو میری کمر کے گرد لپٹی ہوئی ہے۔ پھر ورجل اس طناب کو نیچے خلیج میں پھینک کر اس تاریک بھاری ہوا میں ایسے عجیب الخلقت جانور کو اوپر کھینچتا ہے جو مضبوط سے مضبوط دل کے لئے بھی عجیب ہے۔ وہ تیرتا ہوا اوپر ابھرتا ہے جیسے کوئی سمندر میں لنگر ٹھیک کرنے کیلئے غوطہ لگانے کے بعد اوپر ابھرے، بازو پھیلائے ہوئے اور پاؤں اوپر سمیٹتے ہوئے۔

قطعہ 17۔ یہ عجیب الخلقت جانور جیریون (Geryon) ہے۔ (جو فریب کا ناپاک ایک مجسمہ ہے) یہ چہرے سے منصف مزاج اور حلیم آدمی معلوم ہوتا ہے مگر اس کا باقی جسم سانپ ہے اور اس کے دو پنجے ہیں۔ اس کی گردن اور سینے اور کمر پر رنگ برنگ کی گرہیں اور حلقے بنے ہوئے ہیں۔ اس کی دم چٹان سے باہر ہے اور بچھو کے ڈنک کی طرح اوپر اٹھی ہوئی ہے اور اس کے سرے پر جو ڈنک ہے وہ بے پناہ قاتل ہے۔ ورجل جیریون سے بات کرنے کے لئے اس کے پاس ٹھہر جاتا ہے اور میں سود خوار گناہگاروں کو جو انسانی ہنر کے خلاف تشدد کرنے والے ہیں دیکھنے چلا جاتا ہے۔ آنکھوں سے ان کی تکلیف پھٹی پڑتی تھی۔ ہاتھوں سے کبھی ادھر کبھی ادھر وہ شعلوں کو ہٹاتے اور کبھی جلتی ہوئی ریت کو جیسے گرمیوں میں جب کتوں کو کھیاں یا پسو دق کرتے ہیں تو کبھی اپنے منہ سے کبھی پنجوں سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں یہ لوگ سمٹے ہوئے بیٹھے ہیں۔ ہر ایک کی گردن سے ایک تھیلی لٹک رہی ہے۔ جس پر کوئی خاص مہر ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی نظر اسی سے سیر ہو رہی ہے ان میں سے ایک جس کی گردن میں روپہلی تھیلی ہے اور جس پر نیلی مادہ خنزیر کی مہر ہے مجھ سے مخاطب ہوتا ہے اور پھر اپنا منہ مروڑ کر اپنی زبان اس بیل کی طرح نکلتا ہے جو اپنی

---

1۔ دانتے کہتا ہے وہ ایک زمانہ میں طناب سے چیتے (دیکھئے قطعہ 1) قابو میں کرنا چاہتا تھا۔ یعنی نفس امارہ کو طناب عہد عفت کی علامت ہے۔ کچھ علماء کا خیال ہے کہ اس طناب سے پتہ چلتا ہے کہ دانتے فرانسسکن تحریک سے متاثر تھے۔

ناک چاٹتا ہے میں واپس ورجل کے پاس آتا ہوں۔ ورجل جریوں کی پیٹھ پر بیٹھ چکا ہے۔ اور مجھ سے آگے بیٹھنے کو کہتا ہے تاکہ اس طرح میں جانور کے مہیب ڈنک سے محفوظ رہوں۔ جیسے وہ جسے چوتھیا بخار کا لرزہ چڑھنے والا ہو، اور اس کے ناخن پیلے پڑ چکے ہوں۔ اور وہ محض سایہ کو دیکھ کر بری طرح کانپنے لگے، ان الفاظ کو سن کر میرا ایسا ہی حال ہوا لیکن اس کی (ورجل) کی تہدید سے میں نے وہ خجالت محسوس کی جس کی وجہ سے نوکر اپنے عالی قدر آقا کی موجودگی میں بہادر بن جاتا ہے۔ میں اس بھیانک جانور کے کاندھوں پر سوار ہوا۔ میں ورجل سے یہ کہنا چاہتا تھا کہ مجھے پکڑے رہنا۔ مگر میرا خیال آواز بن کے نہ نکل سکا۔ مگر وہ (ورجل) جس نے اور موقعوں پر مشکل میں میری مدد کی تھی میرے سوار ہوتے ہی دونوں بازوؤں سے مجھ سے لپٹ گیا اور مجھے سنبھالے ہوئے بیٹھا رہا۔ پھر اس نے کہا جیریوں، اب چل۔ جس طرح جہاز اپنی جگہ سے پلٹ کر پیچھے پیچھے چلتا ہے اسی طرح وہ دیو پیکر جانور اس کنارے سے روانہ ہوا، اور جب اس نے اپنے آپ کو بالکل آزاد پایا تو اس نے اپنی دم پلٹا کے وہاں کی جہاں اس کا سینہ تھا اور اسے سیدھا کر کے مچھلی کی طرح اسے لہرایا۔ وہ اپنے پنجوں سے ہوا کو سمیٹتا ہوا اترتا جاتا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ جب فی تون (Phaeton)[1] نے اپنی لگام چھوڑ دی تھی جس کی وجہ سے ابھی تک ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آسمان جل گیا ہے، اس وقت بھی اسے اتنا خوف محسوس نہ ہوگا (جتنا کہ مجھے) اور نہ ہی بے چارے اکارس (Icarus) کو اتنا خوف محسوس ہوا ہوگا جب کہ اس کے پیروں سے گرم گرم موم پگھلنے لگا تھا اور اس نے اپنے باپ کو چلاتے ہوئے سنا تھا، ہائے! ہائے میرے بیٹے تو بہت زیادہ اونچا اڑ گیا ہے! جتنا خوف کہ مجھے محسوس ہوا جب میں نے اپنے آپ کو اس بھیانک خلا میں گرتے ہوئے محسوس کیا جہاں آس پاس سوائے ہوا کے کچھ نہ تھا، نہ کوئی چیز نظر آتی تھی اور نہ روشنی تھی بجز اس ہولناک جانور کے اور وہ جانور تیرتا ہوا اور چکر کاٹتے ہوئے نیچے اتر رہا تھا اگر مجھے اس کا علم صرف اس

---

1۔ یونانی ضمیات میں سورج کے دیوتا فی بس (Pheobus) کا بیٹا جس نے ضد کر کے اپنے باپ کا رتھ آسمان میں چلایا تھا لیکن اس کے گھوڑوں پر قابو نہ رکھ سکا تھا اور رتھ کے راستہ سے ہٹ جانے کی وجہ سے آسمان جل گیا اور کہکشاں کا نشان بن گیا۔ زمین کو جلنے سے بچانے کے لئے جوپیٹر نے فی تون کو اپنی بجلی سے ہلاک کیا۔ ڈی ڈالس (Daedalus) کا بیٹا جس کے باپ نے اس کے کاندھوں پر موم سے پر چپکائے تھے زیادہ اونچا اڑ کر سورج کے قریب پہنچ جانے کی وجہ سے اکارس کے پروں کا موم پگھل گیا اور وہ سمندر میں گر کر ڈوب گیا۔

احساس سے ہو رہا تھا جو نیچے سے ہوا کے میرے چہرہ چھپٹنے سے پیدا ہوتا تھا اور اب میں نے ہوا میں اترتے ہوئے اپنے سیدھے ہاتھ کی طرف سے آتی ہوئی آبشار کے گرنے کی گونجتی ہوئی صدا سنی۔ اور میں نے سر جھکا کر اس طرف نظریں جمائیں چکراتے ہوئے حواس کے ساتھ۔ تب ہوا میں اڑنے سے زیادہ نیچے اترنے میں ڈر محسوس ہوا کیونکہ میں نے جابجا آگ کے بلند شعلہ لپکتے ہوئے دیکھے اور فریادوزاری کی ایسی صدائیں سنیں کہ میں کانپ اٹھا۔'' جیریون ہم دونوں کو ایک شکستہ چٹان کے پاس اتار کر اڑ جاتا ہے۔ اس طرح جیسے کمان سے تیر۔

قطعہ 18۔ آٹھویں حلقہ جس میں ہم دونوں اترے ہیں فریب (Fraup) کا حلقہ ہے اور اس کو مالے بول جے (Malebolge) کہتے ہیں۔ یہاں ہر چیز تاریک، آہن رنگ اور سخت چٹان کی بنی ہوئی ہے اور حلقہ کے اطراف جو دیوار ہے وہ بھی ایسی ہے۔ اس حلقہ کے بیچ میں ایک بڑا چوڑا اور نہایت گہرا کنواں ہے (جو نواں حلقہ ہے) اطراف کی دیوار سے بیچ کے کنوئیں تک ڈھلون ہے اور دائرہ در دائرہ دس خندقیں بنی ہوئی ہیں جو اطراف کی دیوار سے کنوئیں تک حلقہ بنائے ہوئے ہیں۔ ان خندقوں کی وجہ سے یہ آٹھواں حلقہ دس حصوں میں منقسم ہے خندقوں کو عبور کرتی ہوئی اطراف کی دیوار سے کنوئیں چٹانیں چلی گئی ہیں جو ان پل نما فصیلوں کی طرح ہیں جن پر گذر کر کسی قلعہ کی خندقیں عبور کی جاتی ہیں۔ ورجل بائیں طرف پلٹا ہے اور مجھ کو پہلی خندق کے کنارے پر لئے چلتا ہے۔ ہم نیچے خندق کی مخلوق کو دیکھتے ہیں پہلی خندق میں بھڑوے اور دھوکا دے کر عصمت ریزی کرنے والے ہیں یہ بالکل برہنہ ہیں اور سینگ والے شیاطین انہیں تازیانہ مار رہے ہیں۔ ایک گناہکار کو دیکھ کر میں کہتا ہوں کہ میں نے اس شخص کو پہلے کہیں دیکھا ہے۔ وہ اپنے آپ کو چھپانے کے لئے سر جھکا لیتا ہے مگر میں اسے پہنچان کر اسے اس کے نام سے پکارتا ہوں۔'' دے نے دی کو کاچیانی کو'' وہ گناہگار کہتا ہے کہ میں وہی جو حسین گزولا کو مارکوئس کی خواہش پوری کرنے لے لیا گیا تھا۔ ایک شیطان اسے تازیانہ رسید کر کے کہتا ہے۔'' چل بھڑوے، یہاں کوئی عورتیں نہیں ہیں۔ جن پر تو اپنا سکہ جمائے''۔ میں اور ورجل پل نما فصیل کے اوپر چڑھتے ہیں اور جے سن (Jason) کو دیکھتے ہیں جس نے ہپسی پائی لے (Hypsipyle) کو دھوکہ دے کر خراب کیا اور میڈیا (Medea) کو دھوکا دے کر پشم طلائی (Golden Fleece)

حاصل کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس تکلیف میں بھی جے سن کے آنسو نہیں نکل رہے اور اس کا شاہی دبدبہ باقی ہے۔ پھر ہم دونوں اس خندق کو پل سے گذر کر عبور کرتے ہیں اور نیچے دوسری خندق کے گناہگاروں کو دیکھتے ہیں۔ یہ چاپلوس لوگ ہیں اور فضلہ میں غرق ہیں جو انسانی جسموں کے پوشیدہ حصوں سے نکلتا ہے۔ ایک گناہگار مجھ سے کہتا ہے تو مجھے کیوں گھورے جا رہا ہے آخر دوسرے بھی تو اس گندگی میں مبتلا ہیں''۔ میں جواب دیتا ہوں کہ ایسا اس لئے ہے کہ میں تجھے پہچانتا ہوں تو لوکا کا رہنے والا الے سیو ہے۔

قطعہ 19۔ آٹھوں حلقہ کی تیسری خندق میں مذہب فروش ہیں۔ یہ لوگ دہکتی ہوئی سرخ چٹان کے اندر تنگ گول سوراخوں میں سر کے بل دھنسے ہوئے ہیں۔ اور یہ سوراخ ایسے دکھائی دیتے ہیں جیسے سینٹ جان کے گرجا میں بپتسمہ دینے والے پجاریوں کے کھڑے ہونے کے لئے سوراخ بنے ہوئے ہیں صرف ان کے پیر نظر آ رہے ہیں اور ان کے تلوؤں پر شعلہ رقص کر رہے ہیں جیسے کسی چیز پر تیل ڈال کر آگ لگا دی جائے۔ کچھ ایسی کیفیت اور ان کے پیروں کے جوڑ شدت سے لرز رہے ہیں میں ورجل کے ساتھ اس خندق میں اترتا ہوں۔ اور ایک سوراخ کے پاس پہنچتا ہوں جس میں پوپ نکولاس دھنسا ہوا ہے۔ آواز آتی ہے۔'' بونی فیس (Boniface) کیا تو آ گیا!'' ورجل مجھ سے کہتا ہے کہ اسے بتا دے کہ میں وہ نہیں جو تو خیال کر رہا ہے۔ پوپ نکولاس سوم اپنی مذہب فروشی کا اعتراف کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ میرے سر کے نیچے اور لوگ بھی کھنچے گئے ہیں۔ جب پوپ بونی فیس ہشتم یہاں آئے گا تو وہ میری جگہ لے گا اور میں اور نیچے دھنس جاؤں گا۔ پھر کلیمنٹ پنجم آ کے اس کی جگہ لے گا اور بونی فیس میری طرح نیچے دھنس جائے گا۔ میں غصہ اور رنج سے بھر جاتا ہوں کہتا ہوں۔'' میں کلید ہائے کلیسا کے احترام کی وجہ سے زیادہ سخت الفاظ استعمال نہیں کر سکتا مگر تم لوگوں کی ہوس کی وجہ سے ساری دنیا پریشان ہے۔ تم اچھوں کو کچلتے ہو اور بدمعاشوں کو ابھارتے ہو......تم نے اپنے سونے چاندی کے خدا تراشے ہیں۔ بت پرست میں اور تم میں اس کے سوا کیا فرق ہے کہ وہ ایک بت پوجتا ہے۔ اور تم ایک سو''۔ معلوم نہیں غصہ سے یا ضمیر کی اذیت کی وجہ سے پوپ نکولاس سوم اپنے دونوں پیر زور زور سے مروڑنے لگتا ہے۔ ورجل مجھے گود میں اٹھا کر اپنے اسے ٹیڑھی چٹان پر لے آتا ہے جو اس کے بعد کی خندق پر پل بناتی ہے۔

قطعہ 20۔ چوتھی خندق کی تہ میں میں رمالوں، نجومیوں اور جادوگروں کو آہستہ آہستہ چلتا دیکھا ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے مستقبل کے بھیدوں کو جاننا چاہا کہ جن کو جاننا صرف خدائے علیم کا حق ہے۔ یہ بہت زیادہ آگے دیکھنا چاہتے تھے۔ مگر اب ان کے چہرہ پیچھے کی طرف مڑے ہوئے ہیں۔ اور وہ مجبوراً الٹے پاؤں چل رہے ہیں کیونکہ اب سامنے دیکھنا ان کے لئے ناممکن ہے۔ ممکن ہے کہ فالج کسی کے جسم کو اتنا توڑ مروڑ دے۔ مگر میں نے کبھی کسی کو ایسا نہ دیکھا تھا اور نہ مجھے اس کا یقین تھا کہ ایسا ممکن ہے ناظر، خدا تجھے عبرت حاصل کرنے کی توفیق عطا کرے۔ تو خود سوچ کہ میری آنکھیں کسی طرح خشک رہ سکتی تھیں۔ جب میں نے اپنے سامنے بنی نوع انسان کی شکل اس طرح بگڑی ہوئی دیکھی کہ وہ لوگ روتے تھے ان کے آنسوؤں سے ان کے جسم کا پچھلا حصہ تر ہوتا تھا ایک چٹان کا سہارا لے کر میں رونے لگتا ہوں۔ ورجل مجھے سمجھاتا ہے اور کہتا ہے یہاں ترس ختم ہو جاتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو پا کبازی باقی نہ رہ پائے گی۔ کیسی نادانی کی بات ہے کہ تو انصاف خداوندی پر افسوس کر رہا ہے۔ ورجل اس حلقہ میں ایمفیارس (Amphieus) اور ٹائریسیس(Tiresia) کو بتاتا ہے۔ اور پھر ارنس(Aluns) کو اور کہتا ہے کہ جو اپنے کھلے بالوں سے اپنا سینہ چھپائے ہوئے ہے اور اس کا چہرہ دوسری طرف ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آ رہا وہ (ٹائریسیس کی لڑکی) مانتو(Manto) ہے یہ وہی مانتو ہے جس نے اطلالیہ میں دلدل کے بیچ مانتوا (Mantua) نامی بستی آباد کی جو میری (ورجل کی) جائے ولادت ہے۔ ورجل مانتو کی کہانی سناتا ہے اور پھر سے بہت سے جادوگروں کو بتاتا ہے جنہوں نے جڑی بوٹیوں اور پتلیوں سے جادوگری کی۔ اب صبح ہو رہی ہے جو شنبۂ مقدس کی صبح(Holy Saturday Morning) ہے۔ ورجل مجھ کو لے کر آگے بڑھتا ہے۔

قطعہ 21۔ ہم دونوں پانچویں خندق کے پل پر پہنچتے ہیں۔ یہ خندق بہت تاریک ہے اور یہاں عہدوں کا مبادلہ کرنے والے (رشوت خوار) اور مقدمہ باز ہیں جو ابلتے ہوئے قیر میں پڑے ہوئے ہیں[1] جب کوئی گناہگار سطح پر ابھرنا چاہتا ہے تو مہیب شیاطین (جو ان کے گناہوں کے سائے ہیں) اپنے کانٹوں سے اسے چھیدتے ہیں اور اس کے جسم کو چیرتے پھاڑتے ہیں۔ دفعتاً

1۔ اس لئے کہ یہ لوگ خفیہ کارروائیاں کرتے تھے اور روپیہ ان سے چپکا رہتا تھا جس کی جگہ اب ابلتا ہوا قیر ہے۔

ورجل مجھ کواپنے قریب کر لیتا ہےاور میں نے دیکھا کہ ایک عفریت ایک گناہگار جوشہرلوکا کا رہنے والا ہے اٹھائے ہوئے چلا آ رہا ہے۔وہ اسے ابلتے ہوئے قبر میں پھینک کر دوسروں کو لانے چلا جاتا ہے۔وہ گناہگار قبر میں غوطہ کھاتا ہے۔اور پھر پیچ کھاتا ہوا گولا سا بن کر ابھرتا ہے۔مگر پل کے نیچے چھپے ہوئے عفریت اسے کانٹوں سے مار گرادیتے ہیں۔انہوں نے کچھ ایسا ہی کیا جس کی باورچی اپنے ماتحت نوکروں کو ہدایت کرتے ہیں کہ وہ ابلتے ہوئے عرق میں کانٹوں سے گوشت کو غوطہ دیتے ہیں اور سطح پر نہ تیرنے دیں۔ورجل مجھ سے کہتا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ عفریت تجھے نہ دیکھیں۔تو چٹان کے پیچھے چھپ جا! میری فکر نہ کر۔ورجل آگے بڑھتا ہے پل کے نیچے سے نکل کر عفریت اس پر وحشی کتوں کی طرح جھپٹتے ہیں۔مگر جب وہ یہ بتاتا ہے کہ مشیت آسمانی یہی ہے کہ وہ ایک اور شخص کی رہبری کرتا ہوا اور اس وحشی راستہ سے گذرے تو اسے گزند پہنچانے سے رک جاتے ہیں اور عفریتوں کا سردار بیل زیکیو(Blezecue) جس کا دوسرا نام مالا کودا ہے۔اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے"اسے نہ مارو۔اسے جانے دو"۔ورجل مجھے بلاتا ہے اور میں دوڑ کر اس کے پاس پہنچتا ہوں تمام عفریت آگے بڑھ کر قریب آ جاتے ہیں۔مجھے اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں وہ اپنا عہدہ نہ توڑ دیں۔میں سمٹ کر ورجل کے اور قریب ہو جاتا ہوں۔اور انہیں دیکھتا جاتا ہوں وہ اپنے کانٹے میری طرف جھکاتے ہیں اور ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ اس کے جسم پر کہاں اور کس طرح نشانہ جمایا جائے لیکن ان کا سردار مالا کودار خاموش رہنے کو کہتا ہے اور پھر ہم سے کہتا ہے کہ اس چٹان پر اور آگے جانا ناممکن ہوگا کیونکہ چھٹا پل ٹوٹا ہوا ہے اور یہ پل آج سے ایک ہزار دوسو چھیاسٹھ سال پہلے (یعنی عیسیٰؑ کے مصلوب ہونے کے وقت) ٹوٹا تھا۔وہ کہتا ہے کہ اگر تم آگے جانا چاہتے ہو تو کنارے کنارے جاؤ۔ان کے ساتھ کیوں نہیں چلے جاتے؟ وہ تمہیں دھوکا نہیں دیں گے مالا کودا یہ کہہ کر اپنے کچھ ساتھیوں کو بلا کر ہمارے ہمراہ جانے کی ہدایت کرتا ہے۔میں ورجل سے کہتا ہوں "مجھے ان کے ساتھ جانے سے ڈر لگتا ہے۔ہم ان کے بغیر اکیلے ہی چلے جائیں۔اگر تجھے راستہ معلوم ہو تیرا وہ حسب معمول احتیاط کہاں گیا۔دیکھ وہ کس طرح منہ بنا رہے ہیں اور دانت پیس رہے ہیں اور کس طرح ان کے تیور شیطنیت پر تلے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔ورجل مجھ سے کہتا کہ ہمت سے کام لے۔وہ تو ابلتے ہوئے گناہگاروں پر دانت پیس رہے ہیں۔عفریت بائیں

کنارے پر چلنے کیلئے مڑے۔ مگر پہلے ہر ایک نے سردار کو اشارہ دینے کے لئے زبان نکال کر دانتوں میں دبائی جس پر اس نے سلامی لیتے ہوئے اپنے پچھلے حصہ کو بگل کی طرح استعمال کیا۔

قطعہ 22۔ ہم دونوں دس عفریتوں کی معیت کنارے کنارے آگے بڑھتے ہیں۔ ابلتے ہوئے قیر میں کوئی گناہ گار اپنا عذاب کم کرنے کے لئے ابھر کر پیٹھ دکھاتا ہے اور پھر عفریتوں کے خوف سے چشم زدن غوطہ لگا جاتا۔ جیسے پانی کے گڑھے میں مینڈک اپنی تھوتھنیاں اوپر نکالتے ہیں کچھ ایسا ہی ان گناہ گاروں کا حال تھا۔ میں نے دیکھا، اور اس پر میرا دل اب بھی کانپ اٹھتا ہے کہ ان میں سے ایک باقی رہ گیا، جیسے ایک مینڈک باقی رہ جائے اور باقی سب ڈبکی لگا جائیں۔ گرافیا کن (نامی عفریت) جو اس کے قریب تر تھا اس کے قیر آلودہ بالوں کو کانٹے سے الجھا کے اوپر اٹھایا اور وہ گناہ گار مجھے اود بلاؤ جیسا دکھائی دیا...... اور عفریتوں کی پوری ٹولی نے چلا کر کہا "اے اوبی کانت، دیکھ اس کے بدن میں پنجے گاڑ کے اس کی کھال اچھی طرح ادھیڑنا، میری خواہش پر ورجل اس گناہگار سے پوچھتا ہے کہ تو کون ہے وہ گناہگار جونوار میں پیدا ہوا تھا اور شاہ تی بالڈ کا خادم رہ چکا تھا اپنی داستان سناتا ہے۔ مگر اس بیچ میں عفریت چریاتو جس کے جبڑوں سے باہر جنگلی سور کے خادم سور کے سے دو دانت نکلے ہوئے ہیں اسے پھاڑتا ہے عفریتوں کا لیڈر باربچیا سے الگ کرکے ورجل سے کہتا ہے کہ تجھے اس سے اور کچھ پوچھنا ہے تو پوچھ لے۔ ورجل اس سے پوچھتا ہے کہ کیا تیرے ساتھیوں میں کوئی جنوبی اطالیہ کا باشندہ (Latian) بھی ہے۔ وہ گناہگار جنوبی اطالیوں کے بارے میں بتانے لگتا ہے اس بیچ میں عفریت لی بی کو اس کا ایک بازو پھاڑ کے لے جاتا ہے۔ عفریت ڈر گیا سو اس کی ٹانگوں کو نوچ کر لے جانا چاہتا ہے۔ مگر ان کا لیڈر باربچیا انہیں دھمکاتا ہے اور روکتا ہے۔ گناہگار پھر ورجل کے سوال کے جواب میں بولنے لگتا ہے عفریت پھر اسے نوچنے پھاڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ باربچیا انہیں پھر ہٹاتا ہے۔ گناہگار ہم لوگوں کے لئے جنوبی اطالیوں کو سیٹی بجا کر بلانے کی پیشکش کرتا ہے۔ اس پر عفریت اس سے کہتے ہیں کہ ہم سے بچ کر غوطہ لگانے کی تو نے اچھی ترکیب سوچی ہے۔ اور عفریت الی کی نو اس گناہگار کو چیلنج دیتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے تیرے پیچھے زمین پر دوڑنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ میں اپنے پروں سے قیر کے اوپر اڑ سکتا ہوں۔ چل ہم بلندی کو چھوڑتے ہیں اور کنارے کو اوٹ بناتے ہیں۔ دیکھتے ہیں تو اکیلا

ہم سب سے کیسے جیتتا ہے۔ بے وقوف عفریت دوسرے کنارے کی طرف دیکھنے لگتے ہیں۔ گناہگار موقع پر چھلانگ لگاتا ہے اور ابلتے قبر میں غوطہ لگا کے غائب ہو جاتا ہے۔ سب عفریت اپنے آپ کو قصوروار سمجھ کے پیچ وتاب کھانے لگتے ہیں۔ اور دو عفریت الی کی نو اور درکا لکا برینا جو اس گناہگار کا پیچھا کر کے ناکام ہوئے تھے آپس میں ہوا میں گتھ جاتے ہیں اور دونوں ابلتے ہوئے قبر میں گر پڑتے ہیں۔ بار بریچیان ابلتے ہوئے عفریتوں کو کانٹوں سے باہر نکلواتا ہے ہم دونوں انہیں اس گڑبڑ اور ہنگامہ کی حالت میں چھوڑ کر آگے بڑھتے ہیں۔

قطعہ 23۔ میں خاموش اپنے رہبر کے پیچھے چل رہا ہوں۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے اور میں سوچ رہا ہوں کہ یہ عفریت ہماری وجہ سے اتنے ذلیل ہوئے اور انہیں اتنا نقصان اٹھانا پڑا وہ ہمیں پیچھے سے آ پکڑیں گے اور ہمیں اپنی مدی اور غصہ کا نشانہ بنائیں گے میں پیچھے پیچھے مڑ مڑ کر دیکھنا چاہتا ہوں مجھے محسوس ہوتا ہے خوف سے میرے سر کے بال کھڑے ہو گئے ہیں۔ میں ورجل سے اپنے اندیشہ کا اظہار کرتا ہوں۔ وہ بھی اسی اندیشہ میں مبتلا ہے۔ دفعتاً عفریت ہمارے پیچھے ہم کو پکڑنے کے لئے پر پھیلائے ہوئے آتے دکھائی دیتے ہیں۔ ورجل فوراً مجھے اپنے بازوؤں میں لے کر چھٹی خندق میں اتر جاتا ہے۔ عفریت اوپر کنارے پر آ کر رک جاتے ہیں وہ بے بس ہیں اور اپنی خندق کی سرحد کو پار کر کے دوسری خندق میں نہیں اتر سکتے کیونکہ قدرت خداوندی نے انہیں یہ طاقت نہیں دی ہے۔ چھٹی خندق میں ہم ریاکاروں (Hypocrites) کو دیکھتے ہیں جو خندق کی تنگ نتہ میں نہایت آہستہ آہستہ ایک جلوس کی شکل میں گزر رہے ہیں۔ ان کے لبادے شیشے ہیں۔ اور اتنے وزنی ہیں کہ ان کے جسم پھٹے پڑتے ہیں اور ان کیلئے چلنا قیامت کی اذیت بن گیا ہے۔ لیکن شیشہ کے اوپر سونے کا ملمع ہے جو بظاہر اتنا چمکدار ہے کہ آنکھیں چندھیا جائیں[1]۔ ان لوگوں کے چہرے ڈھکے ہوئے ہیں اور ان کی آنکھوں پر ڈھکی ہوئی۔ ایسی ٹوپیاں ہیں جو راہب پہنتے ہیں اور کراہ رہے ہیں اور تھکن سے چور چور ہیں۔ تسکن زبان سن کر پیچھے سے ہمیں کوئی آواز دیتا ہے۔ اور ہمیں اس جلوس میں صوبہ تسکنی کے دو راہب نظر آتے ہیں جو اپنے بے پناہ بوجھ اور راستہ کی تنگی کی

1۔ ریاکاری جس کی ظاہری شکل سونے کی طرح چمکیلی ہے لیکن اصل میں نہایت وزنی سیسہ کا لبادہ ہے جو روحانی طور سے انسان کو آگے نہیں بڑھنے دیتا۔

وجہ سے بڑی دیر میں ہمارے برابر آتے ہیں۔ ترچھی نظروں سے مجھے بغیر کچھ کہے ہوئے دیکھتے رہتے ہیں اور پھر ایک دوسرے سے کہتے ہیں۔ یہ شخص تو اپنی گردن کی حرکت کی وجہ سے زندہ معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر یہ دونوں مردہ ہیں تو یہ کیسا کرم ہے جس کی وجہ سے وزنی لبادہ سے بچے ہوئے ہیں۔ وہ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ تو کون ہے ابھی میں ان سے باتیں کر ہی رہا ہوں کہ میری نظر ایک شخص پر پڑتی ہے جو تین لکڑیوں کی صلیب پر جکڑا ہوا راستہ میں پڑا ہوا ہے اور ہر شخص کے وزن کو جو اس راستہ سے گذرتا ہے اس کا جسم محسوس کرتا ہے ۔ یہ وہی ریاکار یہودی کائیاں فاس (Caipahas) ہے جس نے فاریسیوں (Pharisees) کو مشورہ دیا تھا کہ لوگوں کے فائدہ کے لئے ایک شخص (عیسٰی) کو اذیت دے کر مارنا مناسب ہے۔ ورجل ایک راہب سے پوچھتا ہے کہ کیا سیدھے ہاتھ پر کوئی راستہ ہے جس سے ہم دونوں یہاں سے نکل کر باہر جا سکیں۔ وہ راہب کہتا ہے کہ تمہاری توقع سے زیادہ قریب ایک چٹان ہے جو اطراف کی دیوار سے نکل کر ہر خندق پر پل بناتی ہے مگر اس خندق میں وہ ٹوٹی ہوئی ہے اور اس خندق کے اوپر پل نہیں بناتی لیکن اس کے شکستہ حصہ پر چڑھ کے تم پار ہو سکتے ہو۔ ورجل یہ سن کر سر جھکا لیتا ہے اور کہتا ہے کہ ایسا ہے تو کانٹوں والے عفریتوں کے سردار نے ہمیں غلط راستہ بتا کر دھوکا دیا۔ ورجل تیزی سے اور کچھ برہمی کے ساتھ آگے بڑھتا ہے۔ اور میں اس کے عزیز نقوش قدم پر پیچھے پیچھے چلتا جاتا ہوں۔

قطعہ 24۔ (وقت شنبۂ مقدس کی صبح) ٹوٹے ہوئے پل پر پہنچ کر ورجل مجھے اپنے بازؤں میں اٹھا کر ایک بڑے پتھر پر چڑھ جاتا ہے اور مجھ سے اوپر چڑھنے کو کہتا ہے۔ چڑھائی بہت سخت اور میری سانس بری طرح پھول پھول جاتی ہے۔ جب میں اس محراب کے کنارے پر پہنچتا ہوں جو ساتویں خندق پر پل بناتی ہے تو ایک غصہ بھری آواز ساتویں خندق سے آتی ہے۔ پہلے مجھے خندق میں کچھ نظر نہیں آتا مگر پل پار کر کے نیچے اترنے پر خندق میں نہایت ہیبت ناک سانپ دکھائی دیئے۔ یہ دیکھنے میں ایسے عجیب معلوم ہوتے تھے کہ ان کو یاد کر کے ہی میرا خون سرد ہوا جاتا ہے...... اتنی کثیر طاعونی شکلیں نہ لیبیا میں ہیں نہ تمام حبش میں، نہ اس سرزمین میں جو بحر قلم کے کنارے پر ہے۔ سانپوں کے اس ظلم اور ہیبت ناک نرغہ میں برہنہ اور خوف زدہ لوگ دوڑ رہے تھے۔ (یہ چور تھے) ان کو نہ کسی گوشۂ عافیت کی امید تھی نہ (علاج کے لئے) سورج مکھی

کی۔سانپوں ہی سے انکے ہاتھ پیر جکڑے ہوئے تھے۔ان سانپوں کے سر اور دُم ان کی رانوں سے بندھی ہوئی تھیں اور سامنے گرہ لگی ہوئی تھی۔اور دیکھنا ایک آدمی کو جو ہمارے سامنے ساحل کے قریب ہے۔اس پر ایک سانپ اچھلتا ہے اور اسے اس جگہ کاٹتا ہے جہاں گردن شانوں سے ملتی ہے کوئی اتنی جلدی ''او''(O) یا ''آئی''(I) کیا لکھے گا جتنی جلدی اس کے تمام جسم میں آگ دوڑ گئی اور جلنے لگا اور راکھ ہو کر گر پڑا۔اور جب وہ خاکستر بن کے زمین پر بکھر گیا تو خود بخود خاکستر جمع ہو گئی اور اس نے پھر اپنی پرانی صورت اختیار کر لی۔ورجل کے پوچھنے پر پتہ چلتا ہے کہ یہ گناہگار تسکنی کر رہنے والا تی فوچی ہے جس نے کلیسا سے مقدس سامان چرایا اور یہ الزام دوسروں کے سر تھوپا۔تی فوچی مجھ سے کہتا ہے'' مجھے اس وجہ سے اور بھی زیادہ تکلیف معلوم ہو رہی ہے کہ تو مجھے یوں اس مصیبت کے عالم میں دیکھ رہا ہے،اتنی تکلیف مجھے مرتے وقت بھی نہ ہوئی تھی۔اور اس خاطر کہ تو اس منظر کو دیکھ کر خوش نہ ہو۔اگر تو ان تاریک مقامات سے بچ نکلنے والا ہے،تو جو میں کہہ رہا ہوں وہ کان کھول کے سن لے''۔وہ مجھے رنج پہنچانے کے لئے یہ پیش گوئی کرتا ہے کہ پہلے سیاہ فرقہ کو شکست ہوگی لیکن پھر سفید فرقہ بری طرح مجروح اور پسپا ہوگا اور اس پر بڑی مصیبت آئے گی۔

قطعہ 25۔فلورنس کے رہنے والے ایک چور آنیلو سے ایک چھ فٹ لمبا سانپ لپٹ جاتا ہے۔سانپ اور چور دونوں ایک دوسرے پر اس طرح جمے رہتے ہیں کہ گویا پگھلے ہوئے موم کے بنے ہوئے ہوں ان دونوں کے رنگ ایک دوسرے سے ملنے لگے۔جس طرح جلتے ہوئے کاغذ پر شعلہ سے آگے آگے ایک بھورا رنگ پھیلتا جاتا ہے،جس میں سفید رنگ ختم ہوتا جاتا ہے مگر جوان دونوں میں سے کسی ایک کی بھی نہ تھی[1] اور یہ شکل مریل رفتار سے گھسٹنے لگی۔پھر فلورنس کے دو اور چوروں بودسو اور فرانچکو کو ایک چھوٹا سا سیاہ نیلگوں سانپ لپک کر چھید دیتا ہے اور ان میں سے ایک جو سانپ جیسا تھا آدمی کی طرح اٹھ کر کھڑا ہوتا ہے اور دوسرا جو آدمی کی طرح کھڑا تھا سانپ بن کے زمین پر رینگنے لگتا ہے۔ایک دم چھوٹ جاتی ہے اور کان پھوٹ آتے ہیں۔اور دوسرے کی ٹانگیں جڑ جاتی ہیں اور اس کے کان سر میں اس طرح گھس جاتے ہیں جیسے کہ گھونگا اپنے سینگ اندر کر لیتا ہے۔

---

1۔اس پیکر سے مراد یہ ہے کہ چور اور رینگنے والا سانپ روحانی اعتبار سے ایک دوسرے سے میل کھاتے ہیں۔

قطعہ 26۔ اپنے وطن فلورنس کے ان پانچ نجیب چوروں کی حالت پر مجھے بڑی ندامت محسوس ہوتی ہے اور میرا دل وطن کی محبت کی وجہ سے بہت کڑھتا ہے اور ورجل آٹھویں خندق کے پل پر پہنچتے ہیں۔ اس خندق میں غلط مشورہ دینے والے عذاب میں مبتلا ہیں۔ اس خندق میں بے شمار شعلے اس طرح چمکتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ جس طرح آفتاب غروب ہونے کے بعد آرام کرتے ہوئے کسان کو پہاڑی سے نیچے جگنو چمکتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ میں پل پر یہ منظر دیکھنے کے لئے جھکا اور اگر میں چٹان کو نہ پکڑ لیتا تو کسی کے ڈھکیلے بغیر پھسل کر نیچے گر پڑتا اور میرے رہبر نے مجھے اس منظر میں اس قدر کھویا ہوا دیکھ کر کہا ان شعلوں میں روحیں دوشاخوں میں چھپی ہوئی ہیں اس میں یولی سیز (Ulyeses) اور ڈایومیڈ (Diomede) کی روح ساتھ ساتھ ہیں۔ وہ اس لکڑی کے گھوڑے کی وجہ سے ابھی افسوس کر رہے ہیں جو ان کے مشورہ پر شہر ٹرائے (Teoy) کو غارت کرنے کیلئے استعمال کیا گیا، اور وہ اب اپنی دوسری چالا کیوں اور برے مشوروں کی وجہ سے بھی افسوس کر رہے ہیں۔ میری خواہش پر ورجل اور دوشافہ دار شعلوں سے بات کرتا ہے اور ایک شعلہ کی زبان سے ہم یولی سیز کی یہ کہانی سنتے ہیں کہ راست میں بھٹک جانے کے بعد وہ کہاں اور کیسے مرا۔ جب وہ (یولی سیز) ساحرہ سرچے (Circe) سے جدا ہوا تو بقول اس کے نہ پدرانہ شفقت، نہ بوڑھے باپ کا احترام، نہ وہ واجب محبت جس سے اس کی بیوی پے نے لوپی (Penelope) کا دل خوش ہوتا اس کے اس جوش کو روک سکی کہ وہ دنیا اور نیکی اور بدی کا تجربہ حاصل کرے۔ وہ ایک جہاز لے کے گہرے، کھلے ہوئے سمندر پر چل پڑا اور ہرقلز کے ستونوں (The Pillars Hercules) سے[1] پرے نکل گیا اور اپنی تقریر سے اپنے ساتھیوں میں بھی آگے بڑھنے کی لگن پیدا کی، یہاں تک کہ وہ لوگ بائیں طرف چلتے ہوئے جنوبی نصف کرہ میں پہنچ گئے اور وہ ستارے ادب اکبریا (Gret Bear) غائب ہو گئے جو شمالی نصف کرہ میں کبھی نہیں ڈوبتے۔ انہیں دور ایک نہایت بلند پہاڑی نظر آئی[2] جسے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے۔

---

1۔ یعنی جبل الطارق کی چٹان اور اس کے مقابل افریقہ کی چٹان جو قدیم زمانہ میں معلوم دنیا کی حد تھی۔

2۔ یہ وہی پہاڑی ہے جس پر جنت ارضی واقع ہے (جو دانتے کو شروع میں یعنی قطعہ 1۔ میں نظر آئی تھی) اور جو یسوع مسیح کے جہنم پر (Harrowing of Will) کے بعد مقام کفارہ کی پہاڑی بن گئی۔

لیکن جلد ہی یہ خوشی رنج میں بدل گئی کیونکہ ایک ایسا طوفان اٹھا کہ ان کا جہاز چکر کھا کے ڈوب گیا، اور پھر یولی سیز نے اپنے آپ کو جہنم کے اس مقام پر پایا۔

قطعہ 27۔ یولی سیز کے رخصت ہونے کے بعد ایک اور شعلہ قریب آتا ہے جس سے عجیب دبی ہوئی آواز نکل رہی تھی جیسے صقلیہ کے اس سانڈ سے نکلتی تھی جو ان لوگوں کی آواز سے گونجا کرتا تھا جو بھن بھن کر اس کے اندر عذاب سے مرتے تھے اور جس میں جو سب سے پہلی گونجی وہ خود اس کے بنانے والے کی تھی۔ چنانچہ پہلے تو اس شعلہ سے الفاظ باہر نہ نکلے اور شعلہ کی ہی آواز بنے رہے، مگر نوک پر پہنچ کر جب ان کا اور نوک کا اہتزاز ایک ہو گیا تو الفاظ سنائی دیئے۔ یہ شعلہ ہماری لومباردی کی زبان سن کر ہمارے پاس آیا تھا۔ وہ اپنے وطن رومانیا (Romagna) کا حال پوچھتا ہے اور اب معلوم ہوتا ہے کہ گوئدو دا مونتے فیلتروں کی روح ہے۔ اس روباہ صفت شخص نے پوپ بونی فیس ہشتم سے گناہوں کی بخشش (Absolution) حاصل کر کے پوپ کو یہ برا مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنا کام نکالنے کیلئے لمبے چوڑے وعدے کر لے مگر انہیں ایفا نہ کرے۔ وہ کہتا ہے کہ میرے مرتے وقت سینٹ فرانسس آئے مگر وہ بھی جن کے حلقہ سے گوئدو متعلق تھا مجھے (گوئدو کو) جہنم کے سیاہ فرشتہ سے نہ بچا سکے۔ (کیونکہ محض رسمی بخشش جس میں دل سے توبہ شامل نہ ہو حقیقی معنوں میں بخشش نہیں ہوتی)۔ وہ شعلہ رنج کے عالم میں پیچ و تاب کھاتا ہوا رخصت ہو جاتا ہے۔ میں اور ورجل نویں خندق کے پل کی طرف بڑھتے ہیں۔

قطعہ 28۔ نویں خندق میں معتزلین (Schismatics) یا مذہب میں تفرقہ ڈالنے والے ہیں۔ ان لوگوں نے دوسروں کو فریب دیکر ہماری طرف متوجہ کرنے کیلئے مذہب کی وحدت کو چیر پھاڑ کر، توڑ مروڑ کر اس کی نئی نئی شاخیں (Schism) بنائیں اسے مجروح کیا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ جہنم کے آٹھویں حلقہ کی نویں خندق میں یہ لوگ اپنے جسموں کو چیر پھاڑ رہے ہیں، توڑ مروڑ رہے ہیں، اسے مجروح کر رہے ہیں اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہے ہیں۔ کوئی ٹھوڑی سے لیکر زیر ناف تک چرا ہوا ہے اور اس کی ٹانگوں کے بیچ میں اس کی انتڑیاں لٹک رہی ہیں، کسی کا چہرہ اور گلا اس طرح چرا ہوا ہے کہ سانس کی نلی دکھ رہی ہے، کسی کے کٹے ہوئے ہاتھوں کے دو ٹھوٹھ اوپر اٹھے ہوئے ہیں اور اس سے خون بہہ بہہ کر اس کے چہرہ کو آلودہ کر رہا ہے، اور کوئی

اپنے کٹے ہوئے سر کو خود ہی بالوں سے پکڑ کے لٹکائے ہوئے ہے لالٹین کی طرح۔

قطعہ 29۔(وقت شنبہ مقدس، دن کے ایک بجے) نویں خندق کے دردناک زخموں کو دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں اور میرا جی چاہتا ہے کہ میں ان مناظر کو دیکھتا رہوں اور روتا رہوں۔ ورجل کے پوچھنے پر میں بتاتا ہوں کہ میری نظریں اپنے ایک عزیز (جیری دل بیلو) کو ڈھونڈ رہی ہیں۔ ورجل کہتا ہے کہ میں نے اسے پل کے تلے دیکھا تھا اور وہ تیری طرف غصہ سے اشارہ کر کے غائب ہو گیا۔ میں نے کہا کہ وہ اس لئے ناراض ہے کہ خاندان میں کسی نے اس کے شرمناک قتل کا بدلہ نہیں لیا۔ ہم دونوں مالے بول جے کی دسویں اور آخری خندق کے اوپر پہنچتے ہیں اور طرح طرح کی فریادیں تیر کی طرح میرے دل کو چھیدتی ہیں۔ اس خندق میں وہ فریبی ہیں جو شعبدہ بازی کیمیا گر اور جعل ساز تھے۔ یہ لوگ طرح طرح کی مہیب بیماریوں میں مبتلا ہیں[1] اور ان کی خندق سے نہایت سڑی بدبو آ رہی ہے۔ دو خارش زدہ گناہگار گریفولی نور اور کپوچیو ایک دوسرے کے سہارے بیٹھے ہیں جیسے دو دیگچیاں ایک دوسرے سے ٹکی ہوں اور نہایت ہولناک طریقے سے اپنے جسم کو ناخنوں سے کھرچ رہے ہیں۔ جیسے چاقو کے ذریعہ یوبم مچھلی یا کسی اور ایسی مچھلی کے بڑے بڑے فلس چھیلے جائیں۔ ورجل کے جنوبی اطالیائیوں (Italian) کے بارے میں پوچھنے پر وہ کہتے ہیں کہ ہم جنوبی اطالیائی ہیں جو اتنی بگڑی ہوئی شکل میں تجھے نظر آ رہے ہیں۔ یہ دونوں شعبدہ باز اور کیمیا گر ہیں جو اشیائے فطرت کی نقل کر کے فریب دیتے تھے۔

قطعہ 30۔(دانتے کچھ غضبناک دیوانوں کے قصے یاد کر کے کہتا ہے کہ) کہیں بھی اتنے غضبناک دیوانے نہ ہوں گے جتنی کہ دو روحیں جو میں نے دسویں خندق میں دیکھیں ایک روح کپوچیو کی گردن کے جوڑ پر اپنے دانت جما کے اسے گھسیٹتی ہے اور اپنے پنجوں سے اس کے پیٹ کو پھاڑنا شروع کر دیتی ہے۔ یہ جیانی شیا کی روح ہے جسے بھیس بدل کر دھوکا دینے میں کمال حاصل تھا۔ دوسری روح مردود میرا (Myrrha) کی روح ہے۔ جس نے بھیس بدل کر اپنے باپ سے شرمناک کام کرایا تھا۔ میں ایک ایسے شخص کو دیکھتا ہوں جس کا جسم وہاں سے کٹا ہوا ہوتا ہے جہاں سے ٹانگیں شروع ہوتی ہیں تو اس کی قطع بالکل ستار کی سی ہوتی۔ سخت استسقا سے اس کی ہیئت

1۔ یہ اس بیمار ذہن کی علامت ہیں جو دوسروں کو طرح طرح سے دھوکا دیتا ہے۔

ایسی بدل گئی تھی، اور اس کے بھیانک شکل میں کھلے ہوئے ہونٹ پانی کے ایک ننھے سے قطرے کے لئے ترس رہے تھے۔ وہ خود کہہ رہا تھا کہ میری نظروں کے سامنے وہ چھوٹی چھوٹی ندیاں پھرتی ہیں جو کاسن تی نو کی ہری بھری پہاڑیوں سے اتر کے دریائے ارنو سے ملتی ہیں اور اپنی گذرگاہوں کو خنک، نم اور شاداب بناتی ہیں۔ مگر اب اس کے نصیب میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہ تھا اور جس پیٹ کیلئے اس نے جعلسازی کی وہ اب نہایت سنگین اور پھولا ہوا تھا۔ یہ شخص یستر وادموا[1] تھا جس نے رومانیا کے تین نوابوں کے کہنے پر جعلی سکہ بنائے تھے۔ وہ کہتا ہے کہ ان میں سے ایک ضرور کسی دیوانی روح کی شکل میں یہاں آ چکا ہوگا، مگر وہ انتقام نہیں لے سکتا کیونکہ اس کے اعضاء بے بس ہیں۔ وہ کہتا ہے "بس میں اتنا ہلکا ہوتا کہ سو سال میں ایک انچ ہل سکتا، تب بھی میں ان کے تعاقب میں روانہ ہو چکا ہوتا"۔ میں اس سے پوچھتا ہوں کہ تیرے دائیں طرف کون سی دو اسفل ہیں جن کے جسموں سے اس طرح دھواں نکل رہا ہے جیسے سردیوں میں تازہ دھلے ہوئے ہاتھ سے دھواں نکلتا ہے۔ ادموبتاتا ہے کہ یہ زلیخا اور سی نون کی روحیں ہیں۔ زلیخا وہی فریب کار عورت جس نے یوسف پر تہمت لگائی اور سی نون (Sianon) وہی فریب کار مرد جس نے اپنے آپ کو اہل ٹرائے کے حوالہ کر کے انہیں لکڑی کے گھوڑے کو شہر کے اندر لانے کی ترغیب دی تھی۔ اپنا تذکرہ سن کے سی نون ادمو کی توند پر ایک گھونسہ جماتا ہے جس سے ڈھول کی سی آواز آتی ہے۔ ادموا اپنے سخت ہاتھ سے اس کے ایک تھپڑ رسید کرتا ہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی برائیاں کھولتے ہیں اور ایک دوسرے پر لعن طعن کرتے ہیں، حالانکہ دونوں فریب کار ہیں، ادمو نے عمل سے فریب دیا ہے اور سی نون نے زبان سے۔ میں بڑے انہماک سے ان دونوں کی باتیں سن رہا ہوں۔ اس پر ورجل مجھے ڈانٹتا ہے اور کہتا ہے کہ اسی درشت کلامی سننے کی خواہش گھٹیا خواہش[2] ہے۔ میں نہایت نادم ہوتا ہوں۔

---

1۔ ادموا اور اس خندق کے دوسرے گناہگار وہ لوگ ہیں جنہوں نے جعل سازی کے ذریعہ چیزوں کی اصلی شکل کو مسخ کیا، چنانچہ ان کی شکلیں بھیانک بیماریوں کی وجہ سے مسخ ہیں کہ جو ان کے بیمار ذہنوں کی علامت ہیں۔

2۔ ایسی باتوں میں مزہ لینا دانتے کی کمزوری تھی جیسا کہ اس نوک جھونک سے ظاہر ہوتا ہے جو ان کے اور فوریس دوناتی کے درمیان چلی تھی اور جس کا حوالہ اوپر دیا جا چکا ہے۔

قطعہ 31۔ ورجل اور میں اس کنوئیں پر پہنچتے ہیں جو آٹھویں حلقہ کے بیچوں بیچ ہے۔ اسی کنوئیں کے اندر جہنم کا نواں اور آخری حلقہ ہے جو دغا کا مقام ہے۔ کنوئیں کے پاس جاتے وقت مجھ کو کچھ نظر نہیں آتا کیونکہ یہاں نہ دن ہے نہ رات (ویسے شنبہء مقدس کی سہ پہر کا وقت ہے)۔ اتنے میں قرنا کے بجنے کی آواز آتی ہے جو بجلی کی کڑک سے زیادہ تیز ہے۔ اس رخ پر نظریں جمانے سے مجھے کئی اونچے اونچے مینار نظر آتے ہیں اور میں ورجل سے پوچھتا ہوں کہ یہ کس شہر کے مینار ہیں۔ ورجل کہتا ہے کہ تیری نظر دھوکا کھا رہی ہے۔ آگے بڑھنے پر مجھے (دانتے کو) معلوم ہوتا ہے کہ یہ مینار نہیں ہیں بلکہ دیو[1] ہیں اور ان کی ناف سے نیچے کا حصہ کنوئیں میں پوشیدہ ہے۔ میری نظر کا اشتباہ دور ہوتا ہے اور میرا خوف بڑھ جاتا ہے۔ یہ وہ قدیم دیو ہیں جنہوں نے جو (Jove) یا خدا کے خلاف بغاوت کی تھی۔ ان میں سے پہلا بابل کا نمرود ہے جس کی بدنیتی کی وجہ سے دنیا میں اب ایک زبان نہیں ہے۔ وہ بوکھلائے ہوئے لہجہ میں بے معنی الفاظ بکتا ہے۔ میں اور ورجل بائیں طرف مڑ کر کنوئیں کے کنارے کنارے چلتے ہیں۔ ایک نمرود سے زیادہ بڑا اور زیادہ خوفناک دیو نظر آتا ہے جو افیالتس (Ephialtes) ہے جس نے جو (Jove) یا خدا کے خلاف زور آزمائی کی تھی۔ ورجل کہتا ہے کہ اس سے بھی زیادہ مہیب بریاریس (Briareus) ہے جو یہاں سے بہت دور ہے اور جسے ہم دیکھ نہیں سکتے۔ یہ سب دیو بندھے ہوئے ہیں سوائے آنتیس (Anataeus)[2] کے کہ جس کی طرف ورجل مجھ کو لے کر چلتا ہے۔ کبھی زلزلہ سے کوئی مینار اس زور سے نہ لرزا ہوگا جس زور سے افیالتس نے اپنے جسم کو جنبش دی۔ اس وقت ہمیشہ سے زیادہ مجھے موت سے ڈر محسوس ہوا۔ مجھے اس قدر خوف تھا کہ وہی موت کا باعث ہوجاتا اگر میں اس دیو کے ہاتھ زنجیر سے بندھے ہوئے نہ دیکھ لیتا۔ آنتیس کے پاس پہنچنے پر (جو کھلا ہوا ہے) ورجل اس سے انہیں کنوئیں میں اتارنے کی درخواست کرتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ یہ میرا ساتھی (دانتے) جو زندہ ہے دنیا میں واپس جا کر تجھے شہرت دے سکتا ہے کہ جس کی یہاں سب (اہل جہنم) آرزو

1۔ دیو ایک طرف تو غرور کا نشان ہیں اور دوسری طرف اس اندھی طاقت کا جو عشق اور عقل کی بھلائی کی غیر موجودگی میں محض دغابازی کیلئے استعمال کی جائے۔

2۔ بولونیا کا مینار خمیدہ۔ اگر کوئی اس کے نیچے کھڑا ہو کر اوپر اس وقت نگاہ کرے جب کہ بادل گذر رہا ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ مینار اوپر گر پڑے گا۔ وہ دغاباز جس نے عیسیٰؑ کو اس کے دشمنوں کے حوالہ کر دیا تھا۔

کرتے ہیں۔آنتیس نے ورجل کی طرف ہاتھ بڑھائے اور جب اس نے ورجل کو پکڑ لیا تو ورجل نے مجھے بلایا اور مجھے اپنے بازوؤں میں پکڑ لیا اس طرح کہ ہم دونوں ایک گٹھڑی میں بندھ گئے۔ جب آنتیس ہمیں اتارنے کیلئے جھکا تو مجھے ایسا لگا جیسا اس شخص کو جو کاری سندا کے خمیدہ مینار کو اس کے جھکے ہوئے حصہ کے نیچے سے اس وقت دیکھے جب اوپر بادل گذر رہا ہو، اور وہ لمحہ ایسا ہیبت ناک تھا کہ میں نے تمنا کی کہ کاش ہم نے کسی اور راستہ سے سفر کیا ہوتا۔لیکن آنتیس نے آہستہ سے ہمیں اس گڑھے کی تہ میں جولوسی فر (Lucijer) یا شیطان)[1] کو معہ جوڈس کے نگلے ہوئے ہے اتار دیا۔اور پھر یوں سیدھا ہو گیا جیسے جہاز کا مستول۔

قطعہ 32۔جہنم کا نواں حلقہ ایک منجمد دلدل ہے جسے کوکیٹس (Cocytus) کہتے ہیں۔اور جہاں جہنم کی ندیاں گر کر یخ بستہ ہو جاتی ہیں، اور اس چوتھی ندی کو کیٹس کو جنم دیتی ہیں۔ اس منجمد کنوئیں کی تہ میں اترنے کے بعد میں برابر اونچی دیوار کو گھور گھور کے دیکھ رہا تھا کہ کسی نے نیچے سے کہا'' ذرا دیکھ بھال کے چل۔دیکھ تیرے قدم تیرے خستہ حال بدنصیب بھائیوں کے سر نہ کچلیں''۔میں نے نیچے دیکھا تو مجھے اپنے قدموں کے نیچے اور سامنے برف کی جھیل نظر آتی جو پانی سے زیادہ شیشہ سے مشابہ تھی۔جیسے اس زمانہ میں جب دیہاتن یہ خواب دیکھتی ہے کہ خوشہ چن رہی ہے، مینڈک ٹرٹرانے کیلئے پانی کے باہر تھوتھنی نکال کے بیٹھتا ہے، اسی طرح برف سے نکلی ہوئی اور شرمگاہ تک برف میں دھنی ہوئی نیلی نیلی غم گین روحیں یہاں پڑی تھیں اور ان کے دانت اس طرح بجر رہے تھے جیسے لق لق کی آواز۔اپنے قدموں کے پاس میں نے دو گناہگاروں کو ایک دوسرے سے گھتے ہوئے دیکھا اور ان سے پوچھا کہ تم کون ہو۔وہ گردن جھکا لیتے ہیں اور پھر اوپر دیکھتے ہیں تو ان کی آنکھوں میں آنسو امنڈ آتے ہیں۔لیکن پپوٹوں ہی میں سردی کی وجہ سے ان کی آنسو برف بن کر جم گئی۔جس سے ان کی آنکھیں دوبرہ مہر بند ہو گئیں۔ایک اور شخص جس کے دونوں کان سردی کی وجہ سے گل گئے تھے، مجھے ان کے بارے میں بتاتا ہے۔کوکیٹس کا یہ پہلا حصہ کائنا (Caina)

---

1۔ کوکیٹس فریب کی بدترین شکل دغا کا پیکر ہے جو سنگین ترین گناہ ہے اور جس کی اصلیت ظالمانہ خونسردی اور سرد مہری یا یوں کہیئے کہ یخ بستہ انانیت ہے۔کوکیٹس کی یخ بستگی اس خونسردانانیت کی علامت ہے جس میں انسانی ذات اپنے مقصد کے حصول کیلئے سکڑ کر ایک نکتہ پر آجائے اور تمام انسانی جذبات یہاں تک کہ نفرت تک ٹھنڈی ہو جائے۔یہ سخت دلی کی انتہائی شکل ہے۔

یادارالقابیل ہے جہاں اپنے عزیزوں کو دغا سے قتل کرنے والے ہیں۔اس دوسرے حصہ میں چلتے چلتے میرے پیروں سے ایک چہرہ کو ٹھوکر لگتی ہے۔وہ مجھے بڑی تلخی سے ملامت کرتا ہے۔میں اس سے پوچھتا ہوں کہ تو کون ہے۔وہ کہتا ہے کہ ''نہیں تو بتا کہ تو کون ہے جو اس انتے نورا میں دوسروں کے چہروں پر ضرب لگاتا ہے۔اگر تو زندہ ہوتا تو یہ بڑی زیادتی سمجھی جاتی''۔میں کہتا ہوں کہ میں زندہ ہوں اور اگر تو اپنا نام بتائے تو میں دنیا میں تجھے شہرت دے سکتا ہوں جس کی تجھے تمنا ہوگی۔وہ کہتا ہے ''میری تمنا اس کے برخلاف ہے۔چل جا یہاں سے اور مجھے اور زیادہ نہ ستا! کیونکہ تو نہیں جانتا کہ اس برفانی ڈھلوان پر خوشامد کیسے کی جاتی ہے''۔میں اس کی گدی کے بال پکڑ لیتا ہوں اور کہتا ہوں کہ بتا نام۔وہ نہیں بتاتا۔میں اس کے بال نوچتا ہوں[1] اور وہ بھونکتا ہے۔پاس میں ایک اور شخص چلا کے کہتا ہے۔''بوکا، تجھے کیا تکلیف ہے۔کیا صرف یہی کافی نہیں ہے کہ تیرے دانت بجتے ہیں؟ اب تو بھونکنا چاہتا ہے......''(تو یہ وہی بوکا تھا جس نے شارلز دآنژاد سے رشوت لے کر اپنے آقا مینفریڈ سے اور اپنے وطن سے غداری کی تھی)اس کا نام معلوم ہوتے ہی میں اسے یہ کہہ کر چھوڑ دیتا ہوں کہ اب میں تجھے ذلیل کرنے کو یہ خبر دنیا تک پہنچاؤں گا۔بوکا کہتا ہے کہ اس دوسرے (شخص) کی خبر بھی دنیا اور ان دوسروں کی بھی جو اس خطہ میں میرے ساتھ ہیں۔اور وہ دوسرے آدمیوں کے نام بتاتا ہے۔آگے بڑھنے پر میں ایک سوراخ میں دو آدمیوں کو منجمد پاتا ہوں اور اس طرح کہ ایک کا سر دوسرے کی ٹوپی کا کام دے رہا ہے۔اور جس طرح بھوک میں روٹی چبائی جاتی ہے اسی طرح اوپر والا شخص دوسرے شخص کی گدی میں دماغ کے نیچے دانت جمائے ہوئے اس کی کھوپڑی چبا رہا ہے۔میں اس سے پوچھتا ہوں کہ تو کون ہے اور ایسا کیوں کر رہا ہے۔

قطعہ 33۔معلوم ہوتا ہے چبانے والا شخص کاونٹ اگولی نو[2] (Ugolino) ہے۔وہ کہتا ہے کہ اگر میرے الفاظ بیجوں کا کام دے سکتے ہوں کہ جن سے اس غدار کی بدنامی کے پھل پیدا

---

1۔ دانتے کا عکس العمل ملاحظہ ہو۔ 2۔اگولی نو اور راگر مشترکہ گناہ کی آخری علامت ہیں۔اگولی نو آرچ بشپ راگر پر سارا الزام رکھ کر اپنے آپ کو حق بجانب ظاہر کرتا ہے۔ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اگولی نو خود اپنے پوتے نی نو کے خلاف سازش کر کے آرچ بشپ راگر سے مل گیا تھا۔راگر نے نی نو سے چھٹکارا پانے کے بعد اگولی نو اور اس کے بیٹوں اور پوتوں کو ایک برج میں قید کر دیا اور پھر ان سب کو فاقوں سے مار ڈالا۔اگولی نو نے اپنے پوتے سے غداری کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے وطن سے بھی غداری کی۔

ہوں جسے میں چبا رہا ہوں تو تو دیکھے گا کہ میں بیان بھی کرونگا اور روتا بھی جاؤنگا۔ اگولی نو اپنی المناک سرگذشت سناتا ہے کہ کس طرح اس غدار (راگر) نے جس پر اسے اعتماد تھا دغا دے کر اسے ایک کوٹھری میں قید کر دیا اور اس کے ساتھ اس کے بچوں کو بھی، اور پھر کچھ دن بعد غذا بند کر دی۔ وہ کہتا ہے کہ غصہ اور رنج سے میں نے اپنے ہاتھ چبا ڈالے۔ میرے بچے یہ سمجھ کر کہ بھوک کی شدت سے اپنے ہاتھ چبا رہا ہوں کہنے لگے کہ اے باپ تو ہمیں کھالے۔ ہمارا گوشت تیرا ہی دیا ہوا ہے۔ پانچویں اور چھٹے دن میرے تینوں بچے میرے سامنے ایک ایک کر کے مر گئے میں اندھا سا ہو گیا اور دو دن تک ایک ایک بچے کی لاش ٹٹولتا رہا''۔ آخر کار فاقہ کشی رنج پر غالب آ گئی (یعنی اگولی نو خود بھی مر گیا) جب اگولی نو اپنی داستان کہہ چکا تو اس کی آنکھوں کی شکل بگڑ سی گئی اور پھر اس نے اپنے دانتوں سے اس بدنصیب کھوپڑی کو اس مضبوطی سے پکڑا جیسے کتا ہڈی چباتا ہے۔ اگولی نو کو چھوڑ کر میں اور ورجل نویں حلقہ کے تیسرے حلقہ میں پہنچتے ہیں جو پلوٹومیا (Plotomia) کہلاتا ہے اور جہاں دوستوں اور مہمانوں سے غداری کرنے والے ہیں۔ یہ لوگ اس منجمد دنیا میں آگے جھکے ہونے کی بجائے چت پیٹھ کے بل پڑے ہوئے ہیں۔ اس حالت میں رونے ہی کی وجہ سے وہ رو نہیں سکتے۔ وہ رنج جو ان کی آنکھوں تک پہنچ کے باہر آنے سے رک جاتا ہے اندر پلٹ کر ان کی اذیت بڑھا دیتا ہے، کیونکہ ان کے آنسو فوراً جم جاتے ہیں اور ان سے وہ خلا جو ابروؤں کے نیچے سے شیشہ کی نقاب کی طرح بھر جاتا ہے...... مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ نہایت سرد ہوا اسی لگ رہی ہے۔ میں ورجل سے پوچھتا ہوں ''اس ہوا کو کون حرکت دیتا ہے؟ کیا نیچے تمام حرارت بجھ نہیں جاتی؟'' اور ورجل کہتا ہے کہ جلد ہی تو وہاں پہنچ جائے گا جہاں اس سرد جھکڑ کے چلنے کی وجہ تو خود دیکھ لیگا۔ ایک گناہگار پکار کے کہتا ہے کہ ان سخت برفانی نقابوں کو ذرا میرے چہرے سے ہٹاؤ تاکہ میں ذرا دل کی بھڑاس نکال لوں قبل اس کے کہ میرے آنسو پھر سے یخ بستہ ہو جائیں۔ میں اس شرط پر ایسا کرنے کا وعدہ کرتا ہوں کہ وہ اپنا نام بتائے۔ وہ کہتا ہے میں راہب البری گو ہوں (جس نے اپنے بھائی کو دعوت پر بلا کے قتل کیا) مجھے تعجب ہوتا ہے اور میں کہتا ہوں۔'' اچھا تو کیا

مر چکا ہے؟'' وہ کہتا ہے کہ مرنے سے میری روح یہاں پہنچ گئی ہے[1] تولومیا کے خطہ کی یہ خصوصیت ہے کہ دوستوں اور مہمانوں سے غداری کرنے والوں کی روح مرنے سے پہلے ہی یہاں آ جاتی ہے اور ایک ہمزاد شیطان اس کے جسم میں سما کر اسے بظاہر دنیا میں زندہ رکھتا ہے اور موت کے مقررہ وقت تک اس کے جسم پر حکومت کرتا ہے۔ چنانچہ اسی طرح یہاں پران کا دوریا (جس نے اپنے خسر کو دعوت پر بلا کے قتل کیا تھا) کئی سال سے مقید ہے، حالانکہ ابھی وہ دنیا میں بظاہر مرا نہیں، آخر میں ابری گو مجھ سے کہتا ہے کہ برف ہٹا کے میری آنکھیں کھول۔ لیکن میں اس کی آنکھیں نہیں کھولتا اور اس سے سردمہری برتنا ہی عین اخلاق سمجھتا ہوں[2]۔

قطعہ 34۔کوکیٹس کا آخری حصہ حلقہ یہودیا جوڈے کا (Judecca) جوڈلیس اسکاریٹ (Judad Iscariot) کے نام پر موسوم ہے (جس نے دغابازی کرکے حضرت عیسیٰ کو دشمنوں کے ہاتھوں پکڑوا دیا)۔ اس مقام پر وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے مالکوں اور محسنوں سے غداری کی۔ غداروں کا سرتاج اور اقلیم عذاب کا شہنشاہ ابلیس (Luceps) یا شیطان، اس مقام کے بیچوں بیچ زمین کے مرکز کے آر پار برف میں دھنسا ہوا ہے، اس طرح کہ وہ کمر سے اوپر نظر آ رہا ہے اور دور سے کسی ہوائی چکی کی بلند عمارت کی طرح معلوم ہوتا ہے۔ وہ مسلسل اس کوشش میں اپنے بڑے بڑے پروں کو پھڑ پھڑا رہا ہے کہ اس قید کی حالت سے آزاد ہو کر اڑ جائے۔ مگر ان پروں سے ایسی سرد ہوا نکلتی ہے کہ کاکیٹس کی جھیل منجمد ہو گئی ہے اور برف میں ابلیس اور بھی منجمد اور گرفتار ہے[3]۔ سرد ہوا سے بچنے کے لئے میں ورجل کی آڑ لیتا ہوں۔ یہاں برف کے اندر جو گناہگار روحیں منجمد ہیں وہ ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے خس و خاشاک شیشہ کے اندر قید ہو جائے۔ کچھ لوگ

---

1۔ دغابرفانی سخت دلی وہ کیفیت ہے جسے اسلام نے کفر جحود کہا ہے۔ اس کیفیت میں توبہ کی صلاحیت مر جاتی ہے اور زندگی میں ہی آدمی دوزخ میں پہنچ جاتا ہے۔ جیسا کہ ابری گو کہتا ہے کہ آدمی کی روح دوزخ میں پہنچ چکی ہوتی ہے اور اس کے روپ میں ایک شیطان دنیا میں رہتا ہے۔ 2۔ یہاں دانتے کا رویہ البری گو کی سردمہری کا عکس العمل ہے، اسی طرح جس طرح بوکا کے ساتھ دانتے کا رویہ۔ ایسا جذباتی عکس العمل طربیہ خداوندی میں ہر مقام پر پایا جاتا ہے، اور اس طرح "جذباتی تعلیم" کی جدلیات سے نظم کا وہ مقصد پورا ہوتا ہے جسے "تجدید ذات" یا "تجدید شعور" کہا گیا ہے۔

3۔ بدی کی اس بدترین شکل سے ظاہر ہے کہ یہ اپنی ہی تباہی کا باعث ہوتی ہے۔

لیٹے ہوئے تھے، کچھ کھڑے ہوئے تھے، کوئی سر کے بل تو کوئی ایڑیوں کے بل اور کسی کا چہرہ پاؤں کی طرف یوں جھکا ہوا تھا کہ کمان کی شکل بن گئی تھی۔ ورجل مجھے ابلیس کو دکھاتا ہے، ابلیس جو ایک زمانہ میں اتنا ہی حسین تھا جتنا کہ بدشکل وہ اب ہے۔ اے ناظر، مجھ سے نہ پوچھ کہ میں کیونکر برف کی طرح ٹھنڈا پڑ گیا اور میری گھگھی بندھ گئی جس چیز کو الفاظ بیان نہیں کر سکتے ہیں اس کو بیان کرنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ میں زندہ نہیں تھا لیکن میں مرا بھی نہیں تھا۔ اگر تو یہ تصور کر سکے کہ زندگی اور موت دونوں ہی سے محروم ہونے پر کسی کی کیا حالت ہو سکتی ہے تو تصور کی مدد سے میری حالت کو سمجھنے کی کوشش کر۔ تیرہ و تار مملکت کا شہنشاہ (ابلیس) سینہ تک برف میں دھنسا کھڑا تھا، باقی حصہ اوپر تھا۔ دیو اس کے بازوؤں کے مقابلہ میں اتنے چھوٹے تھے جتنا کہ میں دیووں کے مقابلہ میں اب سوچ اسی تناسب سے اسکا جسم کتنا بڑا ہوگا...... اف مجھے وہ منظر کتنا ہیبت ناک معلوم ہوا جب میں نے اس کے سر میں تین چہرہ دیکھے۔ ان میں سے سامنے کا چہرہ آگ کی طرح سرخ تھا، دو چہرہ اور تھے اور اس سے جڑے ہوئے تھے، دائیں چہرہ کا رنگ کچھ سفید کچھ زردی مائل تھا اور بائیں چہرہ کا رنگ سیاہ[1]۔ ہر چہرہ کے نیچے دو بڑے بڑے پر تھے۔ جتنا بڑا پرندہ تھا اسی تناسب سے پر بھی بڑے تھے۔ میں نے اتنے چوڑے بادبان پہلے کبھی نہیں دیکھے۔ یہ پر چڑیوں کے سے نہیں تھے بلکہ شکل میں چمگادڑوں کے سے تھے۔ ابلیس ان پروں کو پھڑ پھڑا رہا تھا، اور (تین جوڑ پروں سے) تین ہواوں کے جھکڑ نکل رہے تھے جن کی وجہ سے تمام کوکیٹس منجمد تھی۔ چھ آنکھوں سے وہ رو رہا تھا اور تین ٹھڈیوں پر آنسو اور خونی پھین بہہ بہہ کر جم رہے تھے۔ اس کے ہر منہ میں ایک ایک گناہگار تھا جسے وہ چبا رہا تھا۔ اس طرح تین گناہگاروں کو اس نے عذاب میں مبتلا کر رکھا تھا۔ ان میں جو سامنے کے منہ میں تھا اسے شدید ترین عذاب محسوس ہو رہا تھا، اتنا چبائے جانے سے نہیں جتنا نوچے اور چیرے پھاڑے جانے سے، کیونکہ اکثر اس کی پیٹھ پر چمڑی باقی نہیں رہتی۔ اس کی ٹانگیں ابلیس کے منہ کے باہر لٹکی ہوئی پھڑ پھڑا رہی تھیں۔ یہ جوڈس اسکاریٹ ہے (جس نے یسوع مسیح

---

[1] ابلیس کے تین چہرے انسان کی تینوں رنگوں کی نسلوں پر اسے اختیار دیتے ہیں۔ (مگر نظم میں تین کی علامتی اہمیت کو قائم رکھتے ہوئے) یہ تین چہرہ مثلث خداوندی کا شیطانی جواب بھی ہیں، اور عقل اور قدرت کے بالمقابل نفرت، جہالت اور ناطاقتی کی علامت ہیں۔

کے ساتھ غداری کی) جو سیاہ چہرہ سے لٹک رہا ہے۔ وہ بروٹس (Beutus) ہے اور جو زردی مائل سفید چہرہ سے لٹک رہا ہے وہ کاسیس (Cassius) ہے (ان دونوں نے اپنے مالک اور محسن جولیس سیزر سے غداری کی)۔ اب رات ہو رہی ہے (یعنی مرکز زمین کے اس طرف شمالی نصف کرہ میں کوئی چھ بجے شام کا وقت ہے) اور ورجل مجھ سے چلنے کو کہتا ہے۔ ورجل کی ہدایت کے مطابق میں ابلیس کے جسم کے بالوں سے لٹکتا ہوا اس کے جسم اور برف کی تہوں کے درمیان نیچے اترتا ہوں[1]۔ آگے آگے ورجل اور پیچھے پیچھے میں جب ورجل وہاں پہنچتا ہے جہاں ابلیس کے کولھے شروع ہوتے ہیں تو وہ بری محنت اور بڑی مشکل سے اپنا سر اس طرف لٹاتا ہے جدھر پہلے اس کے پیر تھے، اور ابلیس کے بالوں کو یوں پکڑ لیتا ہے گویا وہ ان کو پکڑ کر الٹا چڑھنے والا ہے[2]۔ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے کہ ہم پھر جہنم میں واپس ہونگے۔ لیکن میں بھی ایسا ہی کرتا ہوں جیسا کہ ورجل نے کیا۔ ورجل کہتا ہے کہ ایسے ہی زینہ سے ہم اس مایوسی مطلق کے عالم سے باہر آ سکتے ہیں۔ پھر ورجل ایک چٹان کے شگاف سے باہر نکلتا ہے اور مجھے اس کے سرے پر بٹھا دیتا ہے۔ میں پلٹ کر ابلیس کو دیکھتا ہوں تو مجھے اس کے پیر دکھائی دیتے ہیں اور وہ الٹا نظر آتا ہے۔ ورجل مجھ سے کہتا ہے "اپنے پیروں پر اٹھ کھڑا ہو، کیونکہ راستہ طویل اور دشوار ہے اور اب دن کافی چڑھ آیا ہے" (یعنی جنوبی نصف کرہ میں جس میں دونوں شاعر مرکز زمین سے گزر کر آ گئے ہیں شنبہ مقدس کی صبح ہے اور کوئی ساڑھے سات بجے کا وقت) لیکن میں حیران ہوں اور میں پوچھتا ہوں کہ برف کیا ہوگئی؟ اور یہ ابلیس الٹا کیسے لٹک رہا ہے؟ اور اتنی ذرا سی دیر میں رات سے دن کیسے ہوگیا؟ ورجل کہتا ہے کہ "میں جب ابلیس کے کولھے کے پاس پہنچ کر الٹا ہوا تھا تب میں زمین کے مرکز سے گزر کر مخالف نصف کرہ میں داخل ہوگیا تھا جب کہ تو مرکز کے دوسری طرف شمالی نصف کرہ میں تھا اور اب ہم اس مخالف نصف کرہ یعنی نصف کرہ جنوبی میں ہیں جہاں جنت ارضی میں انسان بے گناہ پیدا ہوا تھا۔ اور جب نصف کرہ شمالی میں شام ہوتی ہے تو اس نصف کرہ جنوبی میں صبح ہوتی ہے۔ ابلیس اس رخ سے آسمان سے سر کے بل گرا تھا، اور پہلے یہاں جو زمین تھی اس نے اس وقت دہشت کے

1۔ یعنی اس خلاء سے ہوتا ہوا جہاں گھنے بالوں کی باعث برف کی تہیں ابلیس کے جسم سے بالکل چپکی ہوئی نہیں ہیں۔
2۔ اس مقام پر ورجل زمین کے مرکز سے گذر جاتا ہے، اور بعد میں دانتے بھی۔ علامتی اعتبار سے بھی اس مقام سے گذرنے کے بعد سقوط صعود میں بدل جاتا ہے اور خواہشات کا وہ پیکر جو انائے محض پر مرکوز تھا الٹا ہو جاتا ہے۔

مارے اپنے آپ کو سمندر میں چھپالیا اور ہمارے شمالی نصف کرہ میں نمودار ہوئی۔ اور اسی دہشت کے مارے اور ابلیس سے بچنے کیلئے شاید وہ حصہ جس نے یہاں اپنی جگہ خلا چھوڑا ہے اوپر کی طرف بلند ہو گیا۔ (اور مقام کفارہ کی پہاڑی بن گیا)'' ادھر چٹان کو کاٹتا ہوا ایک چشمہ نیچے گرتا ہے۔ ہم دونوں اس چشمہ کے کنارے کنارے اور اس کے بنائے ہوئے شگاف کے پوشیدہ راستہ سے روشن دنیا میں دوبارہ نکلنے کیلئے چڑھتے چلے جاتے ہیں[1] (اور اس چڑھائی میں چوبیس گھنٹہ گذر جاتے ہیں، یعنی جنوبی نصف کرہ میں شنبہء مقدس کی صبح سے لے کر ایسٹر سنڈے کی صبح تک جب دانتے اور ورجل زمین سے باہر نکلتے ہیں چوبیس گھنٹہ تک وہ اس شگاف کے راستہ اوپر چڑھتے ہیں)۔'' ہم چڑھتے چلے گئے، وہ (ورجل) آگے آگے اور میں پیچھے پیچھے، اتنی دور تک کہ ایک گول سے سوراخ سے میں نے ان حسین چیزوں کو پہچانا جو آسمان پر روشن ہیں، اور وہاں سے باہر نکلے تو ہم نے دوبارہ دیکھا ستاروں کو[2]۔''

☆☆☆

---

1۔ یہ چشمہ لیتھے (Lethe) ہے جو فراموشی کی علامت ہے اور ہمیں جنت ارضی میں بھی ملے گا۔ مسافر ہیرو اس چشمہ کے بہاؤ کی مخالف سمت میں چڑھتا ہے یعنی یادآوری (Recolection) کی طرف، اور پھر تزکیہء نفس کے ذریعہ بے گناہی کے اس مقام کی طرف جہاں سے انسانی شعور کی (تاریخ کی) ابتدا ہوئی تھی (جنت ارضی ہیں)۔

2۔ ستارے جو جہنم میں رفتہ رفتہ غائب ہو گئے تھے فطرت کے حسین اور معنی آفریں نظام کی یاد دلاتے ہیں جس کا محرک عشق ہے۔

# مقام کفارہ

قطعہ 1۔(دانتے کہتا ہے) میرے نابغہ کی کشتی اب دریائے ناامیدی کو چھوڑ کر ایک بہتر دریا کی طرف بڑھ رہی ہے کیونکہ اب میری داستان اس دوسرے عالم کا نغمہ ہے جہاں انسانی روح دنیا کی کثافت سے پاک ہو کر عالم برکت کی طرف پرواز کرنے کیلئے اپنے آپ کو آمادہ کرتی ہے۔ایسٹر سنڈے کی صبح کے پانچ بجے ہیں (جو شمالی نصف کرہ میں شام کے پانچ بجے کے مترادف ہے)۔مشرقی آسمان کا پاکیزہ نیلی رنگ فضاء میں حلول کر رہا تھا کہ جس نے نگاہ میں کیف ونشاط کی ایک نئی ترکیب جگا دی تھی، (جہنم کی اس مردہ فضاء سے نجات پانے کے بعد، اور عشق کی دعوت دینے والا ستارہ (یعنی زہرہ) مشرقی آسمان کو تبسم پر مائل کر رہا ہے۔دائیں طرف مجھے چار ستارے[1] نظر آتے ہیں جو پہلے انسانوں نے کبھی نہیں دیکھے بجز ان کے اجداد اولین (آدم اور حوا) کے۔اس سے مخالف سمت میں نظر ڈالنے پر ایک پیر مرد نظر آتا ہے جس کا چہرہ ان چار ستاروں کے نور سے آفتاب کی طرح روشن ہے۔یہ کےٹو[2](Cato) ہے جو کوہ کفارہ کے دامن کا محافظ ہے وہ مجھے ٹوکتا ہے اور سختی سے پوچھتا ہے کہ تو کون ہے جو زنداں ابدی کی تاریک گہرائیوں سے نکل کر یہاں آ گیا ہے اور کیسے۔ورجل اس کے سوالات کا جواب دیتا ہے اور اس سے درخواست کرتا ہے کہ وہ

---

1 چار فطری نیکیوں یعنی عدل، حکمت، عفت اور شجاعت کی علامت ہیں۔

2 کےٹو فطری یا اخلاقی نیکیوں کی علامت ہے، اور اسی لئے کوہ کفارہ کے دامن کا محافظ ہے جس پر چڑھنے کا مطلب ہے فطرت انسانی کو پاک کرنا۔کےٹو ایک یونانی اور غیر عیسائی ہے، اور اس کی شخصیت میں عشق کی جگہ اخلاقی فرض کا احساس نمایاں ہے۔

ہمیں اس پہاڑ پر چڑھنے اور اس کے سات طبقوں سے گذر جانے کی اجازت دے تاکہ مجھے (دانتے کو) روحانی آزادی نصیب ہو سکے۔ ورجل کہتا ہے کہ اگر تو ہمیں یہ اجازت دے دیتا ہے تو میں لمبو (Limbo) میں تیری محبوب بیوی مارسیا کے آگے تیری ستائش کرونگا۔ کے ٹو کہتا ہے کہ خوشامد کی ضرورت نہیں۔ اجازت کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ ایک خاتون آسمانی (بیاترچے نے تمہارے اس سفر کی تائید کی ہے۔ وہ ہدایت کرتا ہے کہ مجھے (دانتے کو) سینٹھے (Rush) کے حلقہ سے کمر بستہ کیا جائے، جو اس جزیرے کے کنارے پر اگے ہوئے ہیں، اور میرے داغدار چہرے کو دھو کر پاک کیا جائے۔ تب ہم اس پہاڑ پر چڑھ سکتے ہیں، اس راستہ سے جو طلوع ہونے والا سورج ہمیں خود بتا دے گا۔ ورجل میرے چہرہ کو جس پر آنسوؤں کے داغ تھے شبنم سے دھو کر صاف کرتا ہے، اور اس طرح میرے چہرہ کا اصلی رنگ جسے جہنم کی تاریکیوں کے اثرات نے چھپا دیا تھا نکل آتا ہے۔ پھر ورجل مجھے کنارے پر لے جاتا ہے اور سینٹھا توڑ کر میری کمر کے گرد باندھ دیتا ہے اور فوراً ہی اس ٹوٹے ہوئے سینٹھے کی جگہ نیا سینٹھا اگ آتا ہے۔

قطعہ 2۔ آفتاب طلوع ہو چکا ہے۔ ہم دونوں ابھی سمندر کے کنارے پر ہی ہیں۔ دفعتاً ایک ستارہ نما روشنی نہایت سرعت سے سمندر پر ہماری طرف آتی ہوئی دکھائی دیتی ہے، اور بتدریج زیادہ بڑی اور زیادہ تیز ہوتی جاتی ہے۔ قریب آنے پر اس کے دونوں طرف کچھ سفید سفید نظر آتا ہے۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ یہ پر ہیں اور یہ نورانی شے ایک فرشتہ ہے جو ایک کشتی کو اڑائے چلا آ رہا ہے۔ ورجل مجھ سے تعظیم کرنے کو کہتا ہے اور خود بھی تعظیم کرتا ہے۔ فرشتہ کی درخشانی و براقی سے میری آنکھیں چندھیا رہی ہیں۔ کشتی میں جو لوگ (روحیں) سوار ہیں وہ سب مل کر مصر سے بنی اسرائیل کے خروج کا گیت گاتے ہیں اور ساحل پر اترتے ہیں[1]۔ یہ لوگ ہم دونوں سے پہاڑ پر چڑھنے کا راستہ پوچھتے ہیں، اور انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ہم دونوں بھی یہاں نو وارد ہیں اور راستہ کا علم نہیں رکھتے۔ میرے تنفس سے جب انہیں اندازہ ہوتا ہے کہ میں زندہ ہوں تو مارے حیرت کے ان کا رنگ اڑ جاتا ہے۔ ان میں سے ایک شخص لپک کر مجھ سے بغل گیر ہونا چاہتا ہے۔ میں نے تین مرتبہ اس کے پیچھے اپنے ہاتھوں کو ملتے ہوئے محسوس کیا اور تینوں ہی بار میرے ہاتھ واپس میرے

1 جو چیز مقام کفارہ کو جہنم سے ممتاز کرتی ہے وہ یہاں کی اخوت اور میل جول ہے۔

سینہ سے آ لگے [1]۔ بغلگیر ہونے والا صورت حال سمجھ کر مسکراتا ہے اور پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ یہ میرا بچھڑا ہوا یعنی دوست کاسیلا (Casella) ہے جو اب سے کئی دن پہلے مر گیا تھا میں اس سے پوچھتا ہوں کہ تو یہاں اب، اتنی دیر سے کیوں آیا۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے دریائے ٹائبر (Tibes) کے کنارے تین مہینہ انتظار کرنے کے بعد کشتی میں سوار ہونا نصیب ہوا جو ہمیشہ کشتی والے فرشتہ کی منصفانہ مرضی پر منحصر ہوتا ہے۔ ٹائبر کے کنارے ان لوگوں (روحوں) کا ہجوم رہتا ہے جو نیچے دریائے اکیرون کو نہیں جاتے۔ میں کاسیلا سے گیت گانے کی فرمائش کرتا ہوں۔ وہ میرا ہی لکھا ہوا ایک گیت جو عشق کے بارے میں ہے سناتا ہے۔ سب لوگ اس گیت میں محو ہو جاتے ہیں۔ مگر پیر مرد کے ٹوآ کر سب کو ڈانٹتا ہے "یہ کیسی غفلت ہے؟ دوڑو اور پہاڑ پر چڑھو اور اس کثافت کو پاک کرو جو تمہیں دیدار خداوندی سے محروم کئے ہوئے ہے" سب پہاڑ پر چڑھنے کیلئے اس طرح ایک دم بھاگ کھڑے ہوتے ہیں جس طرح دانہ چگتے ہوئے جنگلی کبوتر خطرہ کی آگاہی پر ایک دم اڑ جاتے ہیں۔

قطعہ 3۔ ورجل اپنی غفلت پر پشیمان نظر آتا ہے۔ میں اور ورجل پہاڑ کے نچلے خطہ پر چڑھ رہے ہیں جو مقام پیش کفارہ (Ante Purgatory) ہے۔ سورج ہمارے پیچھے ہے اب مجھے معلوم ہوتا ہے کہ فقط میرا ہی سایہ تاریکی بن کر زمین پر پڑتا ہے۔ میں گھبرا کر اور خوفزدہ ہو کر پلٹ کر دیکھتا ہوں۔ ورجل مجھے اطمینان دلاتے ہوئے کہتا ہے۔ "میں تیرے ساتھ ہوں، اور وہاں اب سہ پہر [2] ہے جہاں قبر میں میرا وہ جسم دفن ہے جو سایہ پیدا کرتا تھا۔ عالم ارواح کے حقائق کے آگے انسانی عقل کی دیوانگی ظاہر ہوتی ہے، کیونکہ اگر انسان حقیقت کلی دیکھ سکتا تو مریم مقدس کے حاملہ ہونے (اور مسیح کے ظہور) کی ضرورت نہ رہتی۔" اسی لئے لمبو (Limbo) میں ارسطو اور افلاطون جیسے عقلاء کے لئے ان کی عقل کی ابدی تشنگی ان کے لئے عذاب بن گئی ہے"۔ اور یہ کہتے ہوئے ورجل کا چہرہ رنج آلود ہو جاتا ہے۔ پہاڑ کی چڑھائی نہایت دشوار معلوم ہوتی ہے، اور ہم اس

---

1۔ جہنم کی روحیں بے وزن لیکن محسوس ہیں، مقام کفارہ میں روحوں کا ہوائی جسم ان کی ضرورت کے لحاظ سے محسوس یا غیر محسوس ہے، یہاں دانتے ورجل کو پکڑ سکتا ہے لیکن کاسیلا کو نہیں، کیونکہ یہ غیر ضروری ہے۔

2۔ یعنی اطالیہ میں دن کے تین اور بیت المقدس (یروشلم) میں شام کے چھ بجے ہیں، اس وقت جبکہ مقام کفارہ میں صبح کے چھ بجے ہیں۔، کیونکہ یہ غیر ضروری ہے۔

پر چڑھنے کا نسبتاً کم دشوار راستہ معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ روحوں کا ایک گروہ ہماری طرف آتا دکھائی دیتا ہے۔ یہ لوگ اتنے آہستہ چل رہے ہیں کہ چلتے ہوئے نہیں معلوم ہوتے۔ ہم دونوں سے راستہ پوچھنے کیلئے ان کی طرف بڑھتے ہیں۔ یہ لوگ میرے سایہ کو پڑتا دیکھ کر ٹھٹک جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک مجھ سے مخاطب ہوتا ہے۔ یہ شہنشاہ فریڈرک دوم کا بیٹا مینفر یڈ ہے جو ایسی حالت میں مرا جب وہ کلیسا سے عاق شدہ (Excommunicated) تھا۔ اب ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مقام پیش کفارہ کے اس پہلے چبوترے (Terrace) پر کلیسا سے عاق شدہ لوگ ہیں، جنہوں نے مرنے سے پہلے توبہ کرلی تھی اور اسی لئے وہ جہنم سے بچ گئے۔ لیکن اپنی تاخیر کے لئے انہیں یہ کفارہ ادا کرنا پڑرہا ہے کہ اپنے عرصۂ تاخیر سے تیس گنے عرصہ تک بغیر چرواہے کی بھیڑوں کی طرح سرگرداں رہیں گے۔ ہاں اگر کوئی ان کیلئے دعائے خیر کرے تو بات اور ہے۔

قطعہ 4۔ مینفر یڈ سے بات کرتے وقت مجھے وقت گزرنے کا احساس نہ ہوا اور اب معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب پچاس درجہ اوپر چڑھ آیا ہے۔ میں سوچنے لگتا ہوں کہ انسانی روح کی کوئی ایک صلاحیت جب حاوی ہوتی ہے تو کسی ایک چیز پر تمام توجہ مرکوز ہوجاتی ہے اور باقی چیزوں کا احساس ختم ہوجاتا ہے۔ عاق شدہ ارواح کے بتائے ہوئے راستہ پر ہم دونوں ایک نہایت تنگ شگاف کے راستہ سے اوپر چڑھتے ہیں۔ چڑھائی نہایت ڈھلوان ہے اور پہاڑ اتنا بلند ہے کہ نظر کی رسائی سے بھی ماوراء۔ میں بری طرح تھک جاتا ہوں اور ورجل سے فریاد کرتا ہوں کہ اے پدرِ عزیز اتنی تیزی سے نہ چل ورنہ میں پیچھے ہی چھوٹ جاؤنگا۔ ورجل میری ہمت افزائی کرتا ہے اور مقام پیش کفارہ کے دوسرے چبوترے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ہم چڑھ کر وہاں پہنچ جاتے ہیں اور ستانے کے لئے بیٹھ جاتے ہیں۔ ورجل کہتا ہے کہ اس پہاڑ کی چڑھائی شروع میں بہت دشوار ہے لیکن آگے چل کر آسان ہوجاتی ہے۔ ابھی وہ بول ہی رہا تھا کہ ایک آواز آتی ہے۔ "ہوسکتا ہے منزل تک پہنچنے سے پہلے تجھے بیٹھ بیٹھ جانا پڑے"۔ اس پر ہم مڑ کے دیکھتے ہیں تو بائیں طرف ایک چٹان کی اوٹ میں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ان میں سے ایک نہایت خستگی کے عالم میں گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھا ہے وہ اپنا چہرہ ذرا اٹھاتا ہے تو میں اسے پہچان لیتا ہوں۔ یہ بیلا کوا ہے۔ میں اس سے کہتا ہوں کہ مجھے اب تیرے اوپر افسوس کرنے کی ضرورت نہیں ( کیونکہ تو جہنم

سے بچ گیا)۔لیکن تو یہاں اس طرح کیوں بیٹھا ہوا ہے، کیا کسی رہبر کا انتظار ہے یا تیری پرانی (تاخیر کی) عادت تجھ پر حاوی ہے۔وہ کہتا ہے کہ خدا کا فرشتہ (جو مقام کفارہ خاص کا محافظ ہے) مجھے (بیلا کوا کو) اوپر نہیں جانے دے گا جب تک کہ میرے عرصہ حیات کے برابر مدت نہ گزر جائے۔ہاں اگر دنیا سے کوئی میرے لئے دعا کرے تو مشکل آسان ہوسکتی ہے۔بیلا کوا اور اس کے گروہ کے لوگ تاخیر سے توبہ کرنے والے وہ لوگ ہیں جو کاہل تھے۔ورجل مجھ سے کہتا ہے "آگے بڑھ، دیکھ آفتاب نصف النہار پر پہنچ چکا ہے۔

قطعہ 5۔ہم آگے بڑھنے لگتے ہیں۔بیلا کوا کے گروہ کا ایک شخص میری طرف اشارہ کرکے کہتا ہے۔" دیکھ اس کے جسم سے کیسی تاریکی نکل رہی ہے۔یہ آدمی زندہ معلوم ہوتا ہے"۔وہ سب لوگ مجھے گھورنے لگتے ہیں۔ورجل مجھے آگے بڑھنے کی تلقین کرتا ہے۔ہمیں اس ڈھلوان پر روحوں کا ایک دوسرا گروہ ملتا ہے۔تاخیر سے توبہ کرنے والوں میں یہ وہ لوگ ہیں جو رسمی اعتراف گناہ اور قبول توبہ کے بغیر یعنی (Unshriven) مرے تھے جس کا انہیں موقع نہ مل سکا تھا۔یہ خدا سے رحم کیلئے دعا کرتے ہیں۔انہیں دعا کی توفیق عطا ہوئی ہے جو ان سے نیچے کے لوگوں کو (یعنی عاق شدگان از کلیسا اور تاخیر کنندگان کاہل صفت کو) میسر نہ تھی۔ان میں سے کچھ لوگ میرے سایہ کو دیکھ کر دوڑ کر آتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تم لوگ کون ہو۔ورجل انہیں میرے بارے میں بتاتا ہے۔ وہ دوڑ کر اپنے ساتھیوں کے پاس جاتے ہیں اور پھر سارا گروہ ہمارے پاس آتا ہے اور ہم سے ذرا توقف نہ کرنے کی درخواست کرتا ہے۔میں کہتا ہوں کہ میں تم میں سے کسی کو نہیں پہچانتا، لیکن اگر میں تمہارے لئے کچھ کرسکتا ہوں تو اس کیلئے حاضر ہوں۔وہ صرف دعا کے طالب ہیں اور مجھ سے دعا کرنے کو کہتے ہیں اور درخواست کرتے ہیں کہ میں دنیا میں واپس جاؤں تو ان کے دوستوں اور عزیزوں سے دعا کرنے کی درخواست کروں۔جاکوپو ویل کیسرد اور دبوکونتے داموننتے فیلترو بتاتے ہیں کہ وہ کس کس طرح لڑتے ہوئے مارے گئے۔تیسری روح جو مجھ سے مخاطب ہوتی ہے وہ ایک خاتون لاپیا (Lapia) ہے جسے اس کے شوہر وانی ماریما (Marrema) نے قتل کیا تھا۔

قطعہ 6۔جو جوئے میں ہارتا ہے وہ کھیل ختم ہونے کے بعد غمگین اور افسردہ حالت

میں وہیں اکیلا بیٹھا رہتا ہے لیکن جیتنے والے خوش قسمت کو سب ساتھی گھیر لیتے ہیں۔ کوئی کوشش کرتا ہے کہ اس کی نگاہ اس پر پڑ جائے، کوئی اس کی پیٹھ پر ہاتھ مارتا ہے، کوئی اس کی آستینیں کھینچ کر کہتا ہے ''میرا خیال رکھنا'' وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح مجھے یہ محسوس ہوا کہ لوگ میرے ساتھ بھی ویسا ہی برتاؤ کر رہے ہیں جیسا کہ جوئے میں جیتنے والے کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ہر ایک مجھ سے درخواست کر رہا تھا کہ میرے لئے دعا کرنا۔ ان سب سے اپنے آپ کو چھڑانے کے بعد میں نے ورجل سے کہا۔ ''تیرا کہنا تو یہ تھا کہ یہ خیال لغو ہے کہ عدل خداوندی دعا کے آگے جھک سکتا ہے (اینیڈ 376,6)۔ پھر یہ کیا ماجرا ہے؟'' ورجل وضاحت کرتا ہے کہ عدل خداوندی ایسی صورت میں نہیں جھکتا جب کسی کا عشق اپنے شعلہ کی سوزش سے دوسرے کے سارے قرضہ چکا دیتا ہے۔ لیکن وہ کہتا ہے کہ جس دعائے بے تاثیر کے بارے میں میں نے لکھا تھا وہ عشق کی عدم موجودگی میں تعلق خداوندی سے منقطع تھی۔ اس بارے میں فیصلہ کن بات بیاترچے بتائے گی جو تجھے اس پہاڑ کی چوٹی پر ملے گی۔ ورجل مجھے آگاہ کرتا ہے کہ سورج ڈوبنے کے بعد ہم چڑھ نہیں پائیں گے۔ ہمیں ایک شخص نظر آتا ہے جو تنہا بیٹھا ہوا ہے، نگاہوں میں حقارت لئے ہوئے۔ ہم دونوں رہنمائی حاصل کرنے کیلئے اس کے پاس جاتے ہیں مگر وہ دبکا بیٹھا رہتا ہے، شیر کی طرح۔ وہ ورجل کی رہنمائی کی درخواست کو نظر انداز کر کے پوچھتا ہے ''تم لوگ کون ہو؟''۔ ورجل جیسے ہی اپنے وطن مانتوا کا نام لیتا ہے وہ اچھل کر اس سے لپٹ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تیرا ہم وطن سوردیلو (Sordello)[1] ہوں۔ (یہاں دانتے اپنے ملک اطالیہ کی بدبختی پر اظہار تاسف کرتا ہے جس کی محبت کا یہ مظاہرہ اس نے دیکھا۔ وہ اپنے شہر فلورنس کو بڑی تلخی سے یاد کرتا ہے جس کی حالت ایک ایسی بیمار عورت کی سی ہے جو درد سے بے چین کروٹیں لے رہی ہو)۔

قطعہ 7۔ ورجل سے گلے ملنے کے بعد سوردیلو پیچھے ہٹ کر پھر پوچھتا ہے۔ ''تو کون ہے؟'' ورجل اپنے بارے میں بتاتا ہے۔ سوردیلو پر ایسی تعجب کی کیفیت طاری رہتی ہے کہ وہ نہیں جانتا کہ یقین کرے یا نہ کرے۔ پھر سوردیلو اپنی نظریں جھکا لیتا ہے اور تعظیم کرتے ہوئے ورجل کو وہاں پکڑ لیتا ہے جہاں بندۂ کمبتہ اپنے آقا کو سوردیلو کے پوچھنے پر ورجل بتاتا ہے کہ اسے لمبو میں

1 مشہور نغمہ گر جو 1200 کے قریب مانتوا میں پیدا ہوا اور جس نے پرووانسال زبان میں ہی نغمہ سرائی کی ہے

مقام ملا ہے جہاں وہ لوگ ہیں جو گناہوں سے پاک اور فطری نیکیوں سے بہرہ ور تھے، لیکن (الہامی مذہب سے خارج ہونے کے باعث) مذہبی نیکیوں سے ناآشنا ہے[1]۔ ورجل سوردیلو سے پوچھتا ہے کہ ایسا کیوں ہے کہ سورج ڈوب جانے کے بعد اس پہاڑ کا سفر ناممکن ہوجاتا ہے۔ سوردیلو کہتا ہے کہ ایسا اس لئے ہے کہ رات کی تاریکی قوت ارادی کو بے دم کردیتی ہے[2]۔ رات کے بسیرے کے لئے ہم ایک وادی میں چلے جاتے ہیں۔ یہاں سنہرے اور نقرئی، شفقی اور سفید، پیلے اور لاجوردی، نیلگو اور تازہ ترشے ہوئے زمرد کے سے رنگ ان پھلوں اور پتیوں کے مختلف رنگوں سے میل کھارہے تھے جو اس وادی کی آغوش میں بکھرے پڑے تھے۔ اور رنگ ہی نہیں بلکہ فطرت نے یہاں ہزاروں نامعلوم، بے نام خوشبوؤں کا شیریں امتزاج بھی پیدا کردیا تھا۔ یہاں ملکہء آسمانی (مریم مقدس) کیلئے نغمہ التجا گاتے ہوئے بہت سے لوگ (روحیں) استراحت کررہے تھے۔ یہ تاخیر سے توبہ کرنے والوں میں تیسرے قسم کے لوگ تھے، یعنی وہ لوگ جو اپنی دنیاوی مگر بے غرض مصروفیات کی وجہ سے مذہبی فرائض سے غافل رہے تھے۔ مقام پیش کفارہ کی دوسری روحوں کی طرح ان کے گناہ کے عادات ورجحانات ان کے ساتھ ہیں، اور یہ اب بھی خاندان اور ملک و قوم کے معاملات پر سرگرم گفتگو ہیں۔ ہم تینوں (دانتے، ورجل اور سوردیلو) دور سے ہی ان کا تماشہ دیکھتے ہیں۔ سوردیلو ان میں سے بہت سوں کو اشارہ کرکے بتاتا ہے۔ کہ وہ بھدی ناک والا فلاں ہے اور وہ موٹا تازہ فلاں وغیرہ۔ ایک طرف تنہا انگلستان کا ہنری (سوم) بیٹھا ہوا ہے جس نے سادہ زندگی گزاری (وہ غالباً اس بات کا کفارہ ادا کررہا ہے کہ مذہبی معاملات پر زیادہ توجہ دینے کی وجہ سے اس نے اپنے شاہی منصب کے دنیاوی فرائض سے غفلت برتی)۔

قطعہ 8۔ رات ہورہی ہے یہ وقت وہ ہے جب سمندر پر چلنے والے ان ملاحوں کا دل گھر کی یاد سے پگھلنے لگتا ہے جو اسی دن صبح اپنے پیاروں سے رخصت ہوئے تھے۔ تاخیر سے توبہ کرنے والے حکمرانوں میں سے ایک اٹھ کر دعائیہ نغمہ گانا شروع کردیتا ہے، اور دوسرے اس کا

---

1 فطری نیکیاں یعنی عدل، حکمت، عفت اور شجاعت، اور مذہبی نیکیاں یعنی ایمان، رجا اور احسان۔

2 سورج کی روشنی نور لطف خداوندی کی علامت ہے کہ جس کے بغیر محض اپنی قوت ارادی سے توبہ ہو استغفار کے راستہ پر آگے نہیں بڑھا جاسکتا۔

ساتھ دیتے ہیں۔ ''اے خدا ہم تیری ہی پرواہ کرتے ہیں اور کسی چیز کی نہیں''۔ پھر یہ سب خاموش کھڑے رہتے ہیں، آسمان کی طرف نگاہ کئے ہوئے۔ آسمان سے دو فرشتہ نازل ہوتے ہیں جو آتشیں تلواریں لئے ہوئے ہیں جن کی نوکیں ٹوٹی ہوئی ہیں۔ یہ دونوں سبز حلّہ پہنے ہوئے ہیں۔ دونوں فرشتہ وادی کے دونوں طرف آمنے سامنے کی چٹانوں پر پہرہ دینے لگتے ہیں۔ سوردیلو بتاتا ہے کہ انہیں مریم مقدس نے نگہبانی کیلئے بھیجا ہے، کیونکہ کسی بھی لمحہ سانپ (The Serpent) آسکتا ہے[1]۔ یہ سن کر میں مارے خوف کے ورجل سے چمٹ جاتا ہوں، اور میری پیشانی پر ٹھنڈا پسینہ آجاتا ہے۔ سوردیلو ہمیں دوسری روحوں سے ملاقات کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اندھیرا ہوتا جارہا ہے۔ میں سوردیلو کی تحریک پر ابھی تین قدم ہی چلتا ہوں کہ ایک شخص جو مجھے غور سے دیکھ رہا تھا آگے آکر مجھ سے ملاقات کرتا ہے۔ یہ اُگولی نو (جس سے ہم جہنم میں مل چکے ہیں) کا پوتا لائق جج نی نو (Nino) ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوتی ہے کہ نی نو جہنم کی لعنت سے بچ گیا۔ نی نو کے پوچھنے پر میں اسے بتاتا ہوں کہ میں جہنم سے نکل کر آرہا ہوں اور میں زندہ ہوں۔ نی نو اپنی بیٹی جیووانا کو اپنا پیغام دینے کو کہتا ہے اور اپنی بیوی کے عقد ثانی پر غم وغصہ کا اظہار کرتا ہے[2]۔ مجھے اب آسمان پر تین روشن ستارے نظر آتے ہیں[3]۔ ورجل کہتا ہے کہ تجھے صبح جو چار ستارے نظر آئے تھے وہ غائب ہوگئے ہیں اور ان کی جگہ یہ ستارے نمودار ہوئے ہیں۔ ابھی ورجل بول ہی رہا تھا کہ سوردیلو اسے اپنے قریب کھینچ کر چلاتا ہے۔ ''دیکھ! دشمن!'' وادی میں ایک طرف سے رینگتا ہوا ''سانپ'' داخل ہوتا ہے، ویسا ہی سانپ جس نے حوا کو ثمر ممنوعہ سے بہکایا تھا۔ سانپ گھاس اور پھلوں کے درمیان رینگتا ہوا آرہا ہے۔ دفعتاً فرشتے اس پر جھپٹتے ہوئے فضا میں نظر آتے ہیں۔ ان کے سبز پَروں کی آہٹ پاکر سانپ بھاگ جاتا ہے۔ فرشتے اپنی اپنی جگہ واپس آجاتے ہیں۔ ایک شخص

---

1۔ ''سانپ'' شیطان کے وسوسہ کی علامت ہے۔ مقام پیش کفارہ میں شعوری ارادہ تو وسوسہ گناہ سے متاثر نہیں ہوسکتا، لیکن لاشعور پر وسوسہ گناہ کا اثر ہوسکتا ہے۔ اسی لئے لطف خداوندی (Divine Grace) کی خصوصی تائید کی ضرورت ہے۔

2۔ قرون وسطیٰ کی اخلاقیات کے اعتبار سے عورت کا عقد ثانی کرنا حد درجہ قابل مذمت سمجھا جاتا تھا۔

3۔ یہ تین ستارے تین مذہبی نیکیوں یعنی ایمان، رجا اور احسان کی علامت ہیں۔

جس کو نی نو نے بلایا تھا مجھ سے باتیں کرنے لگتا ہے۔ یہ مالسا (دوم) ہے جس کا خاندان اب بھی اپنی نجات کی دیرینہ روایات پر قائم ہے اور شر پسند طاقتوں کے اثر سے آزاد ہے۔ میں اس سے کہتا ہوں کہ میں تمہارے علاقہ میں گیا تو نہیں ہوں لیکن تمہارے معزز خاندان سے یورپ میں کون واقف نہیں۔ مالسا پنا پیش گوئی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جلد ہی اس عقیدہ کی صداقت کو حالت تجھ پر روشن کردیں گے (یعنی جب جلاوطن ہونے کے بعد تو ہمارے گھر میں پنا لے گا)۔

قطعہ 9۔ ایسٹر کی دوشنبہ کی صبح نمودار ہو رہی تھی۔ میں اس وقت مقام پیش کفارہ کے دوسرے چبوترے پر سو رہا تھا۔ سوتے میں مجھے ایک خواب دکھائی دیتا ہے۔ خواب میں ایک برق رفتار سنہری عقاب مجھے اٹھا کر اتنی بلندی تک لے جاتا ہے کہ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ کرۂ آتشیں میں پہنچ گیا ہوں۔ آگ کی تپش سے میری نیند کھل جاتی ہے اور میں ورجل کو اپنے پاس پاتا ہوں۔ وہ مجھ سے کہتا ہے کہ تجھے خاتون مقدس سینٹ لوسی (Saint Lucy)[1] نے یہاں مقام کفارہ کے پاس پہنچا دیا ہے[2]۔ وہیں اور ورجل مقام کفارہ کے دروازے تک پہنچتے ہیں۔ ہمیں تین سیڑھیاں چڑھنا ہوتی ہیں۔ پہلی سفید سنگ مرمر کی آئینہ کی طرح روشن ہے کہ اس میں مجھے اپنا عکس نظر آتا ہے، دوسری سیاہ اور نشان صلیب کی صورت میں شگاف زدہ ہے، اور تیسری خون سے زیادہ سرخ ہے[3]۔ تیسری اور سب سے اوپر والی سیڑھی پر محافظ فرشتہ ایسی شمشیر برہنہ لئے ہوئے بیٹھا ہے کہ اس کی آب و تاب سے اس پر نگاہ نہیں ٹھہرتی ہے[4]۔ اس تلوار کی نوک سے فرشتہ میری پیشانی پر سات "P" کے نشان بنا دیتا ہے جو سات گناہ ہائے کبیرہ (Seven Deadly Sins) کے نشانات ہیں، اور کہتا ہے کہ (دروازہ کے اندر) تجھے ان داغوں کو مٹانا ہے۔ محافظ فرشتہ کے پاس دو

---

1۔ سینٹ لوسی ان تین بابرکت خواتین (مریم، بیاترچے اور لوسی، میں سے ہے جو دانتے کو ابتری سے بچانے کی کوشش کرتی ہیں۔ مریم لوسی کو بیاترچے کے پاس بھیج کر دانتے کی ابتری کی طرف توجہ دلائی ہے اور بیاترچے ورجل کی رہبری حاصل کرتی ہے۔ لوسی جس کا تعلق نور بصارت سے ہے نور لطف خداوندی کی علامت ہے۔

2۔ اس دروازہ کو سینٹ پیٹر کا دروازہ بھی کہتے ہیں۔

3۔ یہ تین سیڑھیاں توبہ کے تین درجات کی علامت ہیں۔ یعنی اعتراف (Cornice) انفعال (Contrition) اور رضائیت (Satisfaction)

4۔ یہ روح کی تلوار ہے جو کلام الٰہی ہے۔

کنجیاں ہیں، ایک نقرئی اور ایک طلائی[1] یہ کنجیاں اسے سینٹ پیٹر (St.Peter) سے ملی ہیں۔ وہ پہلے نقرئی کنجی دروازہ کے قفل میں لگاتا ہے اور پھر طلائی کنجی۔ دروازہ کھلتا ہے اور اس کے شور میں خدا کی حمد کا نغمہ سنائی دیتا ہے۔

قطعہ 10۔ مقام کفارہ کے دروازہ میں داخل ہو کر کہ جس سے ناقص عشق روح کو دور رکھتا ہے ہم دونوں ایک نہایت تنگ اور پر پیچ راستہ سے اوپر چڑھتے ہیں اور مقام کفارہ کے پہلے کارنس پر پہنچتے ہیں جہاں کبر (Pride) کا کفارہ ادا کیا جاتا ہے۔ سامنے کی چٹان پر سنگ تراشی کے نادر نمونہ ہیں جو انکسار کی تصاویر پیش کرتے ہیں اور اس طرح اس کارنس کے تائبین کیلئے تازیانہ (The Whip) کا کام کرتے ہیں[2]۔ پہلی تصویر خدائے تعالیٰ کی انکساری کی یاد دلاتی ہے جس نے اپنے آپ کو اتنا حقیر کیا کہ آدمی کا روپ اختیار کیا۔ دوسری تصاویر انسانوں کی انکساری کی یاد دلاتی ہیں۔ جیسے شہنشاہ ٹراجن اور دکھیاری بیوہ کا واقعہ۔ ابھی میں ان تصاویر میں محو ہوں کہ بڑے بڑے وزنی پتھر لئے ہوئے کچھ لوگ گذرتے ہیں کہ جو ان پتھروں کی بوجھ سے دہرے ہوئے جارہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کبر کا کفارہ ادا کر رہے ہیں۔ اس منظر کو دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ آدمی دراصل ایک حقیر کرم ہے جو اس وقت تک ہیچ ہے جب تک کہ پروانہ صفت نہ بن جائے۔

قطعہ 11۔ تائبین کبر زندہ انسانوں کیلئے خدا سے دعا کرتے ہیں۔ ورجل ان سے کہتا ہے کہ پہاڑی پر چڑھنے کا آسان راستہ بتاؤ تاکہ میرا ساتھی (دانتے جو زندہ ہے اس پر چڑھ سکے۔ اس گروہ میں میں اوڈے ریسی (Oderessi) کو پہچان کر پکار اٹھتا ہوں کہ یہیں ہے وہ مایہ ناز فنکار۔ اوڈے ریسی کہتا ہے کہ بھائی مجھ سے بڑا فنکار بولونیا کا فرانکو (Franco) ہے جس کی

---

1۔ یہ کنجیاں جو کلیسا کو عطا ہوئی ہیں عفو گناہ کی علامت ہیں۔ نقرئی کنجی عفو گناہ کی اس طاقت کی علامت ہے جو انسان کے دل میں گناہ کا بندھن کھول دیتی ہے۔ طلائی کنجی اس وصف خداوندی کی علامت ہے جو گناہ کو بخش دیتی ہے۔ صرف اول الذکر کے ہونے سے مایوسی کا سامنا ہوتا ہے جس کی علامت جہنم نمبر ۹ کا میڈوسا ہے، اور صرف موخر الذکر کے ہونے سے جہنم 27 کے گوئدا اور امونتے فلیتر وجیسا حشر ہوتا ہے۔ دونوں کنجیوں کا مصرف ضروری ہے۔

2۔ مقام کفارہ کر ہر کارنس پر نیکی کی ترغیب کے لئے کوئی تازیانہ (The Whip) ہے اور اس کے برخلاف بدی سے روکنے کیلئے زمام (The Bridle) ہے۔

عظمت کا میں زندگی میں اپنے غرور کی وجہ سے اعتراف نہیں کرتا تھا، اور اب اس گناہ کا کفارہ ادا کرر ہا ہوں اور مجھے پر دنیاوی شہرت کا کھوکھلا پن آشکارا ہو رہا ہے۔ میرے پوچھنے پر اوڈے ریسی بتاتا ہے کہ پرودانزاں (Provenzan) مقام کفارہ میں اس لئے داخل ہو گیا ہے کہ اس نے ایک دوست کی خاطر چوراہے پر بھیک مانگی تھی، اور یہ بھیک مانگنے کا تجربہ (جلاوطنی میں) جلد ہی تجھے ہو جائے گا۔

قطعہ 12۔ اس گروہ کو چھوڑ کر میں اور ورجل آگے بڑھتے ہیں۔ راستہ میں کانس کے فرش پر کبر اور اس کے زوال کی کہانیاں منقش ہیں۔ جیسے ابلیس اور نمرود اور نائے ابی (Noibe) کی کہانیاں۔ یہ کہانیاں اس کانس پر تائبین کیلئے زمام (The bridlb) کا کام کرتی ہیں[1] انکساری کا فرشتہ ہماری طرف آتا ہے جو ایک روشن ستارے کی طرح تابناک ہے۔ وہ ہمیں گذرگاہ بخشش The pass of pardox[2] پر لے آتا ہے اور اپنے پروں سے میری پیشانی سے ایک "P" کا نشان صاف کر دیتا ہے۔ یہ گزرگاہ چٹان میں ایک شگاف ہے جس کے راستہ ہمیں اگلے کارنس پر چڑھنا ہے۔ میں چڑھنے لگتا ہوں تو مجھے نغمہ برکت سنائی دیتا ہے اور مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میرا کچھ بوجھ ہلکا ہو گیا۔ ورجل مجھ سے کہتا ہے کہ جب "P" کے سارے نشانات تیری پیشانی سے صاف ہو جائیں گے تب تیرا عزم آزاد (Free Will) خود بخود تجھے آگے لئے چلا جائے گا۔ میں اپنے ہاتھ سے اپنی پیشانی ٹٹولتا ہوں، اور مجھے معلوم ہوتا ہے کہ میری پیشانی پر اب "P" کے صرف چھ نشانات رہ گئے ہیں۔

قطعہ 13 ۔ ہم دونوں مقام کفارہ کے دوسرے کانس پر پہنچتے ہیں جہاں حسد (Fnvy) سے توبہ کرنے کا مقام ہے۔ یہاں کوئی ایک میل چلنے کے بعد ہمیں کچھ آوازیں سنائی دیتی ہیں، جن میں فراخدلی (Genrosity) کا نغمہ گونج رہا ہے اور یہ تلقین ہے کہ اپنے دشمنوں سے بھی محبت کروں۔ یہ آوازیں حساد کے کانس کا تازیانہ ہیں۔ آگے بڑھنے پر مجھے کچھ لوگ بیٹھے

---

1۔ یعنی بدی سے روکتی ہیں۔ تازیانہ نیکی کی ترغیب کیلئے ہے اور زمام بدی سے روکنے کے لیے۔

2۔ مقام کفارہ کے ہر کانس سے اگلے والے کانس پر پہنچنے کے لئے گذرگاہ بخشش سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہاں بخشش کر فرشتہ جو اس کانس کی بدی سے مخالف نیکی کا نمائندہ ہے گناہ کا نشان مٹا کر اور کلمۂ برکت پڑھ کر اس گذرگاہ کا راستہ بتاتا ہے۔

دکھائی دیتے ہیں جن کی حالت دیکھ کر میں رو پڑتا ہوں۔ان کا خاکستری لباس ان پتھروں کے رنگ سے مل رہا ہے جن پر وہ بیٹھے ہیں، اور یہ لباس خرقہ صوف ہے۔ یہ لوگ اس طرح بیٹھے ہوئے ہیں کہ ایک کا سر دوسرے کے شانہ پر ہے اور سب کے سب چٹان کی دیوار سے ٹکے ہوئے ہیں۔ان کی آنکھیں آہنی تار سے سلی ہوئی ہیں، کچھ اس طرح سے جس طرح لوگ جنگلی شکرے کی آنکھیں سی دیتے ہیں، اسے قابو میں کرنے کیلئے، اور ان کی آنکھوں سے آنسو ڈھلک رہے ہیں[1]۔ میں ان سے پوچھتا ہوں۔'' کیا تم میں سے کوئی جنوبی اطالیائی (Latian) ہے؟'' ان میں سے ایک کی آواز آتی ہے کہ بھائی ہم سب ایک ہی سچے شہر (The City) کے باشندہ ہیں۔ یہ کہہ کر کون اطالیہ میں رہ چکا ہے۔ یہ ساپیا (Sapia) کی آواز تھی جو سیئنا (Siena) کی رہنے والی خاتون تھی۔ اور اپنے ہم وطنوں سے حسد رکھنے کا کفارہ ادا کر رہی تھی۔

قطعہ 14۔ میری اور ساپیا کی گفتگو سن کر دو اشخاص آپس میں باتیں کرنے لگے کہ یہ کون ہے۔ اور ان میں سے ایک مجھ سے مخاطب ہوا۔ اس کے میرے بارے میں پوچھنے پر میں نے پایا کہ میرا یہ زندہ جسم اس چشمہ کے کنارے سے آیا ہے جو ٹسکنی کے وسط سے بہتا ہے۔ دوسرے شخص نے مجھ سے مخاطب ہونے والے سے پوچھا۔'' اگر اس کا مطلب دریائے آرنو سے ہے تو اس نے کیوں اس نام کو الفاظ کے غلاف میں چھپایا؟'' پہلے والے نے جواب دیا۔'' اس کی وجہ یہ ہے کہ اس چشمہ کی وادی میں جو لوگ رہتے ہیں وہ برائیوں میں مبتلا ہے اور نیکی کے دشمن ہیں، اور جیسے جیسے یہ چشمہ آگے بڑھتا ہے یہ لوگ حیوانیت میں بڑھتے جاتے ہیں اور خصلت میں کتوں سے بھیڑیوں اور بھیڑیوں سے لومڑیوں میں بدلتے جاتے ہیں۔ میں پیش بینی کرتا ہوں کہ تیرا پوتا ان بھیڑیوں کو قتل کرے گا''۔ یہ جواب دینے والا جو شروع میں مجھ سے مخاطب ہوا تھا گوئدو دیل دو کا تھا اور دوسرا شخص کالبولی خاندان کا رینیر تھا، اور دونوں رومانیا کے رہنے والے تھے۔ گوئدو دیل دو کا اپنے وطن کی ابتری کا تذکرہ کرتے ہوئے رونے لگتا ہے۔ ان لوگوں سے رخصت ہو کر ہم دونوں آگے بڑھتے ہیں تو ایک آواز سنائی دیتی ہے جو قابیل کے الفاظ کو دہراتی ہے، قابیل جس نے حسد کے مارے اپنے بھائی کو قتل کیا۔ یہ آواز اس کانس پر تانیبین حسد کے لئے

---

1۔ اس لئے کہ حاسد دوسروں کی اچھائی یا خوشی کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔

زمام ہے۔

قطعہ 15۔ اس وقت مقام کفارہ میں دن کے تین بجے ہیں اور اطالیہ میں رات کے بارہ۔ میں اور ورجل حسد کے کانس پر آگے بڑھ رہے ہیں۔ دفعتاً میری آنکھیں نور سے خیرہ ہو جاتی ہیں۔ ورجل بتاتا ہے کہ یہ فراخدلی کا فرشتہ ہے، اور ایسے ملکوتی نور کی تو ابھی تاب نہیں لاسکتا لیکن آگے چل کر تو اس لائق ہو جائے گا کہ تیرے حواس ایسے نور کے متحمل ہوسکیں۔ یہ فرشتہ میری پیشانی سے گناہ کا دوسرا "P" صاف کر دیتا ہے اور ہمیں گزرگاہ بخشش کا راستہ بتا دیتا ہے جس پر ہم دونوں چڑھنے لگتے ہیں مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میرا بوجھ اور ہلکا ہو گیا ہے۔ میرے پوچھنے پر ورجل یہ وضاحت کرتا ہے کہ" حسد نفسانی خواہشات کی پیداوار ہے جن کا مقصد خیر محدود ہوتا ہے اور اس میں آدمی دوسروں کی شرکت برداشت نہیں کر سکتا۔ لیکن جب خواہشات میں عشق لامحدود کے اثر سے ابلاغ اور ترفع پیدا ہوتا ہے تو حسد کا فور ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ شرکت سے متاع خیر گھٹنے کے بجائے اس طرح بڑھتی ہے جیسے آئینوں کی موجودگی میں سورج کی روشنی۔ اگر میری باتوں سے تیری تسکین ہو رہی ہے تو بیاترچے سے ملنے کا انتظار کر جو اس معاملہ میں تمام دوسرے معاملات میں تیرے شبہات رفع کرے گی۔ تو اس سے ملنے کیلئے اپنی پیشانی کے باقی ماندہ داغوں کو مٹانے کی کوشش کر"۔ ہم دونوں تیسرے کانس پے پہنچتے ہیں جہاں غصہ (Wrath) کا کفارہ ادا کیا جاتا ہے۔ مجھ پر حالت وجد طاری ہوتی ہے اور مجھے رویا (Vision) میں حضرت مریم، ایتھنز کے بادشاہ پسس ٹراٹس (Disistratus) اور سینٹ اسٹیفن (St. Stephen) کے واقعات نظر آتے ہیں (مثلاً یہ کہ سینٹ اسٹیفن کو ان کے کافر دشمن سنگسار کر رہے ہیں اور وہ ان کیلئے دعائے خیر کر رہے ہیں)۔ یہ واقعات حلم کی تصاویر ہیں جو غصہ کے کانس کا تازیانہ ہیں۔ ہم دونوں اس کانس پر آگے بڑھتے ہیں۔ رفتہ رفتہ دھوئیں کا ایک سیاہ اور غلیظ بادل آتا ہے اور ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے[1] اور میں تازہ ہوا اور بصارت سے محروم ہو جاتا ہوں۔

قطعہ 16۔ دھوئیں کے بادل کی وجہ سے میرا دم گھٹنے لگتا ہے اور مجھے کچھ نظر نہیں آتا۔ کچھ آوازیں سنائی دیتی ہیں جو غصہ کا کفارہ ادا کرنے والے تائبین کی آوازیں ہیں۔ مارکولوم بارڈو (Marcolom Bardo) مجھ سے مخاطب ہوتا ہے اور جبر و اختیار کے بارے میں

1۔ دھوئیں کا یہ بادل غصہ اور اس کی روحانی حقیقت کی علامت ہے۔

میرے شکوک رفع کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انسان کو عقل دی گئی ہے کہ اچھائی اور برائی میں تمیز کر سکے اور اپنے آزادارادے سے (Free Will) کام لے سکے۔ اس لئے برائی کا ذمہ دار خود انسان ہے نہ کہ ستارے۔ خدا کے ہاتھوں سے نکل کر انسانی روح سادہ و معصوم دنیا میں آتی ہے، مگر اس کی صحیح نشو نما کیلئے قانون کی ضرورت ہوتی ہے اور مناسب حکمراں کی۔ لیکن مناسب حکمراں کے نہ ہونے سے اور کلیسائے روم کی ہوس کاریوں کی وجہ سے دنیا میں تباہی پھیلی ہوئی ہے۔

قطعہ 17۔ میں اور ورجل آگے بڑھتے ہیں۔ رفتہ رفتہ دھوئیں کا بادل چھٹنے لگتا ہے اور ہم دونوں اس سے باہر آجاتے ہیں۔ اب مجھے رویا میں غصہ کی تصاویر نظر آتی ہیں جو اس کا کانس پر تائبین کے لئے زمام ہیں۔ پہلی تصویر 'پروکنی (Pronce) اور اس کے شوہر ٹیریس (Tereus) کے واقعہ سے متعلق ہے، دوسری ہامان (Haman) کے واقعہ سے متعلق ہے اور تیسری اماتا (Amata) اور اس کی لڑکی لوینیا (Lavinia) کے واقعہ سے متعلق ہے۔ حلم کا فرشتہ ہم دونوں کو گذرگاہ بخشش کے راستہ اوپر چڑھنے کو کہتا ہے اور میری پیشانی سے تیسرے ''P' کا نشان صاف کرا دیتا ہے۔ ایسٹر کی دوشنبہ کی شام ہے اور سورج غروب ہو رہا ہے۔ ہم دونوں عجلت کے ساتھ چوتھے کانس کی طرف چڑھ رہے ہیں۔ لیکن ابھی ہم اپنے پہاڑی زینہ کی اوپر سیڑھی تک نہ پہنچ پائے تھے کہ سورج ڈوب جاتا ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ ہماری آگے بڑھنے کی طاقت سلب ہو جاتی ہے، اور رات بسر کرنے کیلئے ہمیں وہیں ٹھہر جانا پڑتا ہے۔ میں ورجل سے پوچھتا ہوں کہ چوتھے کانس پر کون سے گناہ کا تزکیہ عمل میں آتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ خیر کی محبت جو سُست پڑ گئی تھی یہاں تیزی اور فعالیت حاصل کرتی ہے یعنی یہاں کاہلی یا (Sloth) کا تزکیہ عمل میں آتا ہے۔ '' میرے فرزند ہرگز نہ تھا خالق، اور نہ ہی مخلوق، بغیر عشق کے، چاہے عقلی۔ فطری عشق کبھی غلطی نہیں کر سکتا۔ لیکن عقلی عشق غلطی کر سکتا ہے، اس صورت میں کہ اس کا مقصد غلط ہو یا اس صورت میں کہ اس میں شوق کی زیادتی ہو، یا اس صورت میں کہ اس میں شوق کی کمی ہو...... یہ غور کر کہ کس طرح عشق انسانوں میں نہ صرف ہر نیک عمل کا بلکہ ہر قابل سزا عمل کا بھی تخم ہے۔ '' عقلی اعتبار سے کوئی انسان نہ تو اپنے آپ سے نفرت کر سکتا ہے اور نہ خدا سے کیونکہ ایسا کرنا خیر کے مترادف نہ ہوگا۔ ضرر پہنچانے کی خواہش جو عشق کے فاسد ہونے اور خیر محدود میں انکے رہنے کی وجہ

سے پیدا ہوتی ہے اپنے ہمسایہ کو ضرر پہنچانے کی خواہش ہو سکتی ہے جس کے محرکات غرور، حسد اور غصہ ہوتے ہیں اور تینوں کا تزکیہ مقام کفارہ کے نچلے تین کانسوں پر عمل میں آتا ہے۔ اوپر کے چار کانسوں یعنی چوتھے، پانچویں، چھٹے اور ساتویں کانسوں پر عشق غیر مرتب کا تزکیہ ہوتا ہے، یعنی اس عشق کا جس میں یا تو شوق کی کمی ہے یا زیادتی[1] شوق کی کمی کاہلی کے گناہ کا باعث ہوتی ہے اور اس کا تزکیہ چوتھے کانس پر عمل میں آتا ہے[2] شوق کی زیادتی تین رح کے گناہوں کو جنم دیتی ہے جن کا تزکیہ اس سے اوپر کے تین کانسوں پر عمل میں آتا ہے۔ ان کے بارے میں ورجل کچھ نہیں بتاتا بلکہ مجھ سے کہتا ہے کہ آگے چلنے پر تجھے خود معلوم ہو جائے گا۔

قطعہ 18۔ میرے ذہن میں ایک سوال ابھرتا ہے جسے میں ظاہر نہیں کرتا لیکن ورجل زبان پر لانے کیلئے کہتا ہے۔ میں کہتا ہوں "اے پدر عزیز، ذرا عشق کی تعریف کر جسے تو نے ہر نیکی اور بدی کا تخم کہا ہے"۔ وہ کہتا ہے۔ "ہر خارجی شے کی ایک داخلی تصویر ذہن انسانی میں رہتی ہے، جس کی طرف روح کھینچتی ہے۔ اگر کھینچنے کے ساتھ ساتھ روح اس شے کی آرزو بھی کرے تو یہ آرزو عشق[3] ہے۔ عشق ایک روحانی حقیقت ہے، یعنی اس کی شکل انسان کے شعوری ارادہ پر منحصر ہے، اور اسی لئے ہر قسم کا عشق اچھا یا جائز نہیں، اسی طرح جیسے محض موم کے اچھا ہونے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک کہ مہر کا نقش بھی اچھا نہ ہو۔ ابتدائی فطری خواہش نہ تو قابل ستائش ہے نہ قابل مذمت۔ مگر

---

1 اس کمی یا زیادتی سے جو گناہ پیدا ہوتے ہیں وہ ہیں کاہلی (Sloth)، حرص (Avarice)، بداعتدالی اور بسیار خوری (Gluttony) اور شہوت (Lust)۔

2۔ کاہلی سے مراد محض ذہنی یا جسمانی کاہلی نہیں ہے، بلکہ وہ کیفیت ہے جس میں ارادہ کو گھن لگ جاتا ہے اور انسان اپنی ذمہ داری سے غافل ہو جاتا ہے۔

3 ۔ یہ تصور کسی خارجی شے یعنی غیر از نفس (Not-Self) یا دیگر حقیقی (the Trueothev) کی ہونی چاہئے، اس خارجی شے کی جس سے "ہم تو" (Thou) کہہ سکیں۔ اور یہ عشق حقیقی کے لئے لازم ہے۔ اگر یہ تصویر محض نفس کی پرچھائیں ہے جس کی علامت زن فریب کار یا سائرن (Seiem) ہے تو بجائے عشق حقیقی کے محض نفسانی خواہش پیدا ہو گئی۔ ورجل کی دی ہوئی عشق کی تعریف مکمل نہیں ہے۔ اور ورجل خود عشق کے تجربے سے محروم رہا ہے۔ وہ پاکی فطرت کے تصور سے آگے اور کچھ نہیں سوچ سکتا۔ جس چیز کی کمی ہے وہ ہے تجلی یا الہام یا اصولی تجسیم خداوندی۔ اور اس کے اذعان کے لئے جس عشق کی ضرورت ہے وہ ایمان (Faith) ارجا (Hope) اور احسان (Charity) کے ذریعے مکمل ہوتا ہے۔

دوسری خواہشات کو جو شعوری ارادوں سے پیدا ہوتی ہیں اس فطری خواہش سے ہم آہنگی ہونا چاہئے[1]۔ جس کے لئے ایک مشیر یعنی قوت تمیزہ انسان کے اندر ہے جو آستانہء اذعان (Threshold of Assent) کی محافظ ہے۔ یہ قوت اچھی اور بری خواہش میں تمیز کرتی ہے اور یہ وہی قوت ہے جسے بیاترچے آزادارادہ (Free Will) کہتی ہے۔ "نیم شب کا چاند ایک منفعل کاسہ نما کی مانند روشن مغرب سے مشرق کی سمت چلتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ ورجل خاموش تھا اور مجھ پر غنودگی سی طاری ہو رہی تھی۔ اتنے میں پیچھے سے کچھ لوگ دوڑتے ہوئے آتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں کہ مریم کیسی شتابی سے پہاڑ کی طرف دوڑی تھی، اور قیصر کیسی شتابی سے دشمنوں کی سرکوبی کیلئے الیردا (Ilerda) کی طرف لپکا تھا۔ یہ مثالیں کاہلی کے کانس کا تازیانہ ہیں۔ یہ لوگ پکارتے ہیں"۔ جلدی کرو، جلدی کرو۔ عشق کی کمی سے قیمتی وقت ضائع ہوتا ہے، ایسا نہ ہونے دو"۔ ورجل ان لوگوں سے کم دشوار گزار راستہ کے برے میں پوچھتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم رک نہیں سکتے، ہمارے پیچھے دوڑ آو، راستہ مل جائے گا۔ کچھ دوسرے لوگ پیچھے سے دوڑے آتے ہیں۔ وہ چلاتے ہیں کہ کس طرح دریائے احمر پار کرنے کے بعد بنی اسرائیل پر کاہلی سوار ہوئی اور انہوں نے موسیٰؑ کی بات پر دھیان نہ دیا، اور کس طرح اینیاس (Aeneas) کے ان ساتھوں پر جو صقلیہ میں رہ گئے تھے کاہلی سوار ہوئی۔ یہ مثالیں کاہلی کے کانس پر زمان کا کام کرتی ہیں۔

قطعہ 19۔ طلوع صبح سے پہلے مجھے خواب میں ایک عورت دکھائی دی۔ یہ عورت بدہیئت ہے، لیکن اس پر میری نگاہ پڑنے سے وہ سیدھی ہو جاتی ہے اور اس کے چہرہ پر محبت کی سرخی دوڑ جاتی ہے اور وہ گیت گانے لگتی ہے کہ میں وہی سائرن (siren)[2] یعنی زن فریب کار ہوں۔ جس کا گیت ملاحوں کو اپنے راستہ سے بھٹکا دیتا ہے۔ ابھی وہ گا ہی رہی تھی کہ ایک مقدس

1۔ اس عمل سے موجودہ زمانہ کے نفسیاتی معالج باخبر ہیں۔ ایک سطح پر طربیۂ خداوندی کے یہ بھی معنی ہیں۔ یعنی نفسیاتی صحت اور اس کا حصول۔ اس معنی میں نظم کی کہانی نفسانی خواہش کی تصعید یا (Sublimation) کی کہانی ہے۔

2۔ سائرن یقیناً خیر ثانوی کی علامت نہیں ہے کہ جس سے مناسب طور پر محبت کرنے کا حق بجانب ہے۔ دراصل سائرن اپنے ہی نفس کی وہ پرچھائیں ہے جس کے التباس کی وجہ سے گمراہ ہو کر باہر کی دنیا سے صحیح رشتہ قائم نہیں کر پاتا اور حقیقت سے دور ہو جاتا ہے۔

خاتون[1] نمودار ہوتی ہے اور ورجل کو پکار کے کہتی ہے کہ یہ عورت کون ہے۔ ورجل سائرن کو پکڑ کے اس کا لباس چاک کر دیتا ہے اور اس کا شکم مجھے دکھاتا ہے جس سے ایسی سخت بدبو نکلتی ہے کہ میری نیند کھل جاتی ہے۔ ایسٹر کی سہ شنبہ کی صبح نمودار ہو رہی ہے اور میں اور ورجل اپنے سفر پر پھر روانہ ہو جاتے ہیں۔ شوق و سرگرمی کا فرشتہ ہمیں اگلے سانس پر چڑھنے کا راستہ بتاتا ہے اور اپنے پروں سے میری پیشانی سے گناہ کا ایک نشان صاف کر دیتا ہے۔ ورجل مجھ سے کہتا ہے کہ تو نے سائرن یا زن فریب کار کی حقیقت دیکھی ہے۔ اسی کے جال کی وجہ سے ہمارے اوپر کی پہاڑی روتی ہے۔ ہم دونوں پانچویں کانس پر پہنچ جاتے ہیں۔ یہاں حرص (Covetouness) کا تزکیہ ہوتا ہے۔ تائبین حرص اوندھے منہ بندھے ہوئے ہیں، اسی طرح کہ زمین کے علاوہ انہیں کچھ اور نظر نہیں آتا[2] ان میں پوپ ایڈرین پنجم ہے جس سے میں گفتگو کرتا ہوں۔ تعظیم اور توبہ کے جذبات سے مغلوب ہو کر میں بہت زیادہ جھک جاتا ہوں۔ پوپ ایڈرین پنجم مجھے ایسا کرنے سے منع کرتا ہے اور اٹھنے کو کہتا ہے۔

قطعہ 20۔ ایک تائب حرص مریم عذرا اور رومن کونسل کائے آس فیبریشس Caius (Fablicious) کی مثالیں دے دے کر فریاد کر رہا ہے۔ نیکیوں کی یہ مثالیں حرص کے کانس پر تازیانہ ہیں۔ یہ تائب مجھے بتاتا ہے کہ میں ہیو کے پٹ (Hughcaput) ہوں۔ وہ اپنے خاندان کے جرائم پر (جو فرانس پر حکمراں ہے) ماتم کرتا ہے۔ حرص کی یہ مثالیں اس کانس پر زمام ہیں۔ ہیو کے پٹ پیش بینی کرتا ہے کہ فرانس کے فلپ اور بونی فیس ہشتم کے تنازعہ کا انجام نہایت شرمناک ہوگا، اور فلپ عیسیٰؑ کے اس خلیفہ کو قید کرے گا اور ایک مرتبہ پھر اسے نئے پلاطس (Pilate) کے حکم سے عیسیٰؑ مصلوب ہوگا[3]۔ ہیو کے پٹ کو چھوڑ کر ہم دونوں آگے بڑھتے ہیں۔ دفعتاً پورا پہاڑ ہلتا ہوا محسوس ہوتا ہے اور ہر طرف سے خدا کی حمد کا نعرہ بلند ہوتا ہے۔ مجھے یہ جاننے کی شدید خواہش ہوتی ہے کہ یہ ماجرا کیا ہے۔

قطعہ 21۔ میں اور ورجل پانچویں کانس کے اوندھے منہ پڑے ہوئے تائبین کے

---

1۔ بیاترچے، لوسی یا اور کوئی بابرکت خاتون۔ 2۔ اس لئے حرص دنیا کی وہ نامناسب محبت ہے جس میں انسان کو دنیا کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آتا۔ 3۔ حریص اور چالباز پوپ بونی فیس ہشتم جس نے معاشرہ، سلطنت، اور کلیسا کو تباہ کیا اور دانتے کی تباہی کا بھی باعث بنا۔ دانتے اس کا مقام جہنم میں بتاتے ہیں مگر اس کے مقدس منصب کی بے حرمتی کرنے والے پر بھی لعنت بھیجتے ہیں، کیونکہ اپنے منصب کے اعتبار سے پوپ بہرحال عیسیٰؑ کا نمائندہ ہے۔

درمیان گذرتے ہوئے چلے جارہے ہیں۔دفعتاً ایک شخص پیچھے سے آ گے ہم سے مل جاتا ہے اور ہم پر سلام بھیجتا ہے۔وہ پوچھتا ہے کہ تم لوگ جو خدا کی برکت سے محروم معلوم ہوتے ہو یہاں تک کیسے چڑھ آئے۔ورجل اسے میرے سفر کے بارے میں بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے جہنم سے بلوایا گیا ہے اس آدمی (دانتے) کی رہبری کرنے کیلئے۔لیکن یہ تو بتا کہ ابھی پہاڑی کیوں ہلی تھی۔وہ شخص بتاتا ہے کہ اس پہاڑی کا یہ مقدس دستور ہے۔یہ پہاڑی تمام طبعی اثرات سے ماوراء ہے۔بادل اور بارش اور دیگر طبعی اثرات سینٹ پیٹر کے دروازے کی تین سیڑھیوں سے اوپر وجود نہیں رکھتے۔پہاڑی کی یہ جنبش طبعی اثرات کے باعث نہیں ہوسکتی۔مگر جب کوئی روح پاک ہوکر اوپر اُٹھتی ہے تب پوری پہاڑی ہلتی ہے اور حمد الٰہی کے نعرہ گونجتے ہیں۔تزکیہ نفس کی تکمیل ارادہ کی تکمیل ہی ہے۔ارادہ کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک کہ عدل خداوندی کے مطابق ہماری خواہش خود ہی عذاب کی طرف مائل نہ ہو،اسی طرح جیسے پہلے گناہ کی طرف مائل تھی۔وہ کہتا ہے کہ میں پانچ سو سال کے عذاب کے بعد آزاد ہوکر اوپر جارہا ہوں،اور میری اس آزادی کی خوشی میں ہی یہ پہاڑی ہلی تھی اور حمد وستائش کے نعرہ بلند ہوئے تھے۔ورجل کے پوچھنے پر وہ کہتا ہے۔"میں اس زمانہ میں زندہ تھا جب رومن شہنشاہ ٹائٹس (Titus) نے یہودیوں سے یسوع مسیح کے زخموں کا انتقام لیا تھا[1]۔میں ایک شاعر تھا اور مجھے شہرت حاصل تھی،مجھے سٹےشیس (Statius) کہتے تھے۔وہ شرر جس سے میرے نغمہ روشن ہوئے اس عظیم شعلہ کی دین ہے جس سے ہزاروں نے نور وحرارت کا فیض حاصل کیا۔میرا مطلب ہے (ورجل کی نظم) اینیڈ (The Aeneip) ورجل کی اینیڈ نے مجھے ایمان کا راستہ دکھایا۔کاش مجھے ورجل کے ساتھ زندگی گزارنے کی سعادت نصیب ہوسکتی چاہے اس کی خاطر مجھے اس غربت پر عذاب میں ایک سال اور اوندھے منہ پڑے رہنا ہوتا"۔یہ سن کر ورجل اپنی نگاہ سے مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کرتا ہے لیکن میں اپنی مسکراہٹ پر قابو نہ رکھ سکا جس کا سبب سٹےشیس نے پوچھا اور مجھے یہ بتانا پڑا کہ یہ میرا رہبر عظیم شاعر ورجل ہی ہے۔سٹےشیس یہ جان کر فوراً ورجل کی قدمبوسی کیلئے جھکتا ہے لیکن ورجل اسے ایسا کرنے سے باز رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ بھائی ایسا نہ کر۔تو ایک سایہ (Shade) ہے اور سایہ ہی کو دیکھ رہا ہے[2] سٹےشیس ہمارے ہمراہ چلنے لگتا ہے۔

---

1۔ سن 45ء سے سن 96ء تک۔ 2۔معلوم ہوتا ہے کہ ورجل جس نے اس سے پہلے سوردیلو کی تعظیم قبول کرلی تھی پوپ ایڈرین پنجم کی مثال سے ہدایت حاصل کرچکا ہے۔

قطعہ 22۔ ہم تینوں شاعر (یعنی دانتے، ورجل اور سٹےشیس) آگے بڑھتے ہیں۔
ہمیں فیاضی (Liberality) کا فرشتہ ملتا ہے اور یہ فرشتہ میری پیشانی سے گناہ کا ایک اور "P"
صاف کر دیتا ہے اور ہمیں چھٹے کانس کی طرف چڑھنے دیتا ہے۔ گناہوں کے ان نشانات کے
بتدریج مٹنے کے ساتھ ساتھ میں اپنے آپ کو بتدریج ہلکا محسوس کرتا جاتا ہوں۔ ورجل سٹےشیس
سے کہتا ہے کہ وہ محبت جو نیکی سے روشن ہوتی ہے دوسری طرف بھی محبت کو روشن کر دیتی ہے[1]۔ جب
سے جووینال (Juvenal) نے مجھے تیری محبت کے بارے میں بتایا تب ہی سے مجھے تجھ سے
غائبانہ انس رہا ہے۔ ورجل کے پوچھنے پر سٹےشیس کہتا ہے کہ میرا گناہ ذخیرہ اندوزی نہیں تھا بلکہ
اسراف تھا (چونکہ دونوں گناہوں کا محرک ایک ہی ہے، یعنی دنیا کے بے جا محبت اس لئے حرص کے
کانس پر ہی اسراف کا بھی مقام ہے[2] ورجل سٹےشیس سے پوچھتا ہے کہ وہ کون سی شمع تھی یا کون سا
آفتاب تھا جس نے تجھے اس ایمان سے یعنی عیسائیت سے روشناس کرایا جس کے بغیر محض نیک عمل
سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ سٹےشیس ورجل سے کہتا ہے کہ وہ تیرا کلام تھا جس نے ایسا کیا اور مجھے خدا
تک پہنچنے کا راستہ بتایا۔ تو ایک ایسے شخص کی طرح تھا جو اندھیری رات میں اپنی پیٹھ پر چراغ لے
کے چلتا ہو جس سے اس کا اپنا اندھیرا تو دور نہیں ہوتا مگر دوسروں کیلئے وہ مشعل ہدایت کا کام کرتا
ہے۔ تو نے ہم کو نئی دنیا کا مژدہ سنایا۔ تیرے کلام سے مجھے ایسی ہدایت ملی کہ میں عیسائی ہو گیا لیکن
خفیہ طور سے، اور اسی اخفا کا کفارہ ادا کرنے کیلئے چار سو سال سے زیادہ عرصہ تک مجھے چوتھے کانس
(کاہلی کے کانس) پر دوڑنا پڑا۔ سٹےشیس ورجل سے قدیم شعراء کے بارے میں پوچھتا ہے۔
ورجل کہتا ہے کہ میں اور یہ قدیم شعرا عظیم یونانی شاعر ہومر کے ساتھ تاریک زندان (جہنم) کے
پہلے حلقہ لمبو میں ہیں۔ ایسٹر کی سہ شنبہ کی صبح کے دس بج چکے ہیں۔ میں ورجل اور سٹےشیس کے پیچھے
پیچھے چل رہا ہوں، ان کی باتیں سنتا ہوا۔ ہم چھٹے کانس پر پہنچ جاتے ہیں۔ راستہ میں ایک درخت ملتا
ہے ہے جو اوپر کی طرف پتلا ہونے کے بجائے موٹا ہوتا چلا گیا ہے تاکہ لوگ اس پر نہ چڑھ سکیں۔ یہ

---

1۔ یہاں ہمیں فرانچکا کے الفاظ یاد آتے ہیں جو جہنم میں ہے (جہنم ۵)، اور اس طرح محبت میں جو فرق ہے اس کا
احساس ہوتا ہے۔

2۔ یہ عام عقیدہ تھا کہ ورجل کے کلام میں عیسیٰ کی آمد کی پیش گوئی اور تجدید کا پیغام ملتا ہے

درخت ایک آبشار سے سیراب ہورہا ہے اور اس کے پھلوں سے نہایت اشتہار آور خوشبو آرہی ہے۔اس درخت کی ایک شاخ سے آواز آتی ہے۔" یہ غذا تمہارے لئے نہیں ہے"۔اور پھر یہی آواز تذکرہ کرتی ہے مریم اور رومن خواتین اور دانیال اور عہد زریں کے لوگوں کا اور بپٹسٹ یوحنا (St. John The Baptist) کا۔یہ آواز چھٹے کانس پر تازیانہ کا کام کرتی ہے ان تائبین کیلئے جو بسیار خوری (Gluttony) یا یوں سمجھئے کہ بداعتدالی کا کفارہ ادا کر رہے ہیں۔

قطعہ 23۔اے خدا میرے لب وا کرتا کہ میرا دہن تیری ستائش کر سکے[1]۔یہ دعائیہ نغمہ وہ لوگ گا رہے ہیں جو بسیار خوری اور بداعتدالی کے گناہ سے پاک ہو چکے ہیں۔یہ لوگ پیچھے سے آ کر ہم سے مل جاتے ہیں۔یہ لوگ فاقہ کشی سے ہڈی چمڑا ہو رہے ہیں اور اس کی آنکھوں میں حلقہ پڑے ہوئے ہیں۔ان میں سے ایک مجھے پہنچان لیتا ہے،اور میں بس اس کی آواز سے پہنچان پاتا ہوں کہ یہ میرا بچھڑا ہوا دوست فوریس دوناتی (Foresedonati) ہے۔فوریس بے تابی سے سوال کرتا ہے کہ تیرے ساتھ کیا ماجرا ہے اور یہ تیرے دو ساتھی کون ہیں۔میں کہتا ہوں تیرا چہرہ جسے میں دنیا میں مردہ دیکھ کے رویا تھا اب مجھے پھر رلا رہا ہے اپنی اس تباہ شدہ حالت سے۔وہ کہتا ہے کہ میں پاک ہو رہا ہوں اپنے گناہوں سے اس درخت اور اس پانی کی بدولت۔ہم لوگ جو یہاں بسیار خوری اور بداعتدالی کا کفارہ ادا کر رہے ہیں اپنی گناہگارانہ اشتہار کا عذاب محسوس کرتے ہیں جب اس پھل کی خوشبو اس اشتہار کو بڑھاتی ہے میں پوچھتا ہوں۔فوریس ابھی تجھے دنیا سے رخصت ہوئے پانچ ہی سال ہوئے ہیں،تو اتنی جلدی یہاں کیسے آ گیا۔فورس کہتا ہے کہ یہ میری عزیز (بیوی) نیلا (Nella) کی دعاؤں کا اثر ہے۔وہ پیش گوئی کرتا ہے کہ فلورنس کی مسرف خواتین کو ایک دن رونا پڑے گا۔فوریس مجھ سے کہتا ہے کہ تو جو ہماری حیرت زدہ آنکھوں کے سامنے سورج کو روک رہا ہے،اپنے بارے میں بتا کہ تیرے ساتھ کیا ماجرا ہے۔میں کہتا ہوں کہ تو جو میرا ہم صحبت تھا،اگر ہم دونوں کی اس پچھلی بے راہروی کی زندگی کو یاد کرے گا تو تجھے تازہ رنج پہنچے گا۔اسی زندگی نے مجھے گمراہ کر دیا تھا مگر اس (ورجل) نے جو میرے آگے چلتا ہے مجھے تباہی سے بچایا اور مجھے جہنم کے تاریک راستہ سے اس پہاڑی پر جو روحانی نقائص کی اصلاح کرتی ہے لے آیا،

1۔یعنی دہن صرف کھانے کے لیے ہی نہیں ہے۔

اور یہ رہبر جیسا کہ وہ کہتا ہے میرا ساتھ ہاں تک دے گا جہاں میں بیاترچے سے ملاقات کرونگا، اور پھر یہ رخصت ہو جائے گا۔ یہ میرا رہبر ورجل ہے اور وہ دوسرا شخص وہ ہے جس کی روحانی آزادی پر ابھی تمام پہاڑی ہلی تھی (یعنی سٹےشیس)۔

قطعہ 24۔ فورلیس دوناتی، ورجل، سٹےشیس اور میں تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں مجھے سب تائبین حیرت سے دیکھتے ہیں۔ میں فورلیس سے اس کی بہن پکارڈا (Pacarda) کے بارے میں پوچھتا ہوں، اور وہ بتاتا ہے کہ پکارڈا جنت میں ہے۔ فورلیس لوکا (Lucca) کے بون گوینتا (Bonguinta) اور بہت سے دوسرے لوگوں کے بارے میں بتاتا ہے جو اس کے ساتھ اس چھٹے کانس پر ہیں۔ بون گوینتا مجھے دیکھ کر کچھ کہتا ہے، اور ایسا سنائی دیتا ہے کہ اس نے جین تکا (Gentucca) کہا تھا۔ اس نے کچھ ایسا کہا تھا کہ یہ وہ خاتون ہے جو تیرے اوپر مصیبت کے دنوں میں مہربان ہوگی[1]۔ وہ مجھ سے پوچھتا ہے کہ کیا تو وہی شاعر ہے جس نے (طرز لطیف دنو کا) وہ نغمہ گایا ہے:-"اے خواتین تم جو عشق کو سمجھتی ہو[2]۔ میں کہتا ہوں" میں وہ ہوں جس کے اندر جب عشق نفس زن ہوتا ہے تو وہ اس کی آواز سنتا ہے اور اس کے ایماء پر طرز بندی کر کے لوگوں کے لئے گیت ڈھالتا ہے"۔ پھر دفعتاً جیسے دریائے نیل کے کنارے زمستانی توقف کرنے والے پرندہ ایک دم قطار باندھے ہوئے ہوا میں اڑ جاتے ہیں اس طرح وہ سب ارواح تائبین ہم سے دور ہو جاتے ہیں۔ فورلیس کچھ دیر ہمارے ساتھ چلتا ہے اور اپنے بھائی (سیاہ فرقہ کے لیڈر کورسد ودوناتی[3]) کی تباہی کی پیشن گوئی کرتا ہے اور پھر تیزی سے بھاگ جاتا ہے ہمیں ایک اور ثمر بار درخت نظر آتا ہے۔ اس کے نیچے لوگ طلب میں ہاتھ پھیلا پھیلا کر فریاد کرتے ہیں اور پھر چلے جاتے ہیں۔ درخت کے پتوں میں سے آواز آتی ہے" چلے جاؤ، اس سے اجتناب کرو۔ چٹان کے اوپر (جنت ارضی میں) وہ درخت ابھی تک کھڑا ہے جس نے حوا کی خواہش پوری کی تھی، یہ درخت اسی کی پود سے ہے"۔ یہ

1 جین تکا وہ خاتون ہے جس نے جلاوطنی کے زمانہ میں دانتے کو پناہ دی، اور دانتے لوکا میں غالباً 9-1307ء کے دوران اس معزز خاتون کے ہاں مہمان رہے۔

2۔ حیات نو کا مشہور اوڈ 3 دانتے کیلئے فن اور شاعری کا محرک بھی عشق ہے۔

3۔ کورسو دوناتی کا سفید فرقہ کے لوگوں کو جلاوطنی کرنے میں بڑا ہاتھ تھا۔

آواز تھیسیس (Theseus) سے لڑنے والے قنطور (Cenaurs) اور جذیون کے ٹھکرائے ہوئے یہودی ساتھویں کی بداعتدالی کی مثالیں دیتی ہیں۔ اس طرح یہ آواز بسیار خوری اور بداعتدالی (Temperence) کا فرشتہ ملتا ہے جس کے دہکتے ہوئے جسم سے نہایت سرخ روشنی نکل رہی ہے۔ وہ ہمیں ساتویں کانس پر چڑھنے کیلئے گذرگاہ بخشش کا راستہ بتاتا ہے اور میری پیشانی سے گناہ کا ایک اور "P" صاف کردیتا ہے اور یوں نغمہ سرا ہوتا ہے۔" بابرکت ہیں وہ لوگ جو توفیق خداوندی (Divinegrace) سے اس طرح منور ہوتے ہیں کہ ان کی اشتہا صرف راست بازی کیلئے ہوتی ہے"۔

قطعہ 25۔ ہم تینوں ساتویں کانس کی طرف چڑھ رہے ہیں۔ میرا حال وہ ہے جو اس بگلے کے بچے کا ہوتا ہے جو پرواز کی آرزو کرتا ہے اور پر پھڑ پھڑاتا ہے لیکن گھونسلہ چھوٹنے کے ڈر سے گر جاتا ہے اور گھونسلہ ہی رہ جاتا ہے۔ اسی طرح سے ایک سوال پوچھنا چاہتا اور پوچھ نہیں پاتا۔ ورجل ہمیشہ کی طرح میرے دل کی بات جانتا ہے اس سوال کے پوچھنے کی تشویق کرتا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ روحوں کی اس دنیا میں جہاں کھانا پینا غیر ضروری ہے کیونکر ایسی لاغری پیدا ہوسکتی ہے۔ ورجل مجھے میلیگر (Meleager) کے کھلنے کے واقعہ کی یاد دلاتا ہے اور پھر سٹےشیس سے فرمائش کرتا ہے کہ وہ اس مسئلہ کی وضاحت کرے۔ سٹےسیش کہتا ہے کہ" شکم مادر میں حمل قرار پانے کے بعد اور روح نباتائی (Vegatative Soul) اور اعضائے جسمانی کی تشکیل کے بعد روح حیوانی (Animal Soul) انسان کے جسم میں نفوذ کرتی ہے، مگر دماغ کی تشکیل کے بعد خدا انسان میں روح عاقل (Rational Soul) ڈال دیتا ہے جو ان دونوں روحوں سے مل کر جسم و روح کا ایک نیا مرکب وجود میں لاتی ہے، جو زندہ اور حساس اور خود آگاہ ہوتا ہے۔ اسی مرکب کا خاصہ ہے کہ انسانی وجود میں انفرادیت پیدا ہوتی ہے، جو مرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے، اور اس معاملہ کو ابن رشید جو روح کا مسکن مخصوص عضو بدن میں تلاش کررہا تھا نہیں سمجھ سکا۔ مرنے کے بعد انسانی وجود کی نچلی صلاحیتیں (جو جسم کی محتاج ہیں) غیر فعالی اور خوابیدہ ہو جاتی ہیں لیکن اعلی صلاحیتیں (یعنی حافظہ، عقل اور ارادہ) اپنی فعالیت باقی رکھتی ہیں، بلکہ ان کی فعالیت اور نکھر جاتی ہے۔ روح جو ترکیب دینے والا وصف ہے آس پاس کی ہوا سے ایک جسم تشکیل کرلیتی

ہے جسے ہم لوگ سایہ (Shade) یا زمین پر لوگ بھوت کہتے ہیں۔ یہ ہوائی جسم روح کے ارادہ کا پورا تابع ہوتا ہے، اور اس کے ارادہ کے مطابق نچلی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر چیزوں کو محسوس کرتا ہے اور اپنے آپ کو محسوس یا غیر محسوس بنالیتا ہے[1]۔ اس لئے روحانی دنیا میں جسم کی خصوصیات روح کے ارادہ پر منحصر ہیں۔ اور یہ تیرے سوال کا جواب ہے۔'' ہم ساتویں کانس پر پہنچتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایک آگ کی دیوار ہے[2] جو اس کانس کے اطراف حلقہ بناتی ہوئی چلی گئی ہے۔ ہم تینوں (شاعروں کو) اس دیوار کے کنارے کنارے چلنا ہوتا ہے۔ مجھے بہت ڈر لگتا ہے کیونکہ ایک طرف تو آگ ہے اور دوسری طرف بے پناہ گہرائی۔ اس آگ کے اندر ساتویں کانس پر نفسانی ہوس اور شہوت (Lust) کا تزکیہ عمل میں آتا ہے۔ آگ کے اندر سے خدائے رحیم وکریم کی حمد کا نغمہ سنائی دیتا ہے اور الدواح تائبین ادھر ادھر جاتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ میں کبھی ان ارواح کو دیکھتا ہوں، اور کبھی اپنے قدموں کو۔ آگ کے اندر سے کوئی مریم عذرا کے یہ الفاظ دہراتا ہے:- ڈائنا (Diana) جنگل میں رہتی تھی، اور اس نے ہیلس (Helice) کی دوشیزگی ختم ہونے پر اسے وہاں سے نکال دیا''۔ یہ مثالیں اس ساتویں کانس کا تازیانہ ہیں۔ یہاں آگ کے اثر سے'' گناہ کے آخری زخم کا درمان ہوتا ہے''۔

قطعہ 26۔ ورجل مجھ سے ہوشیاری سے چلنے کو کہتا ہے۔ ایسٹر کی سہ شنبہ کی عصر کا سورج میرے جسم کا سایہ آگ پر ڈال رہا ہے، اور جہاں یہ سایہ پڑتا ہے وہاں آگ کا رنگ بدل کر سرخ ہوجاتا ہے۔ آگ کے اندر تائبین اس بات کو دیکھ کر ٹھٹک ٹھٹک جاتے ہیں اور مجھے ایک دوسرے کو دکھاتے ہوئے کہتے ہیں۔'' دیکھو اس کا جسم کیسا غیر شفاف ہے''۔ ان میں سے کچھ احتیاط سے آگے بڑھ کر لیکن آگ کے اندر ہی سے مجھ سے مخاطب ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تو کون ہے اور کیونکر اپنے جسم کو سورج کی روشنی کیلئے دیوار بنائے ہوئے ہے، اس طرح کہ جیسے ابھی

---

1۔ اسی لئے دانتے کے لئے ورجل محسوس ہے لیکن کاسیلا غیر محسوس۔

2۔ آگ شہوت نفسانی کی علامت ہے لیکن تائب کیلئے جو اس میں اپنی مرضی سے جل کر پاک ہوتا ہے یہی آگ عشق مظہر کی علامت بن جاتی ہے۔ یہاں سوزش گناہ اور سوزش عشق اور ایک ہی تجربہ میں ضم ہیں، اور ہر تائب کا اسک تجربہ سے گذرنا ضروری ہے۔

تک تو مرانہ ہو۔ جس سمت سے یہ تائبین آ رہے ہیں اس کی مخالف سمت سے تائبین کا ایک دوسرا گروہ آ تا ہے، اور دونوں گروہوں کے لوگ ایک دوسرے کو ایک لحہ کیلئے اس طرح بوسہ دیکر[1] مخالف سمتوں میں بھاگ جاتے ہیں جیسے مخالف سمتوں سے آتی ہوئی چیونٹیاں چلتے چلتے ایک لحہ کیلئے رک کر ایک دوسرے کو اپنی ناکوں سے چھوتی ہیں، راستہ معلوم کرنے کیلئے یا احوال پرسی کرنے کے لئے یا نہ جانے کس لئے، اور پھر اپنے راستہ پر مخالف سمتوں میں روانہ ہو جاتی ہیں۔ دوسرا گروہ پکارتا ہے۔ ''سوڈم (Sodom)! گومورا (Gomorrah)!'' اور پہلا گروہ گاؤں نما پے سفی (Pasiphee) اور سانڈ کی شہوت کا حوالہ دیتا ہے[2]۔ یہ بالترتیب غیر فطری اور فطری شہوت کی مثالیں ہیں جو اس کانس پر تائبین کیلئے زمام ہیں۔ جو لوگ پہلے مجھ سے مخاطب ہوئے تھے پھر میرے نزدیک آتے ہیں بڑے اشتیاق سے۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ میں زندہ ہوں اور ایک آسمانی خاتون کے لطف و کرم کی بدولت پاکیزگی قلب ونظر کی خاطر ان بلندیوں کا سفر کر رہا ہوں۔ لیکن تم لوگ کون ہو، مجھے بتاؤں تا کہ میں قلمبند کر سکوں۔ وہ سب بڑی حیرت سے مجھے دیکھتے ہیں، اور پھر ان میں سے ایک مجھ سے ہم کلام ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے'' میرے گروہ کا گناہ فطری شہوت ہے جس کی وجہ سے ہم لوگ حیوان کی سطح تک گر گئے تھے اور دوسرے گروہ کا گناہ غیر فطری شہوت ہے۔ میں سب کے نام تو نہیں بتا سکتا اور نہ ہی اس کیلئے وقت ہے لیکن اپنا نام بتا سکتا ہوں۔ میں گوئدو گوینی چیلی (Guido Guine Celli)[3] ہوں، اور سیدھا یہاں آ کر پاک ہو رہا ہوں کیونکہ میں پورے طور سے توبہ کر کے مرا تھا۔'' میں اپنے اس'' پدر معنوی'' کو بڑی دیر تک عقیدت بھری نظروں سے دیکھتا رہتا ہوں، کیونکہ یہ وہی شاعر اعظم ہے جس نے '' طرز لطیف ونو'' کی بنیاد ڈالی تھی۔ میں اس سے کہتا ہوں کہ تیرے کلام نے ہماری زبان کو لازوال دولت بخشی ہے۔ گوینی چیلی ایک دوسرے شاعر کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے کہ بھائی ہمارے گروہ میں مادری زبان

---

1 عشق میں پاکیزگی ہونے سے بوسہ گناہ کی بجائے نیکی کی علامت بن جاتا ہے۔ موازنہ کیجئے اس بوسہ کا پاولو اور فرانچکا کے بوسہ سے۔ 2 ۔ سوڈم اور گوموراشہر جن کا انجیل میں تذکرہ ہے غیر فطری شہوت کی علامت ہیں۔ پے سفی کریٹ کے بادشاہ مینوس کی بیوی تھی جس نے شہوانی خواہش کی تسکین کیلئے ایک خوبصورت سانڈ سے تعلق قائم کیا۔

3 '' طرز لطیف ونو'' کا وہی استاد فن شاعر جسے دانتے نے اپنا'' معنوی پدر'' تسلیم کیا ہے۔

کا ایک بہتر صانع الفاظ موجود ہے۔ اور پھر گوینی چیلی شاید اپنے ساتھیوں کو جگہ دینے کے خیال سے شعلوں میں اس طرح غائب ہو جاتا ہے جیسے گہری جھیل میں مچھلی جس شاعر کی طرف گوینی چیلی نے اشارہ کیا تھا میں اس سے مخاطب ہوتا ہوں۔ وہ اپنا نام آرناٹ ڈینیل (Arnaut Daniel)[1] بتاتا ہے اور مجھ سے درخواست کرتا ہے کہ میری تکلیف کو یاد رکھنا، اور یہ کہہ کر شعلوں میں غائب ہو جاتا ہے۔

قطعہ 27۔ سورج غروب ہونے والا ہے۔ ہم تینوں (یعنی دانتے، ورجل اور سٹےشیس) پہاڑ کے مغربی حصہ پر پہنچ چکے ہیں۔ آگ کے اس پار جہاں گزرگاہ بخشش ہے عفت (Chestity) کا فرشتہ کھڑا ہے اور پکار کے کہہ رہا ہے۔ "بابرکت ہیں وہ لوگ جن کا دل پاک ہے (کیونکہ وہ خدا کا دیدار کریں گے)"۔ وہ ہم سے کہتا ہے کہ تم لوگوں کو آگ سے اندر دیکھا، اور تصور جلے ہوئے جسموں کا۔ ورجل مجھ سے کہتا ہے "اس آگ میں تجھے تکلیف ضرور ہوگی مگر تو مرے گا نہیں۔ میری بات پر یقین کر۔ یہ سوچ کہ میں جو جیریون (Geryon) کی پیٹھ پے بٹھا کر تجھے سلامت لے آیا، اب خدا کے قرب سے کیونکر تجھے محروم ہونے دونگا...... اگر میری بات پر یقین نہیں ہے تو آگے بڑھکر اپنے دامن کا سرا آگ میں دے کے دیکھ لے۔ ڈرمت۔" مگر ان سب باتوں کا مجھ پر کوئی اثر نہ ہوا اور میں اپنی جگہ سے ذرا بھی نہ ہلا۔ آخرکار ورجل نے کہا "میرے فرزند، دیکھ، تیرے اور بیاترچے کے بیچ اب یہی دیوار ہے۔" جیسے مرتے ہوئے پرے مس (Pyramus) نے تھسبی (Thesbe) کا نام سن کر سر اٹھایا تھا اس طرح بیاترچے کا نام سن کر میں ورجل کی طرف آمادگی سے مڑا[2]۔ ورجل پہلے خود آگ میں داخل ہوا، پھر سٹےشیس اور پھر

---

1۔ مشہور پرووانسال نغمہ گر (Troubadour) جو بارہویں صدی کے اواخر میں تھا۔ وہ اٹلی کے علاوہ اسپین، فرانس اور انگلینڈ میں بھی رہ چکا ہے۔ وہ درباری عشق (Courtly Love) کی شاعری میں استادفن مانا جاتا تھا اور اس کی ندرت کلام اور تکنیکی کمال سے دانتے متاثر ہوئے۔ 2۔ یہ بات قابل غور ہے کہ خدا کے قرب کا واسطہ دیئے جانے پر دانتے کو جنبش نہیں ہوتی۔ لیکن بیاترچے کا نام سنتے ہیں وہ آگ میں کودنے کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے۔ دراصل محبوب ازلی محبوب ارضی میں ہی جلوہ گر ہے اور اسی کے وسیلے سے مل سکتا ہے خدا سے اس وقت تک کوئی رشتہ قائم نہیں رہ سکتا جب تک کہ (عشق کے ذریعہ) دنیا سے صحیح رشتہ قائم نہ ہو۔ وہ خدا جو محض تجرید (Abstraction) ہو ایک کھوکھلا اور گمراہ کن تصور بن کے رہ جاتا ہے۔

میں۔اگر ممکن ہوتا تو میں ٹھنڈک پانے کیلئے اپنے آپ کو پگھلے ہوئے شیشہ میں ڈال دیتا، اس قدر سوزش تھی اس آگ میں۔ ورجل میرا دل بڑھانے کیلئے بیاترچے کا تذکرہ کرتا رہتا ہے، اور میں ورجل وسٹےشیس کے ہمراہ سے گزر کر گذرگاہ بخشش تک پہنچ جاتا ہوں۔عفت کا فرشتہ جس کے نور سے میری آنکھیں چندھیا جاتی ہیں میری پیشانی سے گناہ کا آخری''P''صاف کردیتا ہے ہم تینوں (شاعر) گذرگاہ بخشش کے راستہ چڑھنے لگتے ہیں۔لیکن کچھ دور جا کر ہمیں رکنا پڑتا ہے کیونکہ سورج ڈوب جاتا ہے اور ہماری آگے بڑھنے کی طاقت سلب ہوجاتی ہے۔اب مجھے ستارے اتنے زیادہ بڑے اور روشن نظر آتے ہیں کہ پہلے کبھی نظر نہ آئے تھے، اور انہیں دیکھتے دیکھتے میں سو جاتا ہوں۔ مجھے خواب میں ایک نوجوان اور خوبصورت خاتون پھول توڑتی ہوئی نظر آتی ہے۔وہ کہتی ہے کہ میں لیہ (Leah) ہوں اور اپنے لئے پھولوں کا ہار بنا رہی ہوں، لیکن میری بہن ریچل (Rechel) اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرتی اور دن بھر آئینہ کے سامنے بیٹھی رہتی ہے۔ میں عمل (Action) پسند کرتی ہوں اور ریچل تفکر یا گیان دھیان (Contemplation)[1] صبح نمودار ہوئی (ایسٹر کی چہارشنبہ کی صبح)، اور سورج کی روشنی نے جو گھر لوٹنے والے مسافروں کے لئے خوش آیند ہوتی ہے تاریکی کو دور کردیا اور اسی کے ساتھ میری نیند کو بھی۔ہم تینوں (شاعر) پھر اپنے سفر پر روانہ ہوجاتے ہیں۔میں اب ایسی سرعت سے آگے بڑھ رہا ہوں جیسے میرے پیروں میں پر لگ گئے ہوں (اس لئے کہ میں گناہوں کے بوجھ سے ہلکا ہوگیا ہوں)۔ چڑھتے چڑھتے جب ہم پہاڑی زینہ کی سب سے اوپر کی سیڑھی پر پہنچتے ہیں تو ورجل مجھ سے کہتا ہے کہ۔''اب میں تجھے ایسے مقام پر لے آیا ہوں جس سے پرے میں خود کچھ نہیں دیکھ سکتا۔تو اب اپنی خوشی کو ہی اپنا رہبر بنا۔اس سورج کی روشنی کو، اس سبزے کو اور ان پھولوں کو دیکھ، اور اب کو خوبصورت آنکھیں تیرے نزدیک آرہی ہیں جن کے آنسوؤں نے مجھے تیری رہبری کیلئے بھیجا تھا۔مجھ سے کسی لفظ یا اشارہ کی توقع نہ کر، تیرا عزم آزاد (Free Will) نیک اور سالم ہے اور تجھے کسی رہبری کی ضرورت نہیں''۔

قطعہ 28۔ ہفتہ ایسٹر کے چہارشنبہ کی صبح ہے۔ جنت ارضی ( Earthly

---

1۔ گیان دھیان کی زندگی سے پہلے عمل کی زندگی اپنانا ضروری ہے۔

Paradise) کے مقدس جنگل[1] میں اب میں آگے آگے چل رہا ہوں۔ سبزہ زار سے گزر کر میں ایک چشمہ کے کنارے پہنچ جاتا ہوں۔ خوشگوار نسیم اور پرندوں کے نغموں اور روشنی سے لطیف فضا معمور ہے۔ چشمہ کا پانی اس قدر شفاف ہے کہ ہماری دنیا کے سب چشمہ اس کے آگے گدلے معلوم ہونگے۔ میں کنارے پر اگے ہوئے پھولوں کی جھاڑیوں کو دیکھ رہا ہوں۔ ایک حسین خاتون نمودار ہوتی ہے۔ وہ چشمہ کے دوسرے کنارے پھول توڑ رہی ہے اور ایک گیت گنگنا رہی ہے[2]۔ میں اس سے کہتا ہوں کہ تجھے دیکھ کر مجھے (بہاروں کی دیوی) پرورسرپین (Proserpine) اور اس کے ساتھ بہاروں کے کھوئے جانے کا واقعہ یاد آتا ہے۔ وہ کہتی ہے۔ ''یہ مقام وہ (جنت ارضی) ہے جہاں خدا نے پہلے پہل انسان کو رکھا تھا، صرف خیر کی خاطر۔ کرۂ ہوا کی گردش جو کرہ ہائے افلاک کے زیر اثر ہوتی ہے اس مقام سے ٹکراتی ہے اور اس خوشگوار نسیم کو پیدا کرتی ہے، اور اسی طرح اسی مقام کے وسیلہ سے تمام اوصاف (Virtus) نیچے کی دنیا تک پہنچتے ہیں۔ اس لئے کوئی تعجب کی بات نہیں اگر یہاں بغیر تخم کے درخت پیدا ہو جاتے ہیں۔ تمام موجودات ارضی کی اصل یہاں موجود ہے اور یہاں کی بہاریں لازوال ہیں۔ یہاں کا پنی بادلوں سے نہیں بنتا بلکہ اس کا منبع مشیت خداوندی ہے، اور یہ دو طرف رہتا ہے۔ اس طرف اس چشمہ کو لیتھے ( Lethe ) کہتے ہیں اور دوسری طرف یونو (Eunoe)۔ اس طرف کا چشمہ یعنی لیتھے حافظہ سے گناہوں کی یاد مٹاتا ہے اور دوسری طرف کا چشمہ یعنی یونو حافظہ میں نیکیوں کی یاد واپس لے آتا ہے[3] اور پہلے لیتھے کا مزہ چکھنا ضروری ہے۔ ''قدماء نے جو عہد زریں کا تصور کیا تھا وہ اسی سرزمین کا تصور تھا''۔ یہ سن کر میں پلٹ کر پیچھے کھڑے ہوئے ورجل اور سٹےشیس کو دیکھتا ہوں جو مسکراتے ہیں، اور پھر پلٹ کر اس خاتون کی طرف متوجہ ہو جاتا ہوں۔ جیسا کہ بعد میں معلوم ہوتا ہے یہ خاتون ماٹلڈا (Matilda) ہے۔

---

1۔ یہاں ہمیں اس تاریک جنگل کی یاد آتی ہے جس میں اپنی تخت دلی کے باعث دانتے گمراہ ہو گیا تھا۔ ان دونوں جنگلوں میں جو فرق ہے وہ گناہ اور بے گناہی کا فرق ہے۔ جنت ارضی کے مقدس جنگل میں داخل ہونے کا مطلب ہے معصومیت کی بازیافت۔ لیکن انسان کی منزل اس سے آگے ہے۔

2۔ یہ خاتون جس کا نام ماٹلڈا ہے عمل کی زندگی سے تعلق رکھتی ہے۔

3۔ یعنی گناہ صرف خدا کی رحمت کے اظہار کے مواقع کی حیثیت سے یاد رہ جاتے ہیں۔

قطعہ 29۔ میں اس چشمہ کے اس کنارے پر چل رہا ہوں اور وہ خاتون (مائلڈا) دوسرے کنارے پر۔ کوئی سوقدم چلنے کے بعد چشمہ کے موڑ کے ساتھ ساتھ میں بھی مشرق کی طرف مڑ جاتا ہوں۔ دفعتاً جنگل میں سے نہایت تیز نور میری طرف آتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ تمام فضا آگ کی طرح روشن ہو جاتی ہے اور ایک نہایت شیریں نغمہ سے معمور ہو جاتی ہے۔ سامنے سات سنہری درخت نظر آتے ہیں جو بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ سنہری شمعیں ہیں،[1] اور ایک نورانی جلوس آتا ہوا نظر آتا ہے۔ میں اس ماجرہ کو سمجھنے کے لئے پلٹ کر ورجل کی طرف دیکھتا ہوں، مگر ورجل خاموش ہے اور خود بھی حیران نظر آتا ہے۔ میں پھر جلوس کی طرف دیکھتا ہوں جس میں مجھے ایک سفید پوش مخلوق نظر آتی ہے۔ اس کا لباس اس قدر براق ہے کہ انسانی نظر اس کی تاب نہیں لا سکتی۔ میرے بائیں طرف چشمہ کا پانی اس نور کو منعکس کرتا ہے اور میں جب اس طرف پلٹتا ہوں تو مجھے پانی کے آئینہ میں اپنا عکس نظر آتا ہے۔ میں کچھ قدم آگے بڑھتا ہوں اور جبکہ بیچ میں صرف چشمہ حائل ہے میں اس منظر کو اور اچھی طرح دیکھنے کیلئے رک جاتا ہوں۔ اور وہ شعلے میری طرف بڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں اور فضا میں قوس قزح کے سات رنگ پھیل جاتے ہیں۔ چوبیس بزرگ[2] جن کے سروں پر سوسن کے پھلوں[3] (Lilleis) کے تاج پہنے ہیں دوشیزۂ بابرکت مریم عذرا کی ستائش میں نغمہ خواں چلے آرہے ہیں۔ ان کے پیچھے چار پَردار جانور ہیں[4] جن کے پروں میں آنکھیں ہیں۔ ان جانوروں کے درمیان ایک سواری[5] چلی آرہی ہے۔ وجے رتھ[6] (Truimphcar) کو کھینچنے والا گریفن

---

1۔ یہ وہ سات عطیہ ہیں جو روح القدس کی طرف سے انسان کو ملے ہیں۔ (عقل، فہم، ہدایت، طاقت، علم، پاکبازی، اور خدا ترسی اور روبلیشن (Revelation) کی سات سنہری شمعوں کی تعبیر ہیں۔

2۔ سینٹ جیروم کی ترتیب کے مطابق توریت کی چوبیس کتابیں۔ 3۔ سوسن کے پھول راست بازی کی علامت ہیں۔

4۔ القا (Apocalypse) کے چار جانور (روبلیشن 8,6,4) جو اناجیل کے چار مؤلفوں کے علامت ہیں مگر صحیفۂ ازیکیل (Ezekiel) کے چار فرشتوں سے بھی ان کا معنوی تعلق ہے۔

5۔ عشائے ربانی (Eucharist) کی علامت ہے۔ اس سواری اور جلوس کا مقصد تجسیم خداوندی (Incarnation) کے رموز کا الہام ہے۔ اور دانتے کے لئے تجسیم خداوندی کا اثبات بیاترچے کی شخصیت کا اثبات ہے۔ اس لئے عشائے ربانی کا یہ جلوس بیاترچے کا بھی جلوس ہے جیسا کہ بعد میں انکشاف ہوتا ہے

6۔ کلیسائے فتح مند (The Church Truemphant) کی علامت ہے۔

(Griphon) ہے (جو آدھا شیر آدھا عقاب ہے)[1]۔ وجے رتھ کے داہنے پہیے کے پاس تین دوشیزائیں رقص کررہی ہیں، پہلی کا رنگ سرخ ہے، دوسری کا سبز اور تیسری کا سفید[2] بائیں پہیئے کے پاس چار دوشیزائیں رقص کررہی ہیں جن کا لباس ارغوانی ہے[3] وجے رتھ کے پیچھے سات بزرگ ہیں جن کے سروں پر سرخ پھولوں کے تاج ہیں[4]۔

قطعہ 30۔ کوئی پکارتا ہے۔ ''اے عروس لبنان[5] اور سب نغمہ سرا ہوتے ہیں، بابرکت ہے تو اے آنے والے'[6] اور پھول برساتے ہیں۔ پھولوں کی اوٹ سے ایک آفتاب کی طرح روشن چہرہ نمودار ہوتا ہے جس پر سفید نقاب پڑا ہوا ہے۔ یہ چہرہ ایک خاتون کا ہے جو سبز لبادہ اور سرخ قبا پہنے ہوئے ہے[7]۔ ہمیشہ کی طرح اس خاتون کی موجودگی سے میرے سارے وجود میں لرزش پیدا ہوتی ہے اور میں پرانے (عشق کے) شعلہ سے مغلوب ہوجاتا ہوں جیسے کہ بچہ ہراساں ہوکر ماں کے طرف پلٹے اس طرح میں ورجل کی طرف پلٹتا ہوں، مگر ورجل وہاں نہیں ہے، مہربان ترین پدر عزیز ورجل وہاں نہیں ہے۔ اور اس بات پر میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے ہیں۔ اس خاتون کی آواز ہے۔ '' دانتے، ورجل کے غائب ہونے پر مت رو! جلد ہی ایک دوسری تلوار تجھ کو رلائے گی...... دیکھ ہمیں اچھی طرح ہم درحقیقت بیاترچے ہیں[8]۔ تو نے اس پہاڑی پر چڑھنے کی

1۔ یسوع مسیح کی علامت ہے جس میں صفات انسانی اور صفات خداوندی کا سنگم ہے۔
2۔ یہ دینی نیکیاں ہیں یعنی ایمان (سفید) رجا، (سبز) اور احسان (سرخ)
3۔ یہ فطری نیکیاں ہیں یعنی عدل، حکمت، عفت، اور شجاعت
4۔ یہ انجیل (New Testament) کی بقیہ کتب ہیں۔ سرخ پھول انجیل کی علامت ہیں جو انجیل کی خصوصیت ہے۔
5۔ عروس لبنان، جو بیاترچے کے علاوہ مریم عذرا کی طرف بھی اشارہ ہے۔ انسانی روح کی علامت ہے جس کا خدا سے ناطہ ہے۔
6۔ اگرچہ آنے والا بیاترچے ہے، مگر مذکر کے صیغہ کا استعمال جو انہی الفاظ میں رسم عشائے ربانی یا Mass کی دعا میں ہوتا ہے اس بات کو صاف ظاہر کرتا ہے کہ یہاں یسوع مسیح سے بھی مراد ہے، یعنی بیاترچے میں یسوع مسیح بھی موجود ہیں اور یہی عشائے ربانی کی پاک روٹی Holy Host ہے۔
7۔ یہ سفید، سبز اور سرخ رنگ دینی نیکیوں کی علامت ہیں۔ 8۔ بیاترچے جو عشائے ربانی کی پاک روٹی (The Holy Host) ہے وجے رتھ میں یسوع مسیح کی جگہ نمودار ہوتی ہے۔ بیاترچے کا پیکر تین سطحوں پر معنی پیدا کرتا ہے۔ (1۔ لغوی اعتبار سے بیاترچے وہ فلورنطینی خاتون ہے جس سے دانتے کو عشق ہے 2۔ اخلاقی اعتبار سے بیاترچے کا وہ پیکر ہے جو حامل الوہیت ہے اور اس طرح ایک فرد کی نجات کا وسیلہ ہے۔ 3۔ تاریخی اعتبار سے یعنی انسانی معاشرہ کی دنیا میں عیسیٰ کی وہ حقیقی جسم ہے جو مستقلاً دنیا میں ہے۔ جس کی علامت کلیسا ہے اور جس کی موجودگی کا احساس رسم عشائے ربانی سے تازہ ہوتا ہے۔

کیونکر جرات کی کیا تو نہیں جانتا کہ یہاں انسان مسرور و شاد ماں ہے''؟ میں نگاہیں نیچی کر لیتا ہوں چشمہ میں مجھے اپنا عکس نظر آتا ہے جس سے میں فوراً ہی نظریں ہٹا لیتا ہوں میں نہ آہ بھر سکتا ہوں نہ آنسو بہا سکتا ہوں۔ لیکن جب جلوس کی آسمانی مخلوق میرے واسطے رحم کی التجا میں نغمہ سرا ہوتی ہے تو وہ بندھن کے جو میرے دل کو جکڑے ہوئے تھے پگھل جاتے ہیں اور میرا درد و غم دیدہ و دہن سے پھوٹ پڑتا ہے۔ بیاترچے آسمانی مخلوق سے کہتی ہے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ یہ آدمی اپنی تقصیر بھی محسوس کرے۔ قدرت نے اس آدمی کو اس کی ''حیاتِ نو[1]'' میں غیر معمولی صلاحیت عطا کی تھی، لیکن اس نے اپنی زرخیز مٹی میں فاسد خس و خاشاک اگائے۔ میں جب تک زندہ تھی اسے سنبھالے ہوئے تھی۔ لیکن میرے انتقال کے بعد یہ مجھے بھول گیا اور اس نے غیروں سے ناتہ جوڑ لیا، اور یہ اس نے تب کیا جب گوشت پوست سے ماوراء ہونے پر میرا حسن اور میرے اوصاف اور زیادہ نکھر آئے۔ تب اس کا دل مجھ سے ہٹ گیا اور یہ باطل صورتوں (Pargoletta) کے چکر میں گمراہ ہو گیا اور اتنا گر گیا کہ اس کی روحانی نجات کا ایک یہی راستہ رہ گیا تھا کہ اسے جہنم کی روحوں کی کیفیت دکھائی جائے۔ اور اس کے لئے میں مردوں کی دنیا میں گئی اور رو رو کر اس کی رہبری کیلئے ایک شخص (ورجل) کو آمادہ کیا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ لیتھے کا چشمہ پار کرنے سے پہلے یہ شخص ندامت کے کچھ آنسو بہائے۔

قطعہ 31۔ بیاترچے اپنی تقریر کی نوک سے مجھے چھیدتے ہوئے بولی۔ ''بول یہ سب سچ ہے نہ۔ تو خود ہی اعتراف کر''۔ میں پہلے تو بول نہیں پایا، مگر آخر میں مجھے ''ہاں'' کہنا پڑا، اور میری آواز آہوں اور سسکیوں میں ٹوٹ ٹوٹ گئی۔ ''میری تمنا کے دوران جو تجھے خدا کی طرف لے جا رہی تھی تجھے کس نے موہ لیا۔ وہ کون سی ایسی چیز تھی جس کی وجہ سے تو نے تمام امیدیں چھوڑ دیں، اور غیروں کی چاہت میں ایسی کون سی بات تھی جو تو ان کی طرف کھنچ گیا''۔ اس بات کا میں نے بمشکل روتے ہوئے یوں جواب دیا۔ ''جب تیرا چہرہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا تو عارضی اشیاء کی محبت اور انکی جھوٹی خوشی نے مجھے گرفتار کر لیا''۔ بیاترچے کہتی ہے ''میرے حسین جسم سے زیادہ فن

---

1۔ رمزیت کے اعتبار سے یعنی روح اور خدا کے تعلق کے اعتبار سے بیاترچے دستور اثباتی کے اصول کی تعبیر ہے جس کی بدولت انسانی روح کسی پیکر (Mage) کے وسیلے سے وصالِ خداوندی سے آشنا ہوتی ہے۔

اور فطرت کی کوئی بھی چیز تیرے لئے خوش آئند نہ تھی۔ لیکن جب یہ فنا ہو گیا تو دنیا کی کسی بھی فانی چیز کی محبت میں تجھے اٹکنا نہیں چاہئے تھا۔ کسی ''ایسی ویسی لونڈیا'' (Pargoletta)[1] کی محبت میں، یا ایسی ہی کسی عارضی شے کی محبت میں، بلکہ تجھے میرے حسنِ ابدی کی تمنا کرنی تھی۔'' میں تصور وار بچے کی طرح نظر جھکائے خاموش کھڑا ہوں۔ بیاترچے مجھ سے نظر اٹھانے کو کہتی ہے۔ وہ گریفن کے سامنے کھڑی ہے اور پہلے سے زیادہ حسین نظر آ رہی ہے۔ مجھے ایسی شدید ندامت ہوتی ہے کہ اس کی اذیت سے بے ہوش ہو جاتا ہوں۔[2] ہوش میں آنے پر مائلڈا کو اپنے پاس پاتا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مجھے بیہوشی کے عالم میں مائلڈا نے لیتھے کے پانی میں غوطہ دیا تھا اور اب اس وقت مجھے پانی سے باہر کھینچ رہی تھی۔ وہ ایک بار پھر مجھے اس پانی میں غوطہ دیتی ہے تاکہ میں پانی پی لوں، اور جہاں وہ چار دوشیزائیں رقص کر رہی تھیں[3] وہاں مجھے لے آتی ہے یہ دوشیزائیں مجھے گریفن کے پاس لاتی ہیں جس کے سامنے بیاترچے کھڑی ہوئی ہے۔ میں بیاترچے کی آنکھوں میں دیکھتا ہوں اور بیاترچے گریفن کو دیکھ رہی ہے۔ آئینہ کی طرح بیاترچے کی آنکھوں میں مجھے گریفن کی شخصیت ذوالجلال منعکس نظر آتی ہے۔ وہ شخصیت جس میں دو طرح کی (یعنی انسانی اور خداوندی) صفات ہم کنار ہوتی ہیں[4]، کبھی ایک صف کی تصویر نظر آتی ہے، کبھی دوسری کی، اور ایک ہی غیر مبدل شے سامنے ہے جس کی یہ دو مبدل تصاویر ہیں۔ آسمانی مخلوق میری خاطر بیاترچے سے درخواست کرتے ہوئے نغمہ سرا ہوتی ہے'' اپنے عاشق کو جو تیری تلاش میں جان کی بازی لگا کر یہاں تک آیا ہے اپنا دوسرا حسن دکھا جو چھپا ہوا ہے، اسے اپنا چہرہ دکھا۔'' وہی چہرہ جو میرے لئے

---

1۔ باطل یا محض ثانوی خیر کی علامت۔

2۔ گناہ کی ہولناک حقیقت کا پورا احساس تب ہی ہوتا ہے جب تزکیۂ نفس کے بعد انسان پھر سے معصومیت کی حالت (State of Innocence) میں آ جائے۔ اس ملاقات میں بیاترچے دانتے کو ایسا ہی احساس دلاتی ہے۔ انسان اس احساس کی تاب نہیں لا سکتا (چنانچہ دانتے اپنے عکس سے نظریں ہٹا لیتا ہے اور اب بے ہوش ہو جاتا ہے۔

3۔ جب تک کہ خدا کی رحمت سے گناہ کی یاد حافظہ سے مٹ نہ جائے (جس کی علامت لیتھے میں غوطہ کھانا ہے)۔ یعنی فطری نیکیاں اس الہام لطفِ خداوندی کا پیش خیمہ ہیں جس کا ظہور تجسیم خداوندی کے وسیلہ سے ہوا۔

4۔ یہ الہام کی وہ کیفیت ہے جس میں محبوب کی شخصیت میں تجسیم خداوندی کا عکس نظر آتا ہے۔

جلوۂ خداوندی کا عکس ہے!

قطعہ 32۔ میری نگاہیں دس سال کی تشنگی بجھانے کیلئے بیاترچے کے چہرہ پر اس طرح مرکوز ہوتی ہیں کہ تمام دوسری صلاحیتیں ماؤف ہو جاتی ہیں، اور میری نگاہیں اس طرح خیرہ ہو جاتی ہیں جیسے میں نے آفتاب کو دیکھا ہو۔ جلوس حرکت کرتا ہے اور گریفن اپنے اس بار مقدس (بیاترچے، پاک روٹی (The Holy Host)، مظہر تجسیم خداوندی، حامل الوہیت) کو کھینچتا ہے۔ میں سٹےٹیس اور مائلڈا پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔ سواری ایک جگہ رکتی ہے اور بیاترچے نیچے اترتی ہے۔ تمام آسمانی مخلوق پکارتی ہے "آدم" اور پھر یہ سب ایک نہایت بلند درخت کے نیچے کھڑے ہو جاتے ہیں جس کی شاخیں پھلوں اور پتیوں سے محروم ہیں[1]۔ گریفن رتھ کے بم کو درخت سے باندھ دیتا ہے۔ درخت شاداب ہو اٹھتا ہے اور اس میں پھول پتے نکل آتے ہیں[2]۔ نغموں کی شیرینی سے مجھے ایسی راحت ملتی ہے کہ نیند آ جاتی ہے۔ آنکھ کھلنے پر مائلڈا سے پوچھتا ہوں کہ بیاترچے کہاں ہے؟ وہ اشارہ سے بتاتی ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ بیاترچے درخت کی جڑ پر نووارد شگوفوں کے درمیان بیٹھی ہوئی ہے[3]۔ سات آسمانی دوشیزائیں[4] نورانی مشعلیں لئے ہوئے پاس کھڑی ہیں۔ بیاترچے مجھ سے رتھ کو غور سے دیکھنے کو کہتی ہے۔ جو (Jone) کا عقاب[5] بجلی کے کوندے کی طرح درخت پر جھپٹتا ہے اور درخت کے پرخچے اڑ جاتے ہیں، اور رتھ کے بھی۔ پھر رتھ فاتحانہ انداز سے کودتی ہوئی ایک لومڑی[6] نظر آتی ہے۔ جسے بیاترچے لعنت ملامت کر کے دور

---

1۔ شجر علم (Tree of Knowledge) یا وہ شجر جو آدم کے گناہ کی وجہ سے بے برگ وہاں رہے۔

2۔ روایت کے مطابق یسوع مسیحؑ کی صلیب آدمؑ کے اس درخت کی لکڑی سے بنی ہوئی تھی اور کلیسا کے رتھ کا بم صلیب ہی ہے جس آدم ثانی یعنی یسوع مسیحؑ آدمؑ کے درخت سے جوڑ دیتے ہیں اور اس طرح آدم کے اجڑے ہوئے درخت میں نئی زندگی پیدا ہو جاتی ہے۔

3۔ بیاترچے جو دانش خداوندی کا پیکر ہے تنہا عیسائیت کے درخت کے پاس کلیسا کی نگہبانی کیلئے رہ جاتی ہے

4۔ یعنی فطری اور دینی نیکیاں۔

5 سلطنت روما کی علامت جس کے شہنشاہوں نے (مثلاً نیرو نے) 64ء تا 413ء تک کلیسا کو برابر تباہ کیا۔

6 کلیسا کی بدعتوں کی علامت۔

ہونے کو کہتی ہے۔ ایک بار پھر رتھ پر عقاب جھپٹتا ہے اور اپنے سینہ کے پر رتھ پر لگے چھوڑ جاتا ہے[1]۔ اور پھر رتھ کے دونوں پہیؤں کے درمیان زمین شق ہوجاتی ہے اور ایک اژدہا (Dragon)[2] نکلتا ہے اور رتھ کے پیندے میں اپنی دم سے ڈنک مار کے چلا جاتا ہے۔ اتنی دیر میں کہ کوئی آہ بھرنے کے لئے منہ کھولے رتھ کے سر نکل آتے ہیں[3] چاروں گوشوں پر ایک ایک سر اور تین سر بم پر۔ گوشوں والے سروں پر ایک ایک سینگ اور بم والے سروں پر بیل کی طرح دو دو سینگ ہیں۔ اور رتھ پر ایک فاحشہ[4] جو نیم عریاں ہے بیٹھی ہوئی نظر آتی ہے، اور اس کے پہلو میں ایک دیو ہے اور دونوں بوس و کنار کرتے ہیں[5] فاحشہ کی نگاہ بد مجھ پر جم جاتی ہے۔ اس بات پر دیو اسے مارتا ہے اور رتھ کو جنگل کی طرف ہانک دیتا ہے اور یہ دونوں مع رتھ کے جنگل میں غائب ہوجاتے ہیں۔

قطعہ۔ 33 بیاترچے مجھ سے کہتی ہے کہ میرے بھائی تو کچھ پوچھتا کیوں نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ کیا ضرورت ہے جب تجھے میرے دل کا حال خود معلوم ہے۔ وہ یہ پیش گوئی کرتی ہے کہ خدا کی طرف سے ''515''[6] آئے گا اور دیو اور فاحشہ دونوں کو غارت کرے گا۔ وہ کہتی ہے۔

---

1۔ شہنشاہ کانسٹنٹائن (Constantins) کا کلیسا پر اثر ہے جس کی وجہ سے The Holy See کی رو سے، کلیسا کا دنیاوی مال و متاع سے تعلق ہوگیا جو اس کی خرابیوں کا باعث بنا، حالانکہ کانسٹنٹائن کی نیت نیک تھی۔

2۔ اژدہے کے کئی مفہوم ہو سکتے ہے۔ (1) دجال یا دشمنِ مسیحؑ (Anti Christ)، (2) ابلیس (3) حرص و ہوس، عیسائی عقیدہ کے مطابق دینِ محمدیؐ سے پیدا کیا ہوا تفرقہ یا اعتزال (Schism)

3۔ کلیسا کا رتھ القا (Apocalypse) کا حیوان بن جاتا ہے جس کا کتاب وحی یا رویلیشن (Revelation) میں تذکرہ ملتا ہے۔

4۔ فاسد اور بداطوار پاپائیت کا پیکر ہے اور اس عورت کے مانند ہے جو کتاب وحی یا رویلیشن میں حیران پر سوار ہے (3,17)

5۔ پاپائیت کے بادشاہوں سے ناجائز تعلقات کی شبیہ۔ دیو بادشاہ دنیاوی اقتدار کی علامت ہے، خصوصاً فرانس کے بادشاہ فلپ۔ دی فیر (Philip The fair) کی، جس کی اور پوپ کلیمنٹ پنجم کی سازش سے روم کی بجائے ایوگنن (Avignon) کو پاپائی صدر مقام بنایا گیا۔

6۔ ''515'' سے مراد نجات دہندہ ہے۔ یہ رمز اسی شخصیت کی طرف ہے جسے جہنم 1 میں سگِ تازی (Greyhound) کہا گیا ہے۔ 2۔ یونو میں غوطہ لگانے کے بعد دانتے کے اندر ماضی کی یاد لوٹ آئے گی لیکن بغیر کسی شرم یا تلخی کے، بلکہ اس طرح کے گناہ خود رحمتِ خداوندی کا سبب بن کر خیر میں بدل جاتا ہے۔ یہ خیر فعال ہے اور اس خیر فعال سے بہتر ہے جو گناہ سے آشنا ہوئے بغیر پیدا ہوتا۔ اسی لئے خدا کی نظروں میں معصوم انسان (بے گناہ آدم) کے مقابلہ میں وہ انسان زیادہ وقیع ہے جو گناہ سے دو چار ہونے کے بعد سنبھل گیا ہو اور تزکیۂ نفس کے ذریعہ دوبارہ معصوم بنا ہو یعنی نجات یافتہ (Redeemed) ہوگیا ہو۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو خدا آدم کو ہمیشہ جنتِ ارضی ہی میں رکھتا۔

''جب تو ان واقعات کونظم کرے تو اس درخت کا احوال جو تو نے دیکھا دنیا کو بتانا کہ کس طرح یہ دو مرتبہ تباہی کا شکار ہوا۔ جو کوئی بھی اس درخت کو نقصان پہنچاتا ہے خدا کے خلاف کفر کا مرتکب ہوتا ہے۔ صرف ایک لقمہ کی وجہ سے آدمی کو پانچ ہزار سال رنج اور آرزو کے گذارنا پڑے......اور اگر خیالات باطل تیرے ذہن میں ایلسا (Elsa) کے (گندے) پانی کی طرح نہ سمائے ہوتے اور اگر خیالات نے اپنی مختصر لذت کیلئے تیرے شہوت کو پرے مس (Pyramus) بن کر داغدار نہ کیا ہوتا تو تیری اخلاقی حس نے تجھے اس درخت کے واقعات کی نشانیوں کو سمجھنا سکھا دیا ہوتا۔ لیکن چونکہ تیرا ذہن پتھر ہو گیا ہے اور میرے الفاظ سے روشن نہیں ہوتا اس لئے اگر سمجھ نہیں پاتا تو کم از کم ان تصویروں کو دل میں رکھ جو تجھے دکھائی گئیں......'' میں کہتا ہو کہ یہ سب کچھ میرے ذہن پر اس طرح نقش ہو رہا ہے جس طرح موم پر کوئی مہر نقش ہو جائے۔ مگر یہ بتا کیونکر تیری تقریر میری آگہی سے ماوراء پرواز کرتی جارہی ہے۔ وہ کہتی ہے۔'' دیکھ لے اس اسکول کا حل جس کا تو پیرو رہا ہے کہ کس طرح وہ میرے الفاظ کی گرد کو بھی نہیں پا سکتا۔ اور دیکھ لے کہ کس طرح تیرے ہم مکتبوں کی راہ خدا کی راہ سے اتنی ہی دور نظر آتی ہے جتنا کہ یہ زمین کا گولہ بلند ترین اور سریع آسمان سے دور ہے۔ میں کہتا ہوں '' لیکن میں کب تجھ سے دور رہا؟ مجھے تو یاد نہیں پڑتا۔ اور میرے ضمیر میں ایسی کوئی چبھن نہیں ہے''۔ وہ مسکراتی ہے اور کہتی ہے۔'' بھول گیا! ارے بات یہ ہے کہ تو نے آج لیتھے کا پانی پی لیا ہے''۔ ایسٹر کے ہفتہ کے چہارشنبہ کی دوپہر کا وقت ہے۔ میں، سٹے شیس، مائلڈا، بیاترچے اور سات آسمانی دوشیزائیں مقدس جنگل میں آگے بڑھ رہے ہیں۔ ہم ایک چشمہ کے منبع پر پہنچتے جہاں سے لیتھے اور یونو دونوں نکل رہے ہیں۔ مائلڈا مجھے اور سٹے شیس کو یونو کی طرف لے جاتی ہے۔ میں اس چشمہ سے باہر نیا اور پاک بن کر نکلتا ہوں، پرواز کیلئے ستاروں کی طرف۔

☆☆☆

# جنّت

قطعہ 1 ہفتہ ایسٹر کے پنج شنبہ کی صبح کا سورج طلوع ہو رہا تھا اور بیاترچے اسے دیکھ رہی تھی۔ میں بھی سورج کو دیکھنے لگتا ہوں۔ دفعتاً مجھے سورج میں سے چنگاریاں نکلتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں، اس طرح جیسے کہ ابلتے ہوئے لوہے میں سے چنگاریاں نکلتی ہیں اور دفعتاً ایک دن پر دوسرا دن طلوع ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے[1]۔ بیاترچے کی نگاہ آسمان پر ہے اور میری بیاترچے پر، اور مجھے اپنے اندر ایسی تبدیلی محسوس ہوتی ہے جیسی کہ گلاکس (Glaucus)[2] کو محسوس ہوئی تھی جب وہ سمندر کے رموز سے آشنا ہوا تھا۔ بیاترچے مجھ سے کہتی ہے کہ تو زمین پر نہیں بلکہ آسمان کی طرف مائل پرواز ہے۔ میرے حیران ہو کر پوچھنے پر وہ تشریح کرتی ہے کہ ہر وجود اپنی اصل کی طرف مراجعت کرتا ہے، اور وجود انسانی پاک ہونے پر فطری طور سے خدا کی طرف کھنچتا ہے، اس طرح جیسے برق زمین کی طرف کھینچتی ہے[3]۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جس طرح کبھی سست مواد یا مادہ (Matter) کے عدم تفاوق کی وجہ سے ہیئت (Form) فن کے ڈزائن (Design) سے مطابقت نہیں کر پاتی اسی طرح انسان اپنی مادی کثافت کی وجہ سے خدا کی بنائی ہوئی تقدیر سے منحرف ہو جاتا ہے۔ لہذا حیران نہ ہو، تیرا آسمان کی طرف صعود (Ascent) کرنا اتنا ہی فطری ہے جتنا کہ آبشار کا نیچے

---

1۔ یہ اس لئے کہ دانتے حدود زمان و مکان سے آگے نکل جاتا ہے۔

2۔ تجدید حیات کا پیکر ہے جو یونانی قصہ سے ماخوذ ہے۔

3۔ خدا جو عشق ہے ہر وجود کی علت غائی (Final Cause) ہے۔

گرنا۔ حیرانی کی بات تو تب تھی جب تو نیچے ہی رہ جاتا۔

قطعہ 2۔ تیر کی سی تیزی کے ساتھ میں اور بیاترچے پہلے آسمان میں پہنچ جاتے ہیں۔ میرے خیالات کو سمجھتے ہوئے بیاترچے کہتی ہے کہ خدا سے لو لگا جس کی قدرت سے ہم پہلے ستارہ یعنی کرۂ قمر میں آ گئے ہیں۔ میں اپنے آپ کو ایک نورانی بادل میں پاتا ہوں جو موتی کی طرح چمک رہا ہے۔ ہم دونوں اس میں اس طرح داخل ہو گئے جیسے پانی میں کرن۔ میں چاند کے داغوں کے بارے میں پوچھتا ہوں۔ بیاترچے ان کے سبب کی وضاحت کرتی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ وصفِ خداوندی سے ہر شے اپنی استطاعت کے مطابق کم یا زیادہ منور اور فیضیاب ہوتی ہے اور اس طرح ہر شے دوسری شے سے مختلف ہوتی ہے۔ چاند کے داغوں کا اصلی سبب اسی کمی یا زیادتی میں ہے نہ کہ لطافت اور کثافت میں۔

قطعہ 3۔ جس طرح نیم شفاف شیشہ یا پانی میں کسی کو اپنا عکس نظر آتا ہے کہ نقوش تو واضح نہیں ہوتے لیکن پیشانی پر اگر کوئی موتی ہو تو وہ برابر چمکتا نظر آتا ہے اسی طرح کرہ قمر میں مجھے کئی روحیں نظر آتی ہیں۔ میں جب ان کے چہروں کو پہچاننے کی کوشش کرتا ہوں تو کچھ نظر نہیں آتا۔ میں بیاترچے کی طرف دیکھتا ہوں۔ وہ کہتی ہے کہ یہ شکلیں واہمہ نہیں حقیقت ہیں۔ اس روشنی سے جو انہیں خواہش سے پر کرتی ہے یہ لوگ باہر نہیں آ سکتے۔ میں ایک روح سے مخاطب ہوتا ہوں۔ یہ پکاردادوناتی (Piccasda Donati) ہے۔ پکاردا بتاتی ہے کہ ہم لوگ جنت کے سب سے نچلے کرہ میں اس لئے ہیں کہ ہمارے عہد (Vows) پورے نہ ہو سکے تھے۔ میرے پوچھنے پر وہ کہتی ہے کہ ہم کسی بلند تر مقام کی اس لئے آرزو نہیں کرتے کہ ہمارا ارادہ (Will) ہماری استطاعت کے عین مطابق ہے۔ ہم وہی چاہتے ہیں جو ہمیں ملا ہے۔ اور ہمارا آزاد ارادہ (Free Will) مشیت خداوندی (The Will of God) کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ مشیت خداوندی میں ہمارا سکون ہے جو اس بحر بیکراں کی طرح ہے، جس کی طرف ہر وہ چیز راجع ہے جس نے اسے تخلیق کیا۔ اس طرح مجھ پر یہ منکشف ہوتا ہے کہ آسمانوں میں ہر جگہ جنت ہے۔ اور مختلف مدارج میں مختلف استطاعت کی روحوں کا احساس مسرت برابر ہے۔ پکاردا کرہ قمر میں اس طرح غائب ہو جاتی ہے جس طرح گہری جھیل میں کوئی چیز غائب ہو جائے۔ میں بیاترچے کی طرف دیکھتا ہوں اور بیاترچے میری

طرف ایک نگاہ برق آسا سے یوں دیکھتی ہے کہ میری آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔

قطعہ 4۔ میں خاموش ہوں اگر چہ کچھ کہنے کی خواہش میرے چہرہ سے ظاہر ہو رہی ہے۔ بیاترچے میرے خیالات کو سمجھتے ہوئے کہتی ہے کہ میں ان روحوں کا اصلی مقام (عرش معلیٰ پر) وہیں ہے جہاں میریم اور موسیٰ یا کسی بھی پیغمبر یا ولی کا۔ لیکن تجھے اس مقام پر اس لئے ان کو دکھایا گیا کہ تو مدارج کو سمجھ سکے۔ یہ مقام (اور ہر مقام) تیری فہم کیلئے ایک استعارا ہے، اسی طرح جیسے الہامی کتابوں میں خدا کے جسم، آنکھ کان اور ہاتھ پاؤں کا تذکرہ ہوتا ہے (تا کہ انسانی ذہن ماورائی حقائق کو سمجھ سکے)۔ میرے ذہن کے دوسرے شک کو رفع کرتے ہوئے بیاترچے کہتی ہے کہ یہ ارواح جنت کے اس مقام زیریں پر اس لئے نہیں ہے کہ چاہتے ہوئے بھی اپنے مقدس عہد کو پورا نہ کر سکیں بلکہ اس لئے کہ ان کے ارادہ میں کمزوری تھی۔ میں سوال پوچھتا ہوں کہ کیا انسان اپنے عہد کو پورا نہ ہونے کی تلافی کسی دوسرے کارِ خیر سے کر سکتا ہے۔ بیاترچے نے میری طرف دیکھا اور اس کی آنکھیں پاکیزہ عشق سے اس طرح شرر بار ہوئیں کہ میں تاب نہ لاسکا اور میں نے نگاہیں نیچی کر لیں۔

قطعہ 5۔ بیاترچے کہتی ہے کہ اگر شعلہ عشق مجھے ایسی تابندگی دیتا ہے جو زمینی حسن سے ماوراء ہے تو تعجب نہ کر۔ اگر کسی دوسرے کارِ خیر سے عہد کے پورا نہ ہونے کی تلافی ہو سکتی ہے تو اسی صورت میں سے جو بھی کام کیا جائے وہ خدا کیلئے قابل قبول ہے (یعنی ایسی صورت میں جبکہ ارادہ خواہشات نفسانی کا غلام نہ ہو) اس معاملہ کا انحصار دو باتوں پر ہے، ایک تو عہد کا انتخاب اور دوسرا اس کے بدلہ میں کارِ خیر کا انتخاب۔ کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح میں اور بیاترچے جنت کے دوسرے کرہ یعنی کرہ عطارد میں داخل ہو جاتی ہے۔ بیاترچے کی مسکراہٹ سے یہ کرہ اور زیادہ تابناک ہو جاتا ہے۔ جیسے ساکت و شفاف جھیل میں باہر کی کسی چیز کو دیکھ کر اور اسے غذا سمجھ کے مچھلیاں قریب آتی ہیں، اس طرح بہت سی روحیں ہمیں دیکھ کر ہمارے قریب آتی ہیں، اور پکارتی ہیں کہ دیکھو کوئی ہماری محبتوں کی افزائش کیلئے آ گیا۔ ان میں سے ایک مجھ سے کہتی ہے کہ اگر تجھے ہمارے نور کی ضرورت ہو تو جتنا چاہے لے لے۔ مجھے ان روحوں کی کیفیت جاننے کی خواہش ہوتی ہے اور میں اس روح سے جو مجھ سے مخاطب ہوئی تھی۔ یہی سوال پوچھتا ہوں۔ وہ وفور مسرت سے

اور بھی زیادہ جگمگانے لگتی ہے اور اپنے ہی نور میں آپ اس طرح چھپ جاتی ہے جس طرح سورج اپنے نور کی زیادتی کی وجہ سے بخارات کی چادر میں۔

قطعہ 6- وہ روح بتاتی ہے کہ میں قیصر تھا اور میرا نام جسٹینین (Justinian) ہے۔ وہ اپنے کارنامہ بتانے کے بعد اپنے زمانہ سے پہلے کی سلطنت روما کی فتوحات کا تذکرہ کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس کرہ (کرہ عطارد) پر وہ نیک لوگ ہیں جنہوں نے اپنی زندگیاں عزت اور ناموری کی خاطر وقف کر دی تھیں اور عزت اور ناموری کی خواہشات کی وجہ سے عشق حقیقی کی پرواز سست ہوگئی۔ مگر ہمارا انعام ہماری صلاحیت اور استحقاق کے عین مطابق ہے اور ہمارے مختلف درجات آسانی نغمہ کی ہم آہنگی (Harmony) پیدا کرتے ہیں۔

قطعہ 7۔ روحیں چنگاریوں کی طرح غائب ہو جاتی ہیں۔ میرے ذہن میں ایک سوال ابھرتا ہے جسے بیاترچے جان لیتی ہے۔ وہ کہتی ہے تو یہ سوچ رہا ہے کہ کیونکر منصفانہ انتقام اور منصفانہ سزا ایک دوسرے سے مطابقت رکھ سکتے ہیں۔ میری بات غور سے سن خدا نے انسان کو معصوم پیدا کیا اور اسے جنت ارضی میں بسایا۔ مگر گناہ کرنے کی وجہ سے وہ اس جنت ارضی سے محروم ہو گیا کیونکہ اس نے حقیقت اور زندگی کا راستہ چھوڑ کر بدی کے راستہ کا انتخاب کیا۔ اس کیلئے سب سے منصفانہ سزا وہی ہوسکتی تھی جو صلیب (Cross) پر دی گئی۔ اس ایک موت سے خدا اور یہودی دونوں ہی راضی ہو گئے۔ مرے بھائی، کسی بھی انسان کی نظر جب تک کہ گرمی عشق سے اس میں پختگی نہ آ گئی ہو خدا کے اس حکم کی تہ تک نہیں پہنچ سکتی۔ خدا کا نور سب سے زیادہ ان لوگوں کو منور کرتا ہے جو اس کی صفات میں سب سے زیادہ مشابہ ہوتے ہیں۔ صرف گناہ وہ چیز ہے جو انسان کو اس شرف سے محروم کرتا ہے۔ کھوئے ہوئے شرف کی بازیافت ناممکن ہے۔ انسان کے گناہ سے پیدا کئے ہوئے مسئلہ کا حل یا تو یہ تھا کہ خدا محض اپنی خوش خلقی سے سب کچھ درگزر کر دیتا، یا پھر یہ تھا کہ انسان خود ہی اپنی غلطی کی تلافی کرے۔ انسان بذات خود اس تقاضہ کو پورا نہیں کرسکتا تھا۔ وہ بندگی و عجز میں اتنا نیچے نہیں جھک سکتا تھا جتنا اوپر نافرمانی اور غرور میں اس نے اٹھنا چاہا تھا۔ اور انسان نے بذات خود اس کے بے سود کوشش بھی کی۔ عدل خداوندی کا تقاضہ اس طور سے پورا نہیں ہوسکتا تھا۔ نہ اس صورت میں پورا ہوسکتا تھا کہ خدا غیر مشروط طور پر سب کچھ درگزر کر دیتا۔ کوئی بھی حل

عدلِ خداوندی کے مطابق نہ تھا، سوائے اس کے کہ خدا کا بیٹا (یسوع مسیح) انسان کا روپ اختیار کر کے اپنے آپ کو اس قدر حقیر (Humble) کرے اور اپنے آپ کو مصلوب کرائے، اور اس طرح انسان کے گناہ کا کفارہ ادا کرے۔ انسان کی خاطر خدا کی اس قربانی سے اس کی بے پایاں رحمت اور بھی زیادہ ظاہر ہوتی ہے۔ تجسیم خداوندی (Incarnation) کی بدولت انسان اور خدا کے صفات ہمکنار ہو جاتے ہیں، اس کا ناتہ خدا سے جڑ جاتا ہے اور اسے ابدی زندگی کی ضمانت مل جاتی ہے[1]۔ اور اس طرح ہماری احیائے جسمانی (Resurection of the Body) بھی یقینی ہو جاتی ہے۔

قطعہ 8۔ قدماء کے ذہن میں ستارہ زہرہ کا تعلق محبت سے رہا ہے۔ ویسے مجھے اس بات کی خبر نہ ہوتی کہ میں تیسرے آسمان یعنی کرہ زہرہ میں اٹھ آیا ہوں، لیکن بیاترچے کی نئی دل آویزی سے اس بات کا پتہ چل جاتا ہے جس طرح شعلہ میں شراہ حرکت کرتے ہیں۔ ایک آتا ہے ایک جاتا ہے۔ اس طرح اس کرہ کی نورانی پہنائی میں نورانی مخلوق حرکت کر رہی ہے۔ یہ روحیں نہایت برق رفتار کے ساتھ میرے پاس آئیں اور بولیں کہ ہم عشق سے اتنے معمور ہیں کہ تیری خوشنودی کیلئے حاضر ہیں۔ میں ان سے ان کی کیفیت کے بارے میں پوچھتا ہوں جو روح مجھے جواب دیتی ہے وہ وفور مسرف سے درخشانی اور حجم میں بڑھ جاتی ہے اور کہتی ہے میری مسرت مجھے تجھ سے اس طرح چھپائے ہوئے ہے جس طرح ریشم کرم کو۔ مگر تو مجھے جانتا ہے اور مجھ سے محبت

---

1۔ اخلاقی پاکیزگی (اور اس میں ورجل کے دستور کے مطابق کلاسیکی کمال) حاصل کرنے کے باوجود انسان کے عزم اور قدرت عمل کے بیچ ایک خلیج رہتی ہے۔ ایسی ہی خلیج جو امکان اور واقعیت کے بیچ ہوت ہے۔ اور انسان جو چاہتا ہے وہ کر نہیں پاتا (سینٹ پال) یہ خلیج عشق کے ذریعہ تجسیمِ خداوندی (Incarnation) کے اثبات سے ہی دور ہو سکتی ہے، کیونکہ ایسی صورت میں صفاتِ انسانی اور صفاتِ خداوندی مل کر ایک ہو جاتے ہیں، توثیقِ خداوندی براہِ راست کارفرما ہوتی ہے اور تمام وجود حامل الوہیت بن جاتا ہے، اور انسان کا عشق خدا کے عشق سے مل کر مکمل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مقام کفارہ کے تزکیۂ نفس کی منزل تجسیم خداوندی کا اثباب ہے۔ وہی منزل جہاں ورجل کی رہبری ختم ہوتی ہے اور بیاترچے جلوہ گر ہوتی ہے۔ عشق کا وہ تصور جو جہنم کے دروازہ سے شروع ہوا تھا یہاں آ کر مکمل ہوتا ہے، تجسیم خداوندی کے اذعان سے۔

کرتا ہے۔ اگر میں دنیا میں اور رہتا تو تیرے لئے میری محبت بارآور ہوتی۔ یہ میرا دوست ہنگری کا بادشاہ چارلز مارٹل (Charles Martel) ہے۔ وہ اپنے بھائی (رابرٹ) کی حماقت پر افسوس کرتا ہے۔ میرے. پوچھنے پر وہ بتاتا ہے کہ کس طرح ایک ہی ماں باپ سے مختلف قسم کے بچے پیدا جاتے ہیں۔

قطعہ 9۔ دوسری روح جو مجھ سے مخاطب ہوتی ہے وہ کیونزا (Cunizza) ہے۔ کیونزا اطالیہ کے آئندہ سیاسی حالات کی پیش گوئی کرتی ہے اور اپنی گردش کے حلقہ میں جا ملتی ہے۔ ایک اور روح میرے سامنے اس طرح جگمگا اٹھتی ہے جیسے یاقوت کے سورج کے سامنے۔ یہ پردو انسال شاعر فولکو (Folco) کی روح ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ اس کرہ میں فاحشہ رہاب (Rahab) کی روح بھی ہے، اور ممتاز ترین صف میں ہے۔ ''یسوع مسیحؑ نے دوزخ سے جن روحوں کو نکالا تھا ان میں سے یہ بھی ہے۔ اور اس کی بخشش کا سبب یہ ہے کہ اس کے ارض مقدس پر جس کی اب پوپ پرواہ نہیں کرتا جوشوا (Joshua) نبی کا خیر مقدم کیا تھا۔ افسوس اب یہ عالم ہے کہ کلیسا کے پادری خدا کے کلام اور ہادیان دین کی تعلیمات کی روح سے بے بہرہ ہو کر شرعی رسوم وروایات میں اٹکے ہوئے ہیں (شرعی رسوم وروایات جو مختلف ادوار اور مختلف مقامات کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہیں اور دین کی اصل نہیں ہیں)[1]۔ لیکن جلد ہی ویٹکن (Vatican) اور روم کا وہ علاقہ جو سینٹ پیٹر کے سپاہیوں کا مدفن ہے شر سے نجات حاصل کرے گا''۔

قطعہ 10۔ میں اور بیاترچے چوتھے آسمان یعنی کرہ شمس میں اٹھ آتے ہیں۔ روحوں کا ایک درخشاں گروہ ہمارے گرد رقص کرتے ہوئے تاج کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ یہ روحیں ہمارے گرد تین بار رقص کرتی ہیں اور نغمۂ برکت گاتی ہیں۔ اور پھر خواتین جیسی معلوم ہوتی ہیں۔ اور پھر ان میں سے ایک روح مجھ سے مخاطب ہوتی ہے۔ یہ سینٹ ٹامس اکوئناس ہے وہ اپنے حلقہ کی دوسری روحوں کے بارے میں بتاتا ہے جن میں سلیمان، بوتھیس (Boethius) اور رچرڈ آف سینٹ وکٹر (Richard of St. Victor) شامل ہیں۔

---

[1] دیکھئے قرآن۔ **لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب...... الخ** ''ساری بڑائی اس میں نہیں ہے کہ تم (عبادت کیلئے) اپنا منہ مشرق کی طرف کرتے ہو یا مغرب کی طرف۔ بلکہ بڑائی تو اس میں ہے کہ تم خدا پر ایمان رکھتے ہو اور یوم آخرت پر، اور اپنا مال محبت سے دیتے ہو عزیزوں اور یتیموں اور مساکین کو'' وغیرہ۔

قطعہ 11۔ ٹامس اکوئناس جو ڈومینکن (Dominican) سلسلہ سے ہے سینٹ فرانسس (St Francis) کی ستائش کرتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ کس طرح سینٹ فرانسس نے فقر کو اپنایا اور عیسائیت کی تبلیغ کی۔ اور پھر وہ موجودہ پادریوں کی حرص وہوس پر اظہار افسوس کرتا ہے۔

قطعہ 12۔ سینٹ ٹامس اکوئناس نغمہ حمد گاتا ہوا نورانی گردش میں شامل ہو جاتا ہے اور حرکت سے حرکت اور نغمہ سے نغمہ ہم کنار ہو جاتے ہیں، اس طرح جیسے قوس وقزح کے حلقہ۔ کچھ دیر بعد نغمہ ونور ورنگ کی گردش ساکن ہوتی ہے تو ایک نئے حلقہ سے ایک اور آواز آتی ہے "وہ عشق جو مجھے خوب صورت بناتا ہے مجھے تشویق کرتا ہے کہ میں اس دوسرے رہبر کے بارے میں بھی بتاؤں جس کی خاطر میرے رہبر کی ستائش کی گئی ہے۔ جہاں ایک ہے وہاں دوسرا بھی ہونے کے لائق ہے۔ دونوں کا جہاد ایک تھا، دونوں کا جلال (Glory) بھی ایک ہونا چاہئے"۔ یہ سینٹ بوناونچرا (St. Bonaventura) کی آواز ہے جو فرانسسکن سلسلہ سے ہے۔ وہ ڈومینکن سلسلہ کے بانی سینٹ ڈومینک (St. Dominic) کی ستائش کرتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ کس طرح اوائل عمری میں ہی سینٹ ڈومینک ایک زبردست عالم بن گیا، دنیاوی اشیاء کی خاطر نہیں بلکہ غذا روحانی یا منّ (Manna) کی خاطر اور اس نے اپنے علم کی طاقت سے کفر اور بدعت کے خلاف جہاد کیا۔

قطعہ 13۔ میرے ذہن میں کچھ شکوک ہیں جو سینٹ ٹامس اکوئناس کو نظر آتے ہیں وہ انہیں رفع کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اکوائنات کی ایک چیز دوسری چیز سے اس وجہ سے مختلف ہے کہ ہر چیز کا مادہ فطرت مختلف ہے اور اسی لئے مختلف اشیاء مختلف پیکروں میں نور خداوندی کی عکاسی کرتی ہے، کم یا زیادہ اپنی اپنی استطاعت کے اعتبار سے۔ وہ مجھے نصیحت کرتا ہے کہ کسی بھی قضیہ کو اس وقت تک قبول نہ کرنا چاہئے جب تک کہ اس کی صحت کے بارے میں اطمینان نہ ہو جائے۔ اور اسی طرح فیصلہ اور قضاوت کرنے میں عجلت نہیں کرنا چاہئے۔

قطعہ 14۔ بیاترچے کی فرمائش پر سینٹ ٹامس اکوئناس مجھے اس نور کی ابدیت کے بارے میں بتاتا ہے جس سے اہل جنت کا ہیولیٰ شگوفہ بار ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ احیائے جسمانی کے بعد ان کا نیا غیر فانی جسم نہایت حسین اور پرنور ہوگا۔ پھر ایک نئی جگمگاہٹ فضا میں پھیل جاتی ہے اور

بیاترچے اتنی حسین نظر آتی ہے کہ آ گہی خیرہ ہوتی ہے اور الفاظ اس حسن کو بیان نہیں کر سکتے۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ ہم دونوں پانچویں آسمان یعنی کرہ مریخ پر پہنچ گئے ہیں۔ دو ارغونی شعاعیں میری طرف کہکشاں کی طرح پھیل جاتی ہیں۔ صلیب کی شکل میں اور اس صلیب پر یسوع مسیحؑ جگمگاتا ہوا نظر آتا ہے۔ صلیب پر دائیں بائیں اور اوپر نیچے روشنیاں حرکت کر رہی ہیں۔ اس طرح جیسے (کمرہ میں آنے والی) سورج کی کرن میں ذرّات حرکت کرتے ہیں، اور ان روشنیوں میں سے نغمات نکل رہے ہیں جو کہتے ہیں۔ ''اٹھ اور جنت لے!'' گویا ایسے شخص سے جو سنتا ہو مگر سمجھتا نہ ہو۔ کچھ پر ایسی وجد کی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ اس سے پہلے کسی چیز نے پیدا نہیں کی۔

قطعہ 15- عشقِ حقیقی اس موسیقی کو ساکن کر دیتا ہے۔ بے پایاں رنج کا سبب ہے اس کیلئے جس نے کسی ناپائدار شے کی محبت کی خاطر اپنے آپ کو اس ابدی محبت سے محروم کر دیا۔ ٹوٹنے والے ستارہ کی طرح ایک جسم نورانی صلیب کے نچلے حصے کے پاس اگر گرتا ہے اور مجھ سے مخاطب ہوتا ہے کہ ''اے میرے خون!'' میں حیران ہو کر بیاترچے کی طرف دیکھتا ہوں مگر اس طرف دیکھنے سے بھی حیرانی ہوئی کیونکہ بیاترچے کی نگاہوں میں ایسی مسکراہٹ روشن ہے کہ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میری اپنی نگاہیں جنت میں لطف و مسرت کی گہرائیوں تک پہنچ گئی ہیں۔ ادھر وہ نورانی جسم سماعت و بصارت کیلئے حیرت انگیز سرمایہ فراہم کر رہا تھا۔ پہلے تو اس کی تقریر میری فہم سے بالا تھی مگر جب اس کے وجد کا جوش کم ہوا اور فہم انسانی کی سطح کے قریب آیا تو اس کے الفاظ سمجھ میں آئے۔ وہ کہہ رہا تھا'' میرے فرزند اس ابدی زندگی میں ہم سب اس آئینہ میں دیکھتے ہیں جس میں تیرے خیالات ہم پر منکشف ہوتے ہیں۔ لہٰذا بے دریغ اور صاف صاف اپنی خواہش کا اظہار کر''۔ میں اس سے کہتا ہوں'' ہم فانی انسانوں میں خواہش اور وسیلہ تکمیل ایک ساتھ پرواز نہیں کر پاتے۔ اور تو اس کا سبب جانتا ہے...... مجھے اپنا نام بتا''۔ جواب ملتا ہے'' اے پتے! میں تیری جڑ ہوں۔'' مجھے معلوم ہوتا ہے کہ مجھ سے بات کرنے والا میرا جد کا کچیا گوئدا ( Kaccia Guida) ہے۔ وہ کہتا ہے'' میرے زمانہ میں فلورنس میں سادگی اور عفت اور وفاداری عام تھی اور لوگ امن سے رہتے تھے۔ میں شہنشاہ کونرڈ (Conead) کا ساتھی تھا اور اس کے ساتھ برائیوں سے جہاد کرنے گیا اور شہید ہو گیا۔''

قطعہ 16 ۔ یہ انسان کی کمزوری ہے کہ اپنی نجابت پر دنیا میں ناز کرتا ہے۔ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے کہ جنت میں بھی مجھے اس بات کا احساس ہوا۔ میں نے کا کچیا گوئدا سے پوچھا کہ ہمارے خاندان کی شروعات کس طرح ہوئی اور ہمارے جدِ امجد کون تھے کا کچیا گوئدا اس بات پر ایسا چمکنے لگا جیسے انگارہ ہوا سے دہکنے لگے اور وہ اور زیادہ خوبصورت ہوگیا اور اس کی آواز اور زیادہ شیریں ہوگئی۔ وہ مجھے اپنے خاندان کی تاریخ اور فلورنس کے دیگر قدیم خاندانوں کے بارے میں بتاتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ ہمارے جدِ فلورنس کی قدیم نوآبادی کے بانی تھے۔ پھر وہ فلورنس کے زوال اور اس کی موجودہ ابتری پر افسوس کا اظہار کرتا ہے۔ اس کے خیال میں اس ابتری کی وجہ یہ ہے کہ نجابت ختم ہوگئی اور آس پاس کے نیچ لوگ اصلی باشندوں میں آ کر مل گئے۔

قطعہ 17 ۔ اس نوجوان (فیٹن) کی طرح جو کلائمینی (Clymene) کے پاس اپنے برے میں سنی ہوئی بتوں کی تصدیق کیلئے آیا تھا[1] میں تذبذب کے عالم میں تھا۔ میری ذہنی کیفیت سے بیاترچے باخبر تھی اور وہ نورانی جسم کا کچیا گوئدا بھی۔ بیاترچے مجھ سے کہتی ہے۔ اپنی خواہش کو بیان کر اس وجہ سے نہیں کہ اس سے ہمارے علم میں کوئی اضافہ ہوگا (اس لئے کہ ہم پر تو تیرے دل کی حالت روشن ہے) بلکہ اس لئے کہ تو اپنی تشنگی کا خود اعتراف کر سکے اور انسان جب تجھے سنیں تو تیرے احساسات میں شریک ہوسکیں۔ میں عرض کرتا ہوں۔ ورجل کے ساتھ عالم اندوہ (یعنی جہنم) اور کوہ مطہر (یعنی مقام کفارہ) سے گزرتے وقت میں نے اپنے مستقبل کے بارے میں غم انگیز الفاظ سنے ہیں، اگر چہ قسمت میں جو مصیبتیں ہیں میں ان کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہوں۔ کا کچیا گوئدا پیش گوئی کرتے ہوئے کہتا ہے۔ تجھے وطن سے جلاوطن کیا جائے گا۔ اور مظلوم جماعت پر ہی ہر الزام لگایا جائے گا۔ تو ہر محبوب چیز سے بری طرح بچھڑ جائے گا۔ یہ پہلا تیر ہے جو جلاوطنی کی کمان سے نکلے گا۔ تو ثابت کرے گا کہ غیروں کی روٹی کا مزہ کتنا شور ہے اور غیروں کے زینہ پر چڑھنے اترنے کا راستہ کتنا سخت ہے۔ لیکن سب سے بڑی اذیت تجھے جس بات سے ہوگی وہ ان بے وقعت لوگوں کی صحبت ہے جن کا اس مصیبت کے عالم میں تیرا ساتھ ہوگا۔ پہلے تو (اسکالا خاندان کے) عظیم لوامبارڈ کے ہاں پناہ لے گا، اور یہاں اس شخص کو (جو اس وقت صرف نو

---

1 یعنی یہ کہ کیا واقعی وہ سورج دیوتا اپولو کا بیٹا ہے۔

سال کا ہوگا) دیکھے گا (یعنی کان گراند ڈیلا اسکالا کو دیکھے گا) جس کی ولادت پر اس ستارہ (مریخ) کا ایسا اثر ہے کہ اس کے کارناموں کا ساری قومیں لوہا مانیں گی اور اس کی فیاضی کی ایسی شہرت ہوگی کہ دشمنوں کو بھی اس کی تعریف کرنا پڑے گی۔ اس پر اور اس کی فیاضی پر اعتماد کرنا کیونکہ وہ بہت سے لوگوں کی قسمت بدلنے کا سبب بنے گا۔ لیکن میرے فرزند، اپنے پڑوسیوں سے کدورت مت رکھنا کیونکہ وقت تیرے اقبال کو ان کی غداری کے اثر سے بلند کرنے والا ہے۔ کاکچیا گوئد مجھے اس بات کی بھی تلقین کرتا ہے کہ میں اپنی روحانی دنیا کے رویا (Vision) کو اپنی شاعری سے آشکارا کروں۔ وہ کہتا ہے۔ پہلے تو تیری آواز ذائقہ میں نامطلوب ہوگی لیکن ہضم ہونے پر اعلیٰ اور مقوی غذا ثابت ہوگی۔ تیری آواز آندھی کی طرح مغرور چوٹیوں سے ٹکرائے گی اور یہ افتخار کیلئے کوئی ادنیٰ وجہ نہیں۔

قطعہ 18۔ بیاترچے مجھ سے کہتی ہے کہ دوسری باتوں کا دھیان کر، یہ سوچ کر میں خدا کے قرب میں رہتا ہوں جو ہر ظلم وزیادتی کی تلافی کرتا ہے۔ میں بیاترچے کی آنکھوں میں دیکھتا ہوں اور میری روح عشق سے اس قدر معمور ہو جاتی ہے کہ کسی خواہش کی جگہ باقی نہیں رہتی۔ بیاترچے کہتی ہے نگاہ ہٹا فقط یہ آنکھیں ہی تیری جنت نہیں[1]

مجھے کرہ مریخ میں بہت سے نامور مجاہدین کی روحیں صلیب پر حرکت کرتی نظر آتی ہیں جن میں جوشوا (Joshua) اور شارلی مین (Charlemagne) کی روحیں شامل ہیں۔ میں داہنی طرف مڑ کر بیاترچے کو دیکھتا ہوں جس کی آنکھوں میں مسرت کی چمک پہلے سے بھی زیادہ ہے۔ بیاترچے کا حسن اور زیادہ ہو جاتا ہے، اور پہلی روشنی میں چھٹے آسمان کے ستارہ مشتری کی کہ جس میں ہم دونوں اٹھ آتے ہیں۔ اس کرہ کی روشن قندیل میں عشق کے شرارہ ہماری زبان کے الفاظ میں متشکل نظر آتے ہیں۔ ان روشنیوں کے اندر پاک ارواح پرندوں کی طرح نغمہ کناں پرواز کرتی ہیں اور فضا میں کبھی "D" کبھی "I" کبھی "L" بنا دیتی ہیں۔ اس طرح فضا میں جو کلمہ تحریر ہو جاتا ہے اس کا مطلب ہے۔ "راست بازی سے محبت کرو، اے لوگوں جو زمین پر قضاوت کرتے

---

1 یعنی بیاترچے کے علاوہ اور بھی پیکر ہیں جو حامل الوہیت ہیں۔ اگر ایک ہی پیکر میں۔ یا ایک ہی خیال میں۔ الوہیت کا تصور محدود کر دیا جائے تو بت پرستی کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے، بلکہ فاشزم کا بھی۔

ہو"۔اس کلمہ کے پانچویں اور آخری حرف "M" میں یہ روحیں قیام کرتی ہیں۔اس "M" پر اور دوسری روشنیاں نازل ہوتی ہیں،نغمہ بازی کرتی ہوئی۔پھر جس طرح جلتی ہوئی مشعل کو ہلانے سے چنگاریاں منتشر ہوتی ہیں اس طرح ایک ہزار سے زیادہ روشنیاں وہاں سے اٹھتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اس طرح ایک ہزار سے زیادہ روشنیاں وہاں سے اٹھتی ہوئی نظر آتی ہیں،اور جب ہر روشنی اپنی جگہ پر قائم ہو جاتی ہے تو مجھے ایک عقاب کا سر اور گردن نظر آتی ہیں،جو ان روشنیوں سے مرتب ہوا ہے۔ "M" کے اوپر جو دوسری روشنیاں تھیں وہ وہاں سے منتقل ہو کر اس پرندے کے جسم کے بقیہ نقوش اجاگر کر دیتی ہیں۔

قطعہ 19۔یہ عقاب جو روشنیوں سے مرتب ہوا ہے پر پھیلائے ہوئے نظر آتا ہے۔ ہر روشنی ایک لعل معلوم ہوتی ہے۔اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کا کبھی تصور بھی نہیں کیا گیا۔عقاب کی منقار کھلی اور اس نے بولنا شروع کر دیا،اور اس طرح کثرت کا ارادہ وحدت کی شکل میں ظاہر ہوا۔ عقاب نے کہا۔" چونکہ میں عادل تھا اور رحم دل تھا اس لئے جلال کی اس بلندی تک سرفراز کیا گیا ہے کہ جس بلندی سے اوپر کوئی آرزو نہیں جاتی اور زمین پر میں نے ایسی یاد چھوڑی ہے کہ بڑے لوگ تک میری ستائش کرتے ہیں اور مجھے یاد کرتے ہیں،حالانکہ میرے راستہ پر وہ نہیں چلتے"۔ اس عقاب کے آگے جو عدل کا پیکر ہے میں اپنے اس شک کا اظہار کرتا ہوں کہ کیا وہ شخص جس نے یسوع مسیح کا نام تک نہیں سنا اور اس کے اعمال نیک ہیں مورد لعنت ہو سکتا ہے عدل کا کیا تقاضہ ہے۔عقاب کہتا ہے۔کوئی نور نہیں بجز اس کے جو آتا ہے اس لطیف جوہر اصلی کے سکون خالص سے۔باقی سب تاریکی ہے یا" تن کی دنیا"(World of Flesh) کا سایہ پھر اس کا زہر...... عدل وہی ہے جو مشیت ازلی کے جو خیر کامل ہے عین مطابق ہو...... کسی نے ہرگز اس مملکت (Kingdom) میں صعود نہیں کیا جب تک کہ اس کا یسوع مسیح پر ایمان نہ ہو،چاہے (تاریخی) واقعہ صلیب سے پہلے یا بعد[1] لیکن بہت سے وہ لوگ یسوع کا دم بھرتے ہیں حقیقتاً اس سے زیادہ دور پائے جاتے ہیں۔یہ مقابلہ ان لوگوں کے جنہوں نے کبھی اس کا نام تک نہیں سنا پایا جانا۔ضمناً عقاب

---

1 یعنی واقعہ صلیب سے پہلے یا بعد کے وہ تمام نیک لوگ جو یسوع مسیح کی امت میں بظاہر نہیں ہیں باطنی طور سے ان پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ اہل جنت ہیں۔

بدکردار پادریوں کا تذکرہ کرتا ہے۔

قطعہ 20۔عقاب کی تمام روشنیاں زیادہ تابناک ہو کر نغمہ سرا ہوتی ہیں۔اس کے گلے سے ایسی آواز آتی ہے جیسے کوہستانی چشمہ کا زمزمہ ہو اور پھر الفاظ سنائی دیتے ہیں۔عقاب کہتا ہے کہ میری آنکھوں میں جو روشنیاں رہی ہیں وہ بابرکت بادشاہوں کی روحیں ہیں۔ پتلی میں داؤدؑ اور اس کے گرد ٹراجن (Trajan) کانسٹنٹائن (Constantine) اور رفیس (Ripheus) وغیرہ ہیں۔وہ کہتا ہے ”عشق نے درحقیقت مشیت ازلی کو مغلوب کر رکھا ہے اور وہ اس طرح مغلوب ہونا چاہتی ہے اور کسی نیک غیر عیسائی کے دل میں جب مقدس عشق کا نفوذ ہوتا ہے تو اس میں باطنی طور سے یسوع مسیحؑ پر ایمان پیدا ہو جاتا ہے،اس کے دل میں بھی جس نے کبھی یسوع مسیح کا نام تک نہیں سنایا جانا،اور اس طرح وہ غیر عیسائی صحیح معنی میں عیسائی کی حیثیت سے مرتا ہے[1]۔“اس طرح ہم لوگ بھی جو اپنے خالق کو دیکھتے ہیں نہیں جانتے کہ اس کی مملکت میں کتنے برگزیدہ بندے ہیں“۔

قطعہ 21۔ایک بار پھر میں بیاترچے کو دیکھتا ہوں-لیکن اس بار بیاترچے مسکراتی نہیں ہے بلکہ کہتی ہے کہ اگر میں مسکراؤں تو تو جل کے راکھ ہو جائے گا کیونکہ اگر میں اپنے بڑھتے ہوئے حسن کو نہ روکوں تو تو اس کی تاب نہ لا سکے گا۔وہ کہتی ہے کہ ہم ساتویں آسمان میں آ گئے ہیں یعنی کرہ زحل میں۔اس بلوریں کرہ میں ایک زینہ نظر آتا ہے جو اتنا بلند ہے کہ میں اس کے اوپری سرے کو جو دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں وہ بے سود ہے اس زینہ پر بے شمار نورانی مخلوق چڑھ اتر رہی ہے[2]۔اس کرہ میں مکمل خاموشی ہے میں ایک روح سے مخاطب ہوتا ہوں جو کہتی ہے کہ ہماری خاموشی کا سبب وہی ہے جو بیاترچے کے نہ مسکرانے کا۔میں اس سے پوچھتا ہوں کہ یہاں کی اتنی روحوں میں سے تیرے ہی مقدر میں کیوں تھا کہ مجھ سے بات کرے۔میں ابھی اپنی بات پوری بھی نہ کر پایا تھا کہ وہ

---

1۔یہ نیک غیر عیسائی جو عشق سے بہرہ ور ہیں اور اس لئے باطنی طور سے اصول تجسیم خداوندی پر ایمان رکھتے ہیں ان نیک غیر عیسائیوں سے جو عشق سے بہرہ ور نہیں ہیں اور اہلِ لہو ہیں مختلف ہیں (بقول اقبال !اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی)۔اسی لئے ورجل جہنم میں ہے اور ٹراجن جنت میں۔2۔یہ گیان دھیان (Contemplation) کے وسیلہ سے مقامِ معرفت تک پہنچنے کا زینہ ہے۔توریت میں اس کا تذکرہ پیغمبر یعقوبؑ کے سلسلہ میں ملتا ہے۔صوفیاء کے ہاں بھی یہ کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔

روشنی (روح) ایک تیز رفتار پہیئے کی طرح اپنے مرکز پر گھومنے لگتی ہے اور اس کے اندر کا عشق یوں گویا ہوتا ہے۔ ''میں ذات خداوندی کو دیکھنے کی توفیق رکھتا ہوں۔ مگر تو نے جو سوال پوچھا ہے اسے وہ فرشتہ بھی حل نہیں کر سکتا جس کی نظر سب سے زیادہ خدا پر جمی ہوئی ہے کیونکہ اس کا حل قانون ابدیت کی اتنی گہرائی میں ہے کہ کوئی بھی تخلیق کی ہوئی شے اس کا پتہ نہیں پا سکتی[1] دنیا میں واپس جا کر تو لوگوں کو یہ خبر سنا دینا تا کہ کوئی اس خطرناک حد تک آگے نہ بڑھے...... میں نے دنیا میں اپنی زندگی گیان دھیان میں گزاری۔ مجھے پی اے ترِ ودامیانو (Pietro Damiano) کہتے ہیں''۔ دوسری روشنیا (روحیں) زینہ سے اتر کر اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں، اور پھر یہ سب مل کر اتنے زور سے کوئی نعرہ لگاتے ہیں کہ دنیا میں اس کی مثال نہیں۔ میری سمجھ میں وہ نعرہ نہیں آیا، اس قدر بہرہ کر دینے والی کڑک تھی وہ۔

قطعہ 22۔ میں حیران ہو کر اور سہم کر بیاترچے کی طرف اس طرح پلٹتا ہوں جیسے بچہ ماں کی طرف پلٹے اور بیاترچے اس ماں کی طرح ہے جو اپنے بچہ کو پریدہ رنگ اور نفس نفس دیکھ کر اسے تسلی دیتی ہے وہ کہتی ہے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ تو جنت میں ہے۔ اگر تو ان روحوں کی دعاؤں کو سمجھ سکتا تو اس انتقام کا بھی تجھے علم ہو جاتا جو تو اپنی زندگی میں دیکھ لے گا۔ خدا کی تلوار جلدی نہیں کرتی۔ مگر دیر بھی نہیں کرتی۔ بیاترچے کے اشارہ کرنے پر میں سینکڑوں چھوٹے چھوٹے گولے دیکھتا ہوں جو اپنی چمک کی ادل بدل سے اور زیادہ خوبصورت ہو جاتے ہیں۔ گستاخی کرنے کے ڈر سے میں خاموش رہتا ہوں۔ ایک گولہ میری آرزو پوری کرنے کیلئے میرے نزدیک آتا ہے اور اس میں سے آواز آتی ہے۔ یہ سینٹ بنی ڈکٹ (St . Benedict) کی روح ہے۔ سینٹ بنی ڈکٹ بتاتا ہے کہ اس کرہ زحل میں گیان دھیان (Contemplation) کرنے والوں کی روحیں ہیں۔ میں اسے اس کی اصلی روپ میں یعنی بغیر کسی غلاف (Covering) کے دیکھنے کی خواہش کرتا ہوں۔ وہ کہتا ہے تیری یہ خواہش آخری کرہ میں پوری ہوگی وہاں ہر خواہش کی تکمیل ہے اور وہاں تمام چیزیں ویسی ہی ہیں جیسی کہ ہمیشہ سے تھیں۔

1۔ موجودہ دور کی طبیعات میں کوانٹم میکنکس (Quantum Mechanics)(S) کا حوالہ دیا جا سکتا ہے۔ وہ جبر و اختیار کا مسئلہ ہے۔ مگر اس مسئلہ کی آڑ لے کر انسان اپنی نیکی اور بدی کی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ وہ چاہے جس حال میں بھی ہو، ہر حال میں اسے اپنی ذمہ داری کے تقاضہ پورے کرنا چاہئے۔ کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔

یہ ہماراز ینہ وہاں تک جاتا ہے اور اسے وہاں تک جاتے ہوئے پیغمبر یعقوبؑ نے دیکھا تھا۔ لیکن اس پر
چڑھنے کے لئے زمین سے اب کوئی قدم نہیں اٹھاتا۔ یہ کہہ کر بینٹ بنی ڈکٹ بدکرداروں پر اظہار
افسوس کرتا ہے اور پھر اپنے ساتھیوں میں جاملتا ہے اور وہ سب ایک ہوکر ایک تند بگولہ کی طرح زینہ کے
اوپر چلے جاتے ہیں۔ میں اور بیاترچے بھی زینہ پر چڑھتے ہیں اور آناً فاناً جوزا سے گزر کر آٹھویں
آسمان یا کرہ سیارگان ثابت میں صعود کر جاتے ہیں۔ بیاترچے کے کہنے پر میں نیچے دیکھتا ہوں اس بے
پناہ بلند سے ساتوں آسمانوں کو اور ہماری زمین کو جو وہاں سے ایسی قابل ترس نظر آتی ہے کہ شاید اس
وقت میں مسکرادیا۔ میرے خیال میں اس دنیا میں سب سے زیادہ عقلمند وہ ہے جو دنیا کو سب سے کم
وقعت دیتا ہے اور جس کے خیالات اس سے پرے کہیں اور مرکوز ہے، اسی کو میں لایق ترین اور
بہترین سمجھتا ہوں۔ میں چاند کو دیکھتا ہوں تو وہ بے داغ نظر آتا ہے۔ چاند، سورج، کہکشاں اور ستارے
دیکھنے کے بعد میری نظریں پھر بیاترچے کی آنکھوں کی طرف پلٹ آتی ہیں۔

قطعہ 23۔ تھوڑی ہی دیر میں آسمان درخشاں سے درخشاں تر ہونے لگتا ہے۔
بیاترچے پکار کے کہتی ہے۔ دیکھ یسوع مسیحؑ کا جند فتح مند (The Triumphant Host)
اور جمع کیا ہوا وہ تمام حاصل جو ان گردش کرنے والے آسمانوں نے پکایا ہے۔ جب بیاترچے بول
رہی تھی تو مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے وہ آگ کی طرح جل رہی ہو، اور اس کی آنکھوں میں ایسی مکمل
مسرت تھی جو بیان سے باہر ہے۔ جیسے ستاروں میں چاند جگمگاتا ہے اس طرح لاکھوں ستاروں میں
ایک سورج نظر آتا ہے کہ جس سے سب نور اخذ کرتے ہیں اور یہ اتنا تابناک ہے کہ میری نظر اس کی
تاب نہیں لاسکتی۔ جس طرح ابر سے برق باہر نکل آتی ہے اور زمین پر گرتی ہے اس طرح میری
روح اپنے آپے سے باہر ہوگئی اور عالم بے خودی میں ایسی گم ہوئی کہ اب یاد نہیں کہ اس کی کیا
حالت ہوئی تھی۔ بیاترچے کہتی ہے کہ "تو نے ان چیزوں کو دیکھ لیا جو تجھے میری مسکراہٹ کی تاب
لانے کے قابل بناتی ہیں...... تو میرے چہرہ پر کیوں اتنا فریفتہ ہے کہ اس گلستاں کی طرف توجہ
نہیں کرتا جو مسیحؑ کی کرنوں کے تلے کھل رہا ہے۔ یہاں وہ گلاب[1] ہے جس میں لفظ قدوس
(The Holy Word) مجسم ہوا۔ یہاں وہ گل ہائے سوسن[2] ہیں جن کی خوشبو نے راہ حیات

---

1۔ مریم عذرا۔ 2۔ اولیاء اور انبیاء۔

(The way of life) کا سراغ دیا۔ میں بصارت میں درد پیدا کرنے والے اس منظر کو دوبارہ دیکھتا ہوں۔ مجھے لاکھوں اجسام نورانی نظر آتے ہیں کہ جن پر جلتی ہوئی شعائیں برق پڑتی کر رہی ہیں۔گلاب (جو مریم عذرا کی علامت ہے) کے نام پر میں اس حسین ترین جسم نورانی (مریم عذرا) کو دیکھتا ہوں جس کے گرد ایک مشعل آ کر طواف کرنے لگتی ہے۔دنیا کے شیریں ترین نغمہ بادل کے پھٹنے کی کرخت گڑگڑاہٹ معلوم ہوں گے اس نغمہ کے آگے جو مجھے سنائی دیتا ہے۔یہ اس عشق کا نغمہ ہے جس نے مریم کے بطن کو سرشار کیا۔مسیحؑ اور پھر مریمؑ صعود کر جاتے ہیں۔سینٹ پیٹر اور دوسرے اولیاء وہاں رہ جاتے ہیں۔

قطعہ 24۔بیاترچے کی درخواست پر سینٹ پیٹر (St. Peter) میرے ایمان کا امتحان لیتا ہے۔ایمان کیا ہے میں جواب دیتا ہوں کہ ایمان امید کی ہوئی چیزوں کا مدعائے اصلی ہے، اور ان دیکھی چیزوں کا ثبوت ہے۔مدعائے اصلی اور ثبوت سے کیا مطلب ہے کیا نقد ایمان تیرے پاس ہے۔یہ تجھے کہاں سے ملا اور تیرا ایمان کن چیزوں پر ہے۔میں ان سب سوالوں کے اطمینان بخش جوابات دیتا ہوں آخری سوال کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ میرا ایمان خدا واحد اور تثلیث مقدس (The Holi God) پر ہے جو تین ہوتے ہوئے ایک ہیں۔

قطعہ 25۔اس کے بعد سینٹ جیمز (St. James) امید کے بارے میں میرا امتحان لیتا ہے''۔امید کیا ہے؟ میں جواب دیتا ہوں امید آنے والی مسرت کی یقینی توقع ہے۔یہ لطف و خداوندی (Diving God) اور اس سے قبل لیاقت کا اثر ہوتی ہے[1] میں یہ بھی بتاتا ہوں کہ مجھے امید الہامی کتابوں سے کس طرح ملی ہے میرے جوابات اطمینان بخش معلوم ہوتے ہیں۔ سینٹ پیٹر اور سینٹ جیمز کے درمیان سینٹ جان (St.John) نمودار ہوتا ہے اور یہ تینوں نور و نغمہ و رقص کے ذریعہ مسرت و برکت کا اظہار کرتے ہیں۔ میں سینٹ جان کو اس طرح دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں جیسے کوئی سورج گہن کی حالت میں سورج کو دیکھنے کی کوشش کرے اور اپنی بصارت کھو بیٹھے۔سینٹ جان کہتا ہے تو'' میرے اس جسم کو دیکھنے کی کوشش کیوں کر رہا ہے جو یہاں نہیں ہے اور جسے میں دنیا میں چھوڑ آیا ہوں۔میرا یہ جسم روز حشر تک (احیائے جسمانی تک) زمین

[1] یعنی لطفِ خداوندی اسی وقت کارفرما ہوتا ہے جب لیاقت پہلے سے موجود ہو۔

پر رہے گا''۔صرف مسیحؑ اور مریمؑ یہاں اپنے جسموں کے ساتھ ہیں۔اس بات پر رقص ونغمہ ساکت ہو جاتا ہے میں بیاترچے کی طرف پلٹتا ہوں لیکن وہ وہاں نظر نہیں آتی۔

قطعہ 26۔سینٹ جان مجھ سے مخاطب ہوتا ہے کہ بتا تیری روح کس مقام کی آرزو کرتی ہے؟وہ مجھے اطمینان دلاتے ہوئے کہتا ہے کہ تیری بصارت کچھ دیر کیلئے مغلوب ہوگئی ہے، ضائع نہیں ہوئی[1]، کیونکہ تیری حسین رہبر میں تیری بصارت لوٹانے کی قدرت ہے میں کہتا ہوں کہ میری آرزو کا مرکز یہاں ہے، اس مقام پر جو ابتدا اور انتہا ہے اس تعلیم کی جو عشق نے مجھے دی ہے۔ سینٹ جان پوچھتا ہے کہ اس مقام کو تو نے کیونکر اپنا ہدف بنایا میں جواب دیتا ہوں"ہمیں جتنا خیر کا عرفان ہوتا ہے اتنا ہی ہمارے اندر عشق روشن ہوتا ہے اور وہ جوہر اصلی (ذات خداوندی) کہ جس کے بغیر کوئی خیر ممکن نہیں ہے لازمی طور سے ہماری روح کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔سینٹ جان کہتا ہے کہ اپنی بہترین محبت خدا کیلئے وقف کر، مگر یہ بتا کہ کیا تجھے اپنے اندر وہ کرب تعلقات بھی محسوس ہوتے ہیں جو تجھے خدا کی طرف کھینچتے ہیں۔میں جواب دیتا ہوں۔'' تمام تعلقات جو دل کو خدا سے مربوط کرتے ہیں مل کر ہمارے اندر محبت واحسان (Charity) کو قائم رکھتے ہیں۔دنیا کا وجود میرا اپنا وجود، میری زندگی کی خاطر صلیب پر مسیحؑ کی موت اور وہ سب جس کی ایمان والوں کو امید ہے ان سب نے مل کر میری کشتی کو ناقص محبت کے سمندر سے بچالیا اور ساحل حق پر پہنچا دیا۔باغ فطرت میں جو پتیاں ہیں ان کیلئے میرے اندر بہت زیادہ محبت ہے اتنی ہی جتنا کہ وہ خیر ہے جو ان سب کی خبر گیری کیلئے دست خداوندی سے مرحمت ہوتا ہے''۔اس بات پر رب العالمین کی حمد کا نغمہ سنائی دیتا ہے جس میں بیاترچے کی آواز بھی شامل ہے اور جس طرح تیز روشنی سے کسی کی نیند ٹوٹ جائے اس طرح بیاترچے کی درخشانی میری تاریکی کو دور کر دیتی ہے اور میری بصارت لوٹ آتی ہے پہلے سے زیادہ واضح اور روشن مجھے ایک نئی روشنی نظر آتی ہے۔یہ آدم کی روح ہے۔آدم میرے دل کی بات جانتے ہوئے مجھے اپنے جنت ارض میں قیام، اپنی نجات اور اپنی زبان کے

---

1۔صوفیاء اس کیفیت سے واقف ہیں۔سینٹ جان آف دی کراس (St. John of the Cross) سے ''روح رات'' (Dark Night of the Soul)(DA) کہتے ہیں معراج اور اسریٰ کے قصص میں بھی اس کیفیت کا تذکرہ ملتا ہے۔

بارے میں بتاتا ہے۔

قطعہ 27۔خدا، اس کے فرزند اور روح القدس(The Holy Ghost) کی حمد کا نغمہ ساری جنت میں گونجتا ہے۔ میری روح وجد میں ہے اور جو کچھ میں دیکھتا ہوں وہ بھی وجد ہے۔ ایک آفاقی تبسم ہے تمام کائنات کا جو مجھے نظر آتا ہے، بے مثال خوشی، ناقابل بیان مسرت، عشق اور سکون کی لافانی زندگی، لازوال دولت بے حساب برکت وسعادت۔ پھر فضا میں ایسا رنگ پھیل جاتا ہے۔ جیسا طلوع یا غروب کے وقت بادلوں کا ہوتا ہے، یا شرم سے کسی دوشیزہ کے چہرہ کا ہوتا ہے۔ ایسا ہی رنگ بیاترچے کا ہوتا ہے۔ اور ایسا ہی رنگ آسمان کا تھا اس وقت جب مسیح مقدس نے صلیب پر تکلیف اٹھائی تھی۔ نہایت برہمی سے سینٹ پیٹر کلیسا کی دنیاوی ہوس کا تذکرہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ گلہ بانوں (Shepherds) کے بھیس میں بھیڑئے گھوم رہے ہیں۔ اے قہر خداوندی تجھے کس بات کی دیر ہے! پھر وہ سب اس طرح غائب ہوجاتے ہیں جیسے منجمد بخارات، اور میں اوپر دیکھتا رہ جاتا ہوں۔ بیاترچے کہتی ہے" دیکھو تو کتنی بلندی پر آگیا ہے"۔ میں نیچے دیکھتا ہوں، اور پھر جب بیاترچے کی طرف دیکھتا ہوں تو اس کی جگمگاتی ہوئی مسکراہٹ سے ایسی پاکیزہ مسرت محسوس کرتا ہوں کہ فطرت یا فن کی کوئی بھی تصویر جو روح کو اپنی طرف کھینچتی ہے بیاترچے کے حسن کے آگے کچھ نہیں۔ اس حسن کے اثر سے میں نویں آسمان یعنی فلک الافلاک (Primum Mobile) پر پہنچ جاتا ہوں۔ اس مقام کے بارے میں جاننے کی میری خواہش کو سمجھتے ہوئے بیاترچے کہتی ہے کہ یہ وہ مقام ہے جہاں سے تمام حرکت شروع ہوتی ہے۔" خود مرکز بے حرکت ہے اور باقی سب کچھ اس کے آس پاس گھوم رہا ہے...... یہاں تو وہ گلدان دیکھا ہے جس میں وقت کی جڑیں گڑی ہوئی ہیں۔ پتیوں کو کہیں اور تلاش کر۔ افسوس انسانی ہوس! تو ان لہروں سے اوپر سر نہیں اٹھا سکتی جو تجھے غرق کئے رکھتی ہے۔ انسان کے ارادہ میں اچھے پھول کھلتے ہیں مگر مسلسل برش کی وجہ سے پھل جھڑ جاتا ہے۔ ایمان اور معصومیت صرف بچوں میں پائے جاتے ہیں۔ بڑا ہوکر انسان ان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ دنیا میں بدنظمی پھیلی ہوئی ہے۔ لیکن وقت آئے جب یہ دور زمستانی ختم ہوگا اور بہار آئے گی اور ثمر حقیقی جس کا مدت سے انتظار ہے نمودار ہوگا"۔

قطعہ 28۔ بیاترچے کی آنکھوں میں مجھ کو جلوہ خداوندی کا عکس نظر آتا ہے۔ جیسے کوئی

آئینہ میں دفعتاً اپنے پیچھے مشعل دیکھتا ہے اور پلٹ کر دیکھنا چاہتا ہے کہ آئینہ نے حقیقت بتائی ہے یا نہیں، کچھ ایسی ہی کیفیت میری ہوئی۔ میں پلٹتا ہوں اور ایک نقطہ دیکھتا ہوں جس سے ایسی بے پناہ تیز روشنی نکل رہی ہے کہ کوئی آنکھ بغیر بند ہوئے اس کی تاب نہیں لاسکتی۔ اس نقطہ کے گرد ایک حلقہء آتشیں ہے جو سریع ترین رفتار سے گھوم رہا ہے اور اس کے گرد نو حلقے اور گھوم رہے ہیں۔ مرکزی نقطہ سے جتنا دور کوئی حلقہ ہے اتنی ہی کم اس کی رفتار ہے، اور سب سے زیادہ سریع اور روشن حلقہ وہ ہے جو مرکزی نقطہ سے قریب ترین ہے۔ بیاترچے وضاحت کرتی ہے کہ ہر حلقہ اسی قدر منور ہے جتنا کہ وہ مرکز خیر کے قریب ہے۔ وہ ان مختلف حلقوں کے نگہبان فرشتوں کے بارے میں بتاتی ہے اور کہتی ہے کہ یہ سب بابرکت ہیں، اسی قدر جتنی زیادہ گہرائی میں ان کی نظر اس حقیقت تک پہنچتی ہے جو سب ذہنوں کیلئے سامان سکون ہے۔ اسی لئے برکت کا انحصار دیدار پر ہے نہ محبت کرنے پر جو کہ دیدار کا نتیجہ ہوتی ہے۔[1]

قطعہ 29۔ بیاترچے آئینہء حقیقت میں میرے ذہن کے کچھ شکوک دیکھ کر انہیں رفع کرتی ہے۔ اور ان علمائے دین پر لعنت بھیجتی ہے جو اپنی جہالت یا حرص کی وجہ سے خدا کے کلام کی سچائی کی جگہ من گھڑت باتیں بنالیتے ہیں۔ پھر وہ کہتی ہیں کہ ذات خداوندی وہ سرچشمۂ فیض ہے جو اتنی مختلف صورتوں میں نور مرحمت کرتا ہے جتنی مختلف صورتیں کہ آئینہ خانہ وجود میں ہیں۔ وہ قدرت ازلی کتنی بے کراں ہے جو بے شمار آئینہ ہائے کثرت میں ٹوٹنے کے بعد بھی اپنی وحدت قائم رکھتی ہے۔

قطعہ 30۔ نقطہ حقیقت اور اس کے حلقے غائب ہوجاتے ہیں تو میں بیاترچے کی طرف دیکھتا ہوں۔ وہ اتنی حسین نظر آتی ہے کہ اب تک جو کچھ اس کے حسن کی تعریف میں کہا گیا ہے وہ پوچ ہے، بلکہ مجھے اس کی شخصیت میں ایسا حسن نظر آتا ہے جس سے سوائے اپنے خالق کے کوئی اور

---

1۔ صحیح معنی میں دیدار یہی ہے کہ کسی خارجی شے یا غیر از نفس یا "دیگر حقیقی" کے یکتا اور منفرد وجود کا دیار ہو۔ اسی سے عشق حقیقی پیدا ہوتا ہے جو برکت وسعادت کی ضمانت ہے۔ دیدار باطل میں دیگر حقیقی کے بجائے آدمی اپنے ہی نفس کی پرچھائیں دیکھتا ہے۔ بقول رومی۔ آدمی دیداست وباقی پوست است۔ دیدآں باشد کہ دید دوست است اور برکت آفریں محبت دیدار حقیقی کا ہی نتیجہ ہے۔ نگاہ پاک ہے تیری تو پاک ہے دل بھی۔ کہ دل کو حق نے کیا ہے نگاہ کا پیرو (اقبالؔ)

پوری طرح لطف اندوز نہیں ہوسکتا اس مقام پر میری قوت بیان جواب دے رہی ہے، کیونکہ جس طرح آفتاب ضعیف ترین نظر کو خیرہ کردے اسی طرح اس اعجاز نما تبسم کی یاد میرے تخیل کو خیرہ کردیتی ہے۔ میں نے ہمیشہ اس کے حسن کا بیان کیا ہے مگر اب اس کے حسن کے بیان سے میری فنی صلاحیت قاصر ہے، جو اپنی انتہائے کمال کو پہنچ چکی ہے۔ بیاترچے کہتی ہے کہ اب ہم عرض معلّٰی (The Empyrean) پر پہنچ گئے ہیں جہاں خالص نور اور عشق اور مسرت اور جہاں تو جنود بہشت (Host of Paradise) کو دیکھے گا۔ زندہ انور کی جلوہ بازی سے میرے چاروں طرف بجلیاں سی چمک رہی تھیں اور مجھے اس طرح خیرہ کر رہی تھیں کہ نظارہ بھی میرے لئے نقاب کا کام کررہا تھا۔ مگر لطف خداوندی سے میری بصارت کو تقویت عطا ہوئی ہے کہ میں ان جلوؤں کی تاب لاسکوں۔ مجھے ایک نور کا دریا بہتا ہوا نظر آتا ہے جس کے کنارے گویا حسین ترین بہاروں سے منقش ہیں۔ اور اس نور کے دریا سے زندہ نور کے شرارے اچھل اچھل کر کنارے کے گلابوں میں گرگر کر ایسے دکھائی دیتے ہیں جیسے سونے میں لعل جڑے ہوں۔ اور پھر یہ نور کے شرارے گویا خوشبو سے سرشار ہوکر دوبارہ اس حیرت انگیز دریائے میں اچھل اچھل کر گر جاتے ہیں جہاں سے دوسرے نور کے شرارے اچھل اچھل کر گلابوں کی طرف آرہے ہیں۔ بیاترچے مجھ سے اس نور کے دریا کا پانی پینے کو کہتی ہے وہ کہتی ہے کہ یہ دریا اور "یہ شرارے محض ایک دیباچہ ہیں اور اس حقیقت کا سایہ ہیں جس کی وہ نشاندہی کرتے ہیں اور ابھی تیری بصارت راس قابل نہیں ہے کہ اس کا دیدار کرسکے"۔ میں نور کے دریا میں غوطہ لگاتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ دریا گول ہے۔ نورانی مخلوق اپنے اپنے اصلی روپ میں واضح دکھائی دینے لگتی ہے اور ایک مرکز نور کے گرد لاکھوں کی تعداد میں ہے۔ یہ سب ایک نور کے گلاب یا گل متصوفانہ (Mystic Rose) کی شکل میں نظر آتے ہیں کہ جس کی پنکھڑیاں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ ان سب کو برابر کی مسرت حاصل ہے یہاں دوری اور قربت برابر ہے۔ بیاترچے مجھے گلاب کے مرکزی زرد (حصہ) میں لے جاتی ہے اور وہ مقام دکھاتی ہے جو ہنری اور لکسمبرگ (ہنری ہفتم) حاصل کرے گا۔

قطعہ 31۔ اس گلاب کی شکل میں جو برف کے مانند سفید ہے تمام بابرکت لوگ نظر آتے ہیں اور فرشتے ہیں کہ شہد کی مکھیوں کی طرح اس کے آس پاس اڑ رہے ہیں، اور ان کے آس

پاس اڑنے سے نہ سایہ پیدا ہوتا اور نہ نگاہ کیلئے رکاوٹ۔ میری نگاہوں سے زندہ نور کے اس گلاب کی تجلیات جمال کا نظارہ کرتی ہے، مسرت اور حیرت کے عالم میں۔ ایسی نگاہیں میں نے دیکھیں جو محبت واحسان (Charity) کے پیغام سے سرشار تھیں، ان کے اندر کا تبسم اوپر کے نور تجلی سے ہم آہنگ تھا اور ان کی ہر ادا میں لطف اور وقار کی شان تھی۔ اس طرح میں اس تمام جنت کا دیدار کرتا ہوں، اور کچھ پوچھنے کیلئے بیاترچے کی طرف پلٹا ہوں مگر بیاترچے کو وہاں نہیں پاتا۔ اس کی جگہ ایک بزرگ شخص نظر آتا ہے اور وہ کہتا ہے۔ ''بیاترچے نے مجھے بھیجا ہے، دیکھو اوپر سے تیسرے حلقہ میں اس کا مقام''۔ یہ لوگ بزرگ شخص سینٹ برنارڈ (St. Bernad) ہے۔ وہ ملکہ آسمانی مریمؑ عذرا کو بتایا ہے جو سب سے اوپر گلاب میں جلوہ افروز ہے۔

قطعہ 32۔ سینٹ برنارڈ حوا کو بتاتا ہے کہ جو مریمؑ کے قدموں کے نیچے والے مقام پر ہے۔ اس سے نیچے بیاترچے ہے ریچل (Rachal) کے ساتھ۔ ایک طرف وہ لوگ ہیں جو مسیحؑ یا اس کے آنے پر ایمان رکھتے تھے۔ دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو پہلے ہی سے مسیحؑ کو آیا ہوا سمجھتے تھے[1] سینٹ برنارڈ کہتا ہے کہ ہر ایک کو جو مقام ملا ہے وہ لطف خداوندی (Divine Groce) کی بدولت ہے نہ کہ محض لیاقت یا استحقاق کی بدولت۔[2] سینٹ برنارد مجھ سے کہتا ہے کہ میرے ساتھ مریم عذرا سے التجا کر کہ جلوہ خداوندی کو پوری طرح دیکھنے کی تجھ میں طاقت پیدا ہو۔

قطعہ 33۔ میں سینٹ برنارڈ کے ساتھ مریمؑ عذرا سے التجا کرتا ہوں، دیگر اولیاء اور انبیاء بھی اس التجا میں شامل ہو جاتے ہیں۔ سینٹ برنارڈ مجھے اوپر دیکھنے کا اشارہ کرتا ہے، مگر میں اس سے پہلے ہی اوپر دیکھنے لگتا ہوں کیونکہ میری نظر پاک سے پاک تر ہوتی جاتی ہے۔ مجھے جو کچھ نظر آتا ہے وہ الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتا، نہ حافظہ ہی بیان کی اس گستاخی کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ اب اس وقت (جب میں یہ نظم لکھ رہا ہوں) میری حالت ایک ایسے انسان جیسی ہے جو جاگنے پر اپنا خواب تو بھول جائے مگر اس نے خواب میں جو کچھ محسوس کیا اس کا اثر اس کے ذہن

---

1۔ یعنی باطنی طور سے مسیحؑ پر ایمان رکھتے تھے۔

2۔ اگرچہ بغیر لیاقت کے لطفِ خداوندی کارفرما نہیں ہوتی لیکن جو کچھ بھی ہوتا ہے خدا کی طرف سے ہوتا ہے اور انسان کو جو کچھ ملتا ہے لطف خداوندی سے ہی ملتا ہے۔

میں باقی ہو، کیونکہ وہ رویا (Vision) تو ختم ہو چکا ہے لیکن اس سے جو احساس شکر پیدا ہوا تھا اب بھی میرے دل میں بوند بوند ٹپک رہا ہے۔ اے نور خداوندی مجھے اتنی قدر دے کہ میں تیرے ایک شرر کی توصیف کر سکوں، آنے والی نسلوں کیلئے اور میرے حافظہ کو بیدار کر۔ وہ زندہ شعاع اتنی شوق پرور تھی کہ اگر میں ذرا بھی نظر ہٹالیتا تو گم ہو جاتا۔ چنانچہ مجھ میں یہ جرات پیدا ہوئی کہ میں (دیدار کے اس راستہ پر) آگے بڑھتا گیا یہاں تک کہ میری بصارت دہشتناک لامحدودیت کے کنارے پہنچ گئی۔ میں اس نور ازلی کو دیکھتا رہا جب تک کہ بصارت میں سکت باقی رہی اور مجھے اس کی گہرائی میں کائنات کے تمام اوراق ایک جلد میں عشق سے مربوط نظر آئے تمام خواص جوہر اور عوارض کے، اور اس طرح کہ یہ سب کچھ ایک نور تبسم تھا۔ کیونکہ جب بھی میں اس کا ذکر کرتا ہوں تو میری روح میں بے حد انبساط پیدا ہوتا ہے۔ جو کوئی بھی اس نور کو دیکھے وہ جان بوجھ کر کسی اور چیز کی طرف نگاہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ تمام خیر جس کی آرزو کی جاسکتی ہے یہاں مجتمع ہے، اور وہ سب جو دوسری جگہ ناقص ہے یہاں مکمل ہے۔ اپنی بصارت کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس نور میں مجھے نئے نئے جلوے نظر آتے رہے، مجھے خیال ہے کہ مجھے اس نور بیکراں میں تین رنگ کے تین کرہ ایک ہی رشتہ میں مربوط نظر آئے اور ایک کرہ دوسرے کرہ کو اس طرح منعکس کرتا تھا جیسے قوس قزح قوس قزح کو منعکس کرے اور تیسرا کرہ آگ معلوم ہوتا تھا جو ان دونوں کے نفس سے نکل رہی تھی۔ قوت نطق بیان سے عاجز ہے، لیکن جو کچھ بیان کیا گیا ہے یہ عشرِ عشیر ہے اس کا جو مجھے نظر آیا۔ اے نور ازلی جو اپنی اپنی ذات میں موجود ہے اور اپنا عرفان خود ہی کر سکتا، ماضی، حال یا مستقبل کا، تو مسکراتا ہے اس گردش پر جو تیرے اندر نور منعکس معلوم ہوتی ہے، کیونکہ میرا خیال ہے کہ مجھے وہاں ہمارا ہی پیکر (Image) نظر آتا ہے۔ جیسے مہندس کی سمجھ میں نہ آئے کہ دائرہ کہاں سے شروع ہوتا ہے اسی طرح میں غور کرنے سے یہ نہ سمجھ سکا کہ یہ پیکر کرہ سے کیونکر موافق رکھتا ہے اور وہاں کیونکر موجود ہے۔ یہ سب میری فہم سے بالاتر ہوتا اگر میرے ذہن میں ایک بجلی سے نہ کوندتی جس نے منکشف کر دیا وہ سب کہ جس کی ذہن کو جستجو تھی۔ یہاں قوت تخیل جواب دے گئی۔ لیکن ارادہ آگے بڑھتا گیا خواہش عمل کے ساتھ ساتھ، جیسے کہ کوئی پہیا بغیر اٹکے ہوئے آزادانہ حرکت کرتا ہے اسی طرح میری خواہش عمل اور ارادہ عشق کی قدرت سے گھومتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے، وہ عشق جو حرکت دیتا ہے سورج کو اور تمام ستاروں کو۔ ☆☆

# اختتامیہ

طربیۂ خداوندی کے خلاصہ سے ظاہر ہے کہ دانتے کی عظمت کا راز اس منفرد اور محسوس اساطیری تجربہ میں ہے جسے انہوں نے اپنے فن کے حسی پیکروں میں منقلب کر دیا ہے۔ تمام منفردات ایک ہی حقیقت لامحدود کا پرتو ہیں۔ چنانچہ جیسے جیسے ہم اس حقیقت کے قریب آتے جاتے ہیں تجربہ کی منفرد اشکال شفاف سے شفاف تر ہوتی جاتی ہیں، ان کی معنویت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، اور ان کی انفرادیت کا انحصار طبیعی خدوخال کی بہ نسبت اس معنویت پر زیادہ ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ جنت میں یہ انفرادیت نہایت شدید ہونے کے ساتھ ساتھ ماورائے جسم ہو جاتی ہے۔ (مثلاً کاکچیا گوئدا صرف ایک نورانی جسم کی صورت میں نظر آتا ہے لیکن اس کے ٹوٹتے ستارہ کی طرح صلیب کے نیچے گرنے کے انداز، اس کی تقریر اور رفتار گفتار وغیرہ سے اس کی شدید انفرادیت ظاہر ہوتی ہے جو اس کے روحانی کیفیت کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ اور اسی طرح جنت کے ہر جسم نورانی کی انفرادیت اس کی مخصوص رفتار گفتار کی وجہ سے نہایت شدید اور نہایت معنی افریں ہے۔ طبیعی خدوخال میں مگر ماورائی نوعیت کے اور نہایت حرکت پذیر اور شفاف)۔ اس طرح طربیۂ خداوندی کے تجربہ کی تمام منفرد اشکال اس حقیقت لامحدود کا "دیباچہ" اور "سایہ" ہیں جس کی وہ نشاندہی کرتے ہیں اور جس کا دوسرا نام عشق ہے، وہ عشق جو حرکت دیتا ہے سورج کو اور تمام ستاروں کو۔ سب اس ایک حقیقت کی مختلف علامتی اشکال (Symbolic Forms) ہیں۔ دراصل طربیۂ خداوندی تجسیم خداوندی کی شہادت ہے، اور تخلیق خداوندی اور برکت خداوندی کی

شہادت بھی۔ وہ ایک منفرد تجربہ ہے کہ جس کی وقعت لامحدود ہے۔ سینٹ ٹامس اکوئناس کا یہ قول یاد آتا ہے کہ "صرف منفردات ہی لامحدود ہوتے ہیں"۔ یعنی کسی شے کے منفرد وجود (دیگر حقیقی) کا ادراک ہی خدائے لامحدود کے وجود کے ادراک کا وسیلہ بن سکتا ہے۔ اور یہ ادراک ہمیں صرف عشق کی روشنی ہی میں ہوسکتا ہے۔ عشق کی روشنی میں ہی تجربہ ایک منفرد اور معنی آفریں شکل میں ظہور پذیر ہوتا ہے اور اس میں وہ اقدار منکشف ہوتی ہیں جو عالم زمان و مکاں سے ماوراء ہیں۔ اور یہ بات زندگی پر بھی صادق آتی ہے اور فن پر بھی۔

بقول کسرر (Cassirer) فن تجربہ کی اشکال کا وجدان ہے کہ جن کے وسیلہ سے حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے۔ یعنی تجربہ کی منفرد اور معنی آفریں اشکال کو جو عشق کی روشنی میں وجدانی طور پر نظر آتی ہیں حسی پیکروں میں مجسم کردینے کا نام فن ہے۔ چنانچہ مارٹن بوبر (Martin Buber) کا یہ خیال صحیح ہے کہ فن عشق کی پیداوار ہے جو "تعلق من و تو" (I and Thou Relation) سے عبارت ہے۔ اس معنی میں ہر فن کا ایک عاشق ہوتا ہے (جبکہ ہر عاشق فن کار نہیں ہوتا)۔ دانتے کو فن کی اس حقیقت کا احساس ہے، اور وہ خود یہ اعلان کرتے ہیں کہ ان کا فن عشق کی پیداوار ہے:-

میں وہ ہوں جس کے اندر جب عشق نفس زن ہوتا ہے تو وہ اس کی آواز سنتا ہے اور اسکے ایماء پر طرز بندی کر کے لوگوں کے لئے گیت ڈھالتا ہے۔ (مقام کفارہ 24)

دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کسی فن کار کی فن کی عظمت کا راز اس کے عشق فن ساز کی عظمت میں ہے۔ فن میں اسی درجہ عظمت پیدا ہوتی ہے جس درجہ منفرد حسی پیکر اپنے جدلیاتی وجود سے وقیع ترین اور آفاق گیر اقدار کی نشاندہی کرتے ہیں۔ فن کار عاشق بھی منفرد میں لامحدود کو دیکھتا ہے۔ وہ بھی اصول تجسیم خداوندی کا اذعان کرتا ہے جو فن کی سطح پر اصول تجسیم اقدار کے مترادف ہوتا ہے۔ یہاں یہ صفائی پیش کرنا ضروری ہے کہ اصول تجسیم خداوندی کا اذعان جو تمام صوفیاء کے ہاں ملتا ہے یسوع مسیحؑ کی تجسیم خداوندی کے عیسائی عقیدہ سے مختلف ہے اور یہ دونوں لازم وملزوم نہیں ہیں۔ اصول تجسیم کا جتنا کامل اذعان کوئی فن کار اپنے عشق فن ساز کی روشنی میں کرتا ہے اتنی ہی عظمت اس کے فن میں پیدا ہوئی ہے جس طرح انسانی زندگی میں عزم اور قدرت عمل

کے درمیان جو خلیج ہوتی ہے وہ اصولِ تجسیم خداوندی کے اذعان سے پر ہو جاتی ہے اور طربیہ خداوندی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اسی طرح فن میں بھی اصول تجسیم خداوندی کے اذعان سے عزم اور قدرت عمل کے درمیان کوئی خلیج باقی نہیں رہتی اور ہیئت اور معنی ایک ہو جاتے ہیں۔ اور یہ فن کار کے عشق فن سازی کی پختگی کی علامت ہے۔

دراصل فن بھی تجدید شعور کا ایک مسلسل عمل جو خلاقی اور مشاقی اور آفاق گیری سے عبارت ہے اور فن کار کو بھی انکشاف حقیقت کی خاطر تین شہادتیں دینا ضروری ہوتی ہیں جو باہم مربوط ہیں، یعنی شہادت تخلیق (Witness of Creation)، شہادت تجسیم (Witness of Incurna) اور شہادت برکت و نجات (Witness of Redemption)۔ ان شہادتوں میں مرکزی حیثیت شہادتِ تجسیم کی ہے جس میں تینوں شہادتوں کا سنگم ہے۔ ان شہادتوں کو فن کی عظمت کا معیار قرار دیا جاسکتا ہے۔ اور اس معیار سے دیکھا جائے تو دانتے کا فن عظیم ترین فن کا نمونہ ہے۔ ان کی طربیہ خداوندی کا ہر لفظ ایک نکتہ تقاطع (Point of Intersection) پر جگمگا رہا ہے، جہاں محدود اور لامحدود ایک دوسرے سے ملتے ہیں، اور اس کی جگمگاہٹ میں حسی تجربہ کی علامتی اشکال (Symbolic Forms) کی جدلیات سے تجدید شعور کی تعبیر ملتی ہے۔

انگریزی ادب میں یہ کیفیت شیکسپیئر کے شاہکاروں کی خصوصیت ہے۔ لیکن جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے کہ شیکسپیئر کی شاعرانہ زبان بھی اتنی شفاف نہیں ہے کہ اساطیری آفاقیت کی اس معراج کو پہنچ سکے جہاں دانتے کی شاعری پہنچتی ہے۔ شیکسپیئر کے عظیم ڈراموں میں یقیناً یہ محسوس ہوتا ہے کہ تمام کائنات ملوث ہے اور حسی تجربہ کی جدلیات سے فن کار کسی وجودی حقیقت کی جستجو کر رہا ہے۔ شیکسپیئر حقیقت کے مختلف جدلیاتی رویا پیش کرتے ہیں جو وقت کے اسٹیج پر ظاہر ہوتے ہیں۔ ان میں وہ ربط اور ہم آہنگی ضرور ہے جو ایک عظیم شاعر کی مختلف تصانیف کو ایک تصنیف بنا دیتی ہے۔ مگر شیکسپیئر کے یہ سب رویا کسی ایک نکتہ وقعت پر مرتکز نہیں ہوتے۔ اگر ایسا ہوگا تو وقت کے اسٹیج پر کھیلے جانے والے ڈرامہ کی زندگی ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ شیکسپیئر کے ہاں ماوَرائیت کا ادراک ہے لیکن کوئی مربوط نظام ماوَرائیت نہیں ہے اور نہ ہی شیکسپیئر کو اس کی ضرورت ہے۔ لیکن دانتے کے

ہاں حقیقت کا ایک ہی جامع ترین جدلیات رویا ہے جو ابدیت کے اسٹیج پر ظاہر ہوتا ہے اور اس کا مرکز ساکت ایک ہی نکتۂ وقعت ہے جس کی روشنی میں تمام کائنات وجود زندگی کے ڈرامہ کی بجائے طربیہء خداوندی بن جاتی ہے۔ اگر شیکسپیئر سے کوئی کسی بھی چیز کے بارے میں پوچھے تو وہ صرف یہ جواب دیتے ہیں:۔''زندگی''۔ لیکن اگر دانتے سے کوئی کسی بھی چیز کے بارے میں پوچھے تو وہ صرف یہ جواب دیتے ہیں:۔''عشق''۔ شیکسپیئر کے ہاں زندگی میں عشق ہے، لیکن دانتے کے ہاں عشق میں زندگی۔ فن تجدید شعور ہے، لیکن دانتے کے فن کا موضوع بھی تجدید شعور ہے۔

عشق میں زندگی اور تجدید شعور کا رویہ نسبتاً چھوٹے پیمانے پر موجودہ دور کے عظیم انگریزی شاعر ایلیٹ (Eliot) کے ہاں بھی ملتا ہے جن پر دانتے کا گہرا اثر ہے۔ ان کی شاعری میں بھی جہنم، مقام کفارہ اور جنت کے مترادفات ملتے ہیں جو اس عالم رنگ و بو (Saeculum) کی تمہید ہیں۔ مگر جنت کی صرف جھلک ہی ایلیٹ کو نظر آتی ہے، ان کا تخیل عرش معلیٰ (The Empyrean) تک پرواز نہیں کرتا۔ وہ دانتے کی طرح اپنی نظموں کو اساطیری قالب میں ڈھالتے ہیں، مگر کہیں کہیں ان نظموں کے تلمیحات نقوش اساطیری نقوش کو منعکس نہیں کر پاتے، اور ہیئت اور معنی میں، یا یوں کہیں کہ نظم کے موضوعاتی عزم اور ہیئت عمل میں خلیج (وہی عزم اور عمل میں خلیج) پیدا ہو جاتی ہے، اور اس طرح حسی پیکروں میں وہ شفافیت پیدا نہیں ہوتی جو دانتے کی شاعری کی خصوصیت ہے[1]۔ یہ مکمل شفافیت ایلیٹ کی آخری عظیم نظم فور کوارٹیٹس (Four Quartets) میں یقیناً پیدا ہو گئی ہے جس کے تمام نقوش ایک مرکزی اسطور یعنی لفظ مجسم (Logos) کے اس نکتہ ساکت (Still Point) سے روشن ہوتے ہیں جہاں وقت ابدیت سے ہم کنار ہو کر نجات یافتہ (Redeemed) ہو جاتا ہے۔ دانتے کی طرح ایلیٹ کیلئے بھی اس نکتہ ساکت کا عرفان اصول تجسیم خداوندی کا اذعان ہے اور اس کا مطلب ایلیٹ کے لئے بھی تجدید شعور ہے جو لفظ مجسم کے نکتہ ساکت کی برابر شہادت دیتا ہے۔ اسی لئے فور کوارٹیٹس میں فن کی علامتی اشکال جو اپنے جدلیاتی وجود میں تجدید شعور کے موضوع کی منعکس کرتی ہیں مکمل شفاف ہو کر خود اس

1۔ مثال کے طور پر ایلیٹ نظم
(Burbank With a Baedecker Bleistein with Aciger)

موضوع کی ایک تمثیل (Analogne) بن جاتی ہیں۔ یہ شعور حسن وحقیقت کا کمال ہے کہ فن خود فن کو آئینہ دکھائے۔

عشق اور تجدید شعور کے موضوع کے سلسلے میں اردو کے عظیم شاعر اقبال کا تذکرہ کرنا بیجا نہ ہوگا۔ اقبال کے لئے بھی عشق ''اصل حیات'' ہے اور اس کی قدرت سے تجدید شعور عمل میں آتی ہے جس کو وہ تعمیر خودی کا نام دیتے ہیں۔ دانتے کی طرح اقبال نہ عقل کی نفی کرتے ہیں، نہ علم وفن کی، اور نہ ہی تن کی۔ لیکن اگر عشق کا نفوذ نہ ہو تو یہ سب ''ساحری'' بن جاتے ہیں، جس کا وہی مقصد ہے جو زمانہ قدیم میں تھا، یعنی طاقت کی ہوس اور اس کا غیر ذمہ دارانہ استعمال۔ یہ ''ساحری'' موجودہ مغربی تہذیب کی ایک علامت بن گئی ہے اور اس سے انسانیت کو زبردست خطرہ ہے۔ دانتے کے جہنم میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ ابلتی ہوئی خون کی ندی کے استبداد گر، تپتی ہوئی ریت کے سودخوار اور وہ سب لوگ جو انسان، فطرت اور فن سے ناجائز منفعت حاصل کرتے ہیں، الفاظ کی طاقت کا ناجائز استعمال کرنے والے چاپلوس جو فضلہ میں غرق ہیں، جادوگر اور فال بین جن کے منہ پیچھے کی طرف پھرے ہوئے ہیں اور وہ تمام باطل گر جن کی بھیانک بیماریوں سے شکلیں دگرگوں ہوگئی ہیں۔ علم کی غیر ذمہ دارانہ طلب اور غیر ذمہ دارانہ زیرکی کی علامت یولیسس (Ulysses) ہے جو بحر ممنوعہ کا سفر کرتا ہے اور گرداب میں غرق ہوکر جہنم میں پہنچ جاتا ہے۔ اقبال مغرب کی زیرکی کے قائل ہیں، لیکن انسان کی نجات کیلئے ضرورت اس بات کی ہے کہ زیرکی عشق سے بہرہ ور ہو جس کا سرچشمہ مشرق ہے۔

غربیاں را زیرکی سازِ حیات | شرقیاں را عشق رازِ کائنات
زیرکی از عشق گردد حق شناس | کار عشق از زیرکی محکم اساس
عشق چون بازیرکی ہمبر شود | نقش بند عالم دیگر شود
خیز و نقش عالم دیگر بنہ | عشق را با زیرکی آمیزدہ

جاوید نامہ

یہ عالم دیگر وہی عالم ہے جو عالم جہات کی قلب ماہیت سے پیدا ہوتا ہے اور تجدید شعور یا تعمیر خودی سے عبارت ہے۔ اقبال اس معاملہ میں بھی دانتے کے ہم خیال ہیں کہ دین کیلئے بھی عشق

ضروری ہے جس کے بغیر دین ملائیت بن جاتا ہے یا ابولہب۔

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی
نہ ہو تو مرد مسلماں بھی کافر زندیق

بے تجلی زندگی رنجوری است
عقل مجبوری و دین مجبوری است

اقبال کے ہاں بھی عقل محض کا وہی مقام ہے جو دانتے کے ہاں، یعنی لمبو (Limbo) یا اعراف، اور یہی حکیم نطشہ کا مقام ہے (ملاحظہ کیجئے جاوید نامہ)، اور اسی مقام پر "تڑپ رہا ہے فلاطون میان غیب وحضور"۔ دانتے کی ورجل کی طرح علم صادق جو تفسیر جہان رنگ و بو ہے انسان کو مقام جذب وشوق تک لا کر چھوڑ دیتا ہے، لیکن عشق اسے اس سے آگے لے جاتا ہے۔ علم:

ہر مقام جذب و شوق آرد نزا
بازچوں جبریل بہ گذرد ترا

علم کی حد سے پرے بندہ مومن کیلئے
لذت شوق بھی ہے، نعمت دیدار بھی ہے

دانتے کی طرح اقبال کا بھی عقیدہ ہے کہ عشق کا باطن "نور رب العالمین" ہے، اور علم اور فن دونوں ہی عشق کی تب وتاب دروں سے زندہ ہوتے ہیں۔

دانتے کی اور ایلیٹ کی طرح اقبال بھی اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ فن عشق کی پیداوار ہے اور خلاقی اور مشتاقی اور آفاق گیری سے عبارت ہے، اور اس کا پیغام ہے تعمیر خودی یا تجدید شعور۔ فن ایسا نقش ہے جس میں رنگ ثبت ودوام ہے اور اسے ایک مرد خدا یا عاشق ہی بنا سکتا ہے۔

رنگ ہو یا خشت وسنگ، چنگ ہو یا حرف وصوت
معجزہ فن کی ہے خون جگر سے نمود

گر ہنر میں نہیں تعمیر خودی کا جوہر
وائے صورت گری وشاعری ونائے سرود

شعر را مقصود گر آدم گری است
شاعری ہم وارث پیغمبری است

دانتے کی طرح اقبال کا بھی عقیدہ ہے کہ کائنات خدا کا فن ہے (اگرچہ انسان کے فن سے مختلف ہے) اور اس میں وہ اسی طرح موجود ہے جس طرح فن میں فن کار۔ کائنات کا ہر منفرد وجود خدا کی تخلیق تجسیم اور برکت کی شہادت دیتا ہے، اور خلاقی، مشتاقی اور آفاق گیری صفات ربانی ہیں جو انسان کو اپنے اندر پیدا کرنا چاہئے۔ چنانچہ جاوید نامہ میں خدا کی طرف سے ارشاد ہوتا ہے

زندہ؟ مشتاق شو خلاق شو
ہمچو ماگیرندہء آفاق شو

در شکن آں را کہ ناید ساز گار
از ضمیر خود دگر عالم بیار

زندگی اور فن دونوں ہی میں تعمیر خودی یا تجدید شعور یا عالم جہات (Sarculum) سے ایک نئی معنی آفریں دنیا پیدا کرنے کیلئے عشق کی وہ تین شہادتیں ضروری ہیں۔ جو دانتے کے رویائے جہنم، کفارہ اور رویائے جنت کا ماحصل ہیں۔ اقبال ان شہادتوں کو جاوید نامہ میں اس طرح بیان کرتے ہیں۔

زندہ یا مردہء یا جاں بلب — از سہ شاہد کن شہادت را طلب
شاہدِ اول شعورِ خویشتن — خویش رادیدن بنور جویشتن
شاہدِ ثانی شعورِ دیگرے — خویش را دیدن بنور دیگرے
شاہدِ ثالث شعورِ ذاتِ حق — خویش را دیدن بنورِ ذاتِ حق

مگر ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ خود کو دیکھنا اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ دوسرے کو ایک منفرد وجود کی حیثیت سے دیکھا جائے (میں ''میں'' نہیں بنتا جب تک کہ ''تو'' نہ ہو) اور ''دیگر حقیقی'' کے دیدار سے ہی ذاتِ حق کا دیدار ہے اور جب ایسا نہ ہو تو نقشِ حق کی جگہ نقشِ باطل لے لیتا ہے اور انسان اس ''ساحری'' کے فریب میں گرفتار ہو جاتا ہے جس کی علامت طربیئہ خداوندی میں دانتے کے خواب کی سائرن (Siren) ہے۔ اسی لئے دانتے اس بات کے قائل ہیں کہ ''برکت کا انحصار دیکھنے پر ہے، نہ کہ محبت کرنے پر جو کہ دیدار کا نتیجہ ہوتی ہے''۔ اور اقبال جو نگاہ کی پاکیزگی کو شرطِ اولین مانتے ہیں، رومی کے اس قول سے متفق ہیں۔

آدمی دید است و باقی پوست است — دید آں باشد کہ دیدِ دوست است

دانتے اور تمام صوفیاء کی طرح اقبال کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ نیرنگیِ صفات جلوۂ ذاتِ حق ہے اور اس کا دیدار ہی عاشق کی جنت ہے۔

چشم اور روشن شوداز کائنات — تا بہ بیند ذات را اندر صفات
ہر کہ عاشق شد جمالِ ذات را — اوست سید جملہ موجودات را

جلوۂ دہر میں جلوۂ خداوندی کو دیکھنا اصول تجسیم خداوندی کا اذعان ہے، دانتے اور تمام صوفیاء کی طرح اقبال بھی اس کے قائل معلوم ہوتے ہیں۔ خدا اور کائنات کے رابطہ کو اپنی زبان کے کسی ایک حرف ربط سے ظاہر کرنا محال ہے کیونکہ خدا کائنات کے ''اندر'' بھی ہے اور ''باہر'' بھی

اور جیسا کہ قرآن میں کہا گیا ہے کہ کائنات اللہ کی فطرت ہے اور بقول اقبال دونوں کا رابطہ کچھ ایسا ہی ہے جیسا کہ کردار اور ذاتِ انسانی کا (اسلام میں مذہبی فکر کی تشکیل نو پر چھ خطبات، لاہور، صفحہ:76)[1]۔ بہر حال جیسا کہ اقبال خطبات میں کہتے ہیں جو "حقیقی معنی میں غیر محدود ہے وہ محدود کا استثناء نہیں کرتا۔ وہ محدود سے ہم کنار ہوتا ہے۔ اس کی محدودیت کو ختم کئے بغیر، اور اس کی توضیح کرتا ہے اور اس کے وجود کو برحق قرار دیتا ہے"۔ (صفحہ 40)۔ اقبال ہمیشہ خدا اور کائنات کی ثنویت سے انکار کرتے ہیں (اور اسی لئے تخلیق کائنات کے اس یکانی تصور کو جو تخلیق کو محض ایک واقعہ گذشتہ قرار دیتا ہے رد کر دیتے ہیں کیونکہ اگر پہلے بجز خدا کے کچھ نہ تھا تو اب بھی ایسا ہی ہے)۔ ان کے لئے خدا اور کائنات ایک مسلسل شمولیت باہم کی حیثیت سے وجود رکھتے ہیں[2] خدا جو قرآن کی رو سے زمین اور آسمانوں کا نور ہے ہمیشہ کائنات کے ساتھ ہے اور کائنات خدا کے ساتھ۔ کائنات آیت خداوندی اور مظہر خداوندی ہے اور اسی لئے کائنات مقدس ہے (خطبات صفحہ 217) چنانچہ جاوید نامہ میں زروان جو روح زمان و مکان ہے اس حدیث کا حوالہ دیتا ہے کہ لی مع اللہ وقت اور کہتا ہے کہ اس حقیقت کا اثبات کرنے سے خدا اور انسان کے بیچ میں بعد زمان و مکاں حائل نہیں رہتا۔

| | |
|---|---|
| لی مع اللہ ہر کرا در دل نشست | آن جوا نمردی سلم من شکست |
| گر تو خواہی من بناشم درمیان | لی مع اللہ باز خوان ازعین جان |

اقبال اکثر اس حدیث کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں کہ لاتسبو الدھر انخ" یعنی زمانے کو برا مت کہو، کیونکہ زمانہ خدا ہے"۔ جلوۂ دہر میں جلوۂ خدوانری کو دیکھنا اصول تجسیم خداوندی کا اذعان ہے اور دانتے اور صوفیاء کی طرح اقبال اس اصول کے قائل ہیں۔

یہاں اس بات کی طرف اشارہ کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اقبال کیلئے پیغمبر اسلامؐ کی ذات اصول تجسیم خداوندی کا نقش اول (Arche Type) ہے۔ ان کے لئے پیغمبر اسلامؐ کی ذات آدم اور جوہر کا مرکب ہے، اور اس طرح وہ محض عبد نہیں بلکہ عبدہٗ ہے جس میں خالق اور

---

(1) (Sir Mohammad Iqbal: Six Lectures on the Reconsteuction of Religious Thought in Islam آیندہ اس کتاب کا صرف خطابات کے نام سے حوالہ دیا گیا ہے 2 خطبات، صفحات 91-92

مخلوق کا تعلق استوار ہوتا ہے اور اس طرح عبدہ ''چند و چگونِ کائنات'' بھی ہے اور ''رازِ درون کائنات'' بھی۔ مقام عبدہ پر ''ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ''۔ یہی آیہ مارمیت کی تفسیر ہے۔ جاوید نامہ میں حلاج عبدہ کے معنی بتاتے ہوئے کہتے ہیں۔

عبدۂ دہر است و دہراز عبدۂ ست　　　ماہمہ رنگیم اوبے رنگ و بوست
کس زسرعبدۂ آگاہ نیست　　　عبدۂ جز سر الااللہ نیست

دیدارِ محمدی کے معنی ہیں سنتِ محمدؐ اور حکمِ محمدیؐ کو اپنے اوپر رواں کرنا اور پھر اپنے آپ کو دیکھنا کہ یہی معرفت نفس اور معرفت حق ہے جسے اقبال خودی کہتے ہیں اور جس کا سرّ نہاں یہی ہے کہ بجز اللہ کے کوئی چیز وجود نہیں رکھتی (لا الہ الا اللہ میں دستور اثباتی بھی ہے اور دستور منفی بھی)۔ یقیناً ذات رسولؐ اقبال کے لئے وہ مجبوب ہے جو خدا کا پرتو ہے اور اس کے دیدار کا وسیلہ، اور اس محبوب کا جسم (یسوع مسیحؑ کے جسم کی طرح) اس کی سنت اور اس کا حکم ہے۔ دیدارِ خداوندی کے معنی ہیں:

نقش حق اول بجاں انداختن　　　باز اور ادر جہاں انداختن
نقشِ جاں تادر جہاں گردد تمام　　　می شود دیدارِ حق دیدارِ عام

اس طرح دانتے اور اقبال دونوں ہی تجدید شعور کی اس منزل تک پہنچتے ہیں جہاں نقش حق اور نقش جاں جمال خداوندی میں ایک ہو جاتے ہیں (فرق یہ ہے کہ دانتے اسے رویائے سعادت کا حسی تجربہ بنا دیتے ہیں۔ اور یہ فن کے اعتبار سے ایک بہت بڑا فرق ہے)۔ اس منزل پر عشق کی قدرت عزم اور عمل کو ایک کر کے روحانی سفر کو جاری رکھتی ہے کہ یہی مشیت خداوندی کے معنی ہیں۔ دونوں شاعر اصول تجسیم خداوندی کا یہ پیغام سناتے ہیں کہ عاشق یا مرد مومن کی تدبیر اور خدا کی تقدیر ایک ہے (اسی فرق کے ساتھ کہ دانتے اس پیغام کو حسی تجربہ کی جدلیات میں ڈھال دیتے ہیں)۔

مرد مومن با خدا دارد نیاز　　　باتوما سازیم تو مابساز
عزم او خلاق تقدیر حق است　　　روز ہیجا تیرِ او تیرِحق است!
نقش حق داری جہاں نخچیر تست　　　ہم عناں تقدیر باتدبیر تست

دانتے کی طربیہ خداوندی کے آخر میں بھی یہی پیغام ملتا ہے اور اقبال کے جاوید نامہ کے آخر میں بھی۔ اگرچہ دانتے کے ہاں یہ پیغام حسی پیکروں کی جدلیات سے حقیقت محسوس کی صورت میں ابھرتا ہے۔ جاوید نامہ کے آخر میں ندائے جمال آتی ہے اور ارشاد ہوتا ہے:۔

چیست بودن دانی ای مردنجیب؟ ‏ ‏ از جمال ذاتِ حق بردن نصیب!
آفریدن؟ جستجوی دلبری ‏ ‏ وانمودن خویش رابر دیگری!
این ہمہ ہنگامہ ہائے ہست وبود ‏ ‏ بے جمالِ مانیاید در وجود!
زندگی ہم فانی وہم باقی است ‏ ‏ این ہمہ خلاقی و مشتاقی است
زندہ؟ مشتاق شو خلاق شو ‏ ‏ ہمچو ماگیرندۂ آفاق شو!
درشکن آں راکہ ناید ساز گار ‏ ‏ از ضمیر خود دگر عالم بیار!
ہرکہ اوراقوتِ تخلیق نیست ‏ ‏ پیش ماجز کافرو زندیق نست
ازجمالِ ما نصیب خود نہ برد ‏ ‏ از تخیل زندگانی بر نہ خورد
مرد حق برندہ چون شمشیر باش ‏ ‏ خود جہان خویش را تقدیر باش

طربیۂ خداوندی اور جاوید نامہ میں رویا کے ختم ہونے کے ساتھ روحانی سفر ختم نہیں ہوتا، بلکہ مسافر ہیرو اس جہان رنگ وبو (Sarculum) میں واپس آتا ہے، ہردم ایک نیا جہان پیدا کرنے کیلئے۔ دانتے، ایلیٹ اور اقبال، تینوں شاعر اس حقیقت کی شہادت دیتے ہیں کہ روحانی زندگی مسلسل حرکت پذیر ہے اور اس میں کلیت اور ہمہ گیری پائی جاتی ہے۔ پیہم جستجو وآرزو کا نام زندگی ہے۔ تجدید شعور ایک مسلسل عمل ہے جس کی منزل ملاّ کی جنت نہیں ہوسکتی۔

جنت ملاّ مے و حور و غلام ‏ ‏ جنتِ آزادگاں سیر دوام
جنت ملاّ خور و خواب و سرود ‏ ‏ جنت عاشق تماشائے وجود
دل عاشقاں بہ میرد بہ بہشت جاودانے ‏ ‏ نہ نوائے دردمندے نہ غمے نہ غمگسارے

چنانچہ اقبال جنت کے اس سطحی تصور کو ٹھکرا دیتے ہیں (اور اس کے ساتھ ساتھ دوزخ کے سطحی تصور کو بھی) اور وصل کے مقابلہ میں فراق کو وقیع تر سمجھتے ہیں، جیسا کہ ذوق وشوق اور جاوید نامہ سے ظاہر ہے۔

وصل اگر پایانِ شوق است الحذر        اے خنک آہ و فغاں بے اثر
تو نشناسی ہنوز شوق، بمیر دز وصل        چیست حیاتِ دوام؟ سوختن نا تمام

مردِ مومن کا نیا جہان جہانِ رنگ و بو کی نفی نہیں ہے، بلکہ اس کی تقدیس اور قلب ماہیئت ہے۔''من کی دنیا'' دراصل ''تن کی دنیا'' کی تقدیس اور قلبِ ماہیئت سے ہی بنتی ہے۔لیکن اگر عشق کا نفوذ نہ ہو تو ''تن کی دنیا'' محض تن کی دنیا بن کے رہ جاتی ہے جو سود و سودا، مکر و فن ہے۔اس بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ دانتے کی طرح اقبالؔ تن کی نفی نہیں کرتے بلکہ جسم اور روح کو لازم و ملزوم قرار دیتے ہیں اور اس معاملہ میں کسی ثنویت کے قائل نہیں۔اقبال صاف کہتے ہیں ۔مغرب جسم کے فریب میں مبتلا ہے اور مشرق روح کے فریب میں۔دونوں نے جسم اور روح کو الگ کرکے غلطی کی ہے۔

تن و جاں رادو تا گفتن کلام است        تن و جاں رادو تا دیدن حرام است
(گلشن راز جدید)

یہ خدا کی خدائی کے شایان شان نہ ہوگا اگر اس کے ایک حصہ کو شیطان کی مختاری کیلئے چھوڑ دیا جائے۔وہ سلطنت خدا کی سلطنت نہیں ہوسکتی جس میں شیطان کی سلطنت شامل نہ ہو۔خدا کی بندگی کے لئے شر کے جذبہ کو بھی کام میں لانا چاہئے (مارٹن بوبر)۔کیونکہ خیر وہی ہے جو وجودِ کلی کی پیداوار ہو اور خیر کلی ہو۔چنانچہ انسان کو لازم ہے کہ وہ ابلیس کی قوت کی خبر کلی کیلئے استعمال کرے۔ابلیس کو ملعون و مردود قرار دینے کی بجائے خدا کی راہ میں ابلیس کو ساتھ لیکر چلنا ضروری ہے،یعنی بقولِ اقبال ابلیس کو مسلمان کرنا ضروری ہے۔

کشتن ابلیس کارِ مشکل است        زآنکہ او گم اندر اعماقِ دل است
خوشتر آں باشد مسلمانش کنی        کشتۂ شمشیر قرآنش کنی
(جاوید نامہ)

یہ محض ہماری کھوکھلی روحانیت کا فریب اور ہماری کورذوقی کی دلیل ہوگی اگر ہم یہ سمجھے کہ ہم نے شیطان کو اپنی دنیا سے باہر نکال دیا ہے۔ایسی دنیا کی زندگی روح کی موت ہے۔اقبال کہتے ہیں کہ ایسی دنیا میں مت جی!

مزی اندر جہان کور ذوق      کہ یزدان دارد و شیطان ندارد

(پیامِ مشرق، ''افکار'')

ملا جس دوزخ سے بچتا ہے اور جس جنت کی آرزو کرتا ہے اقبال نہ اس دوزخ کے قائل ہیں نہ اس جنت کے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ جنت اور دوزخ عالم زماں ومکان (Surculum) کی تحدید ہیں اور مقامات نہیں بلکہ روحانی کیفیات کے استعارات ہیں (خطبات، صفحہ 170)

اقبال کا خیال ہے کہ ابلیس کائنات کی وہ قوت محرک ہے جس نے ہر چیز کو ذوقِ نمو اور سوز دروں بخشا ہے۔ ابلیس کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ ''می تپد از سوز من خونِ رگِ کائنات''۔ وہ انسان کو اس ذوق ترک واختیار کا سبق دیتا ہے جس کی بدولت وہ خیر اور شر سے آشنا ہو کر مجبوری سے مختاری کو پہنچتا ہے اور اپنی دنیا آپ پیدا کرتا ہے۔ ابلیس نے اپنے خون سے قصہء آدم کو رنگین کیا اور انسانی زندگی کو حرکت پذیر اور معنی آفریں بنایا۔ اس کے انکار میں اثبات پوشیدہ ہے، اور انسان اس سے معرفت الٰہی اور حیاتِ دوام اور لذتِ سوز وگداز کا سبق سیکھ سکتا ہے۔ وہ خیر اور وہ بندگی جو محض مجبوریٔ فطرت سے پیدا ہو بے وقعت ہے۔

پیکرِ نوری کو ہے سجدہ میّسر تو کیا      اس کو میّسر نہیں سوزوگدازِ سجود

اس طرح ابلیس اقبال کیلئے آزادیِ عزم وعمل، عقل وخرد، جرأت، حرکت، قوت، نمو، پیہم جستجو وآرزو کی علامت ہے۔ اس کے شعلہء سوزاں سے کائنات کی تب وتاب ہے۔ اس نے ارغنونِ خیر وشر کا آغاز کر کے خود خیر کو فعال بنایا ہے۔

''کوئی جذبہ اس وقت تک شر کا جذبہ نہیں بنتا جب تک کہ اسے وجود سے الگ نہ کر دیا جائے'' (مارٹن بوبر) اور خالص شر کی علامت کی حیثیت سے ابلیس عرصہء ابدیت میں خود غیر فعال اور معذور ہے جیسا کہ وہ ہمیں دانتے کے رویا میں برف میں گڑا ہوا پر پھڑ پھڑاتا نظر آتا ہے۔ وہ کائنات میں خیر کی ترقی کا سبب بنتا ہے لیکن اس سے الگ خود اپنے لئے عقیم ہے۔ اس لئے کہ (جیسا کہ سینٹ آگسٹن نے کہا ہے) شر میں خود اپنی زندگی نہیں ہوتی سوائے اس زندگی کے جو وہ خیر سے حاصل کرتا ہے۔ اسی لئے اگر شرِ مطلق کا تصور کیا جائے تو وہ اپنی نفی آپ معلوم ہوتا ہے۔

دانتے کے رویا میں خیر کائنات کا اصولِ فعال اور ماحصل ہے اور اس کا محرک وہ عشق ہے جس سے دوزخ بھی بنتی ہے اور جہنم بھی۔ شر وہ ہے جو روح کو خیر جزوی میں قید کر دیتا ہے اور عشق وہ ہے جو اسے خیر کلی کی طرف کھینچتا ہے۔ کائنات میں شر کا وجود صرف خیر کی ترقی کیلئے ہے، اور خیر کائنات کی حقیقتِ مطلق ہے۔ اگر خدا چاہتا تو انسان کو معصوم ہی رکھتا، مگر خدا نے شر کو اسی لئے پیدا کیا کہ خیرِ فعال پیدا ہو۔ چنانچہ دانتے کے رویا میں لطفِ خداوندی شر کو خیر میں بدل کر خیر کو وقیع اور معنی آفریں بنا دیتا ہے۔ ایلیٹ، دانتے اور اقبال خیر فعال کے قائل ہیں، اور اس کے لئے گناہ کو لازمی سمجھتے ہیں۔ یقیناً تجدیدِ شعور کے لئے جو خلاقی، مشتاقی اور آفاق گیری سے عبرت ہے گناہ کا تجربہ لازمی ہے[1] یوں کہئے کہ گناہ خیر کی نشو و نما کیلئے کھاد کا کام دیتا ہے۔ دانتے کی جنتِ ارضی میں لیتھے (Lethe) اور یونو (Eunoe) دریاؤں کا فعل یہی احساس دلاتا ہے۔ کیونکہ نجات یافتہ روح گناہ کو محض لطفِ خداوندی کے اظہار کے موقع کی حیثیت سے یاد رکھتی ہے۔ دراصل ابلیس اور اس کا شکر کائنات کے حسن اور وقعت کو ثابت کرتا ہے، اور نہ صرف انسان بلکہ تمام کائنات میں خدا کی اس موجودگی کو ثابت کرتا ہے جسے دانتے تجسیم خداوندی کہتے ہیں اور اقبال ''لا الہ اللہ'' کی تفسیر۔ اقبال کا ابلیس جس کے انکار میں اثبات پوشیدہ ہے اس حقیقت سے باخبر ہے۔ لیکن دانتے کا ابلیس جو انائے محض ہے اس سے باخبر نہیں ہے۔ وہ خالص شیطان ہے اور اسی لئے اس میں نہ آگہی ہے، نہ فعالیت، نہ زندگی۔

دانتے کا شیطان غدار کے مقام پر اس خونسر دانا نیت کی علامت ہے جس میں تمام جذبات یہاں تک کہ نفرت بھی یخ بستہ ہو جاتی ہے اور عزم محض باقی رہتا ہے جو انا کے نکتہ پر منجمد ہو جاتا ہے، دل مر جاتا ہے اور صرف ٹھنڈا دماغ باقی رہتا ہے، شر مطلق کا انتخاب کرنے کیلئے۔ چنانچہ دانتے کا شیطان عرصۂ ابدیت میں اپنی رُوح کی بے پناہ خنکی سے خود ہی یخ بستہ، غیر فعال، معذور اور عقیم ہے۔ کیونکہ ایسا عزم جو جذبات سے عاری ہو - اور غداری یا دغا کیلئے ایسے ہی عزم کی ضرورت ہوتی ہے - ایسا عزم اپنی نفی آپ کرتا ہے اور اپنے ہی نفس کی تباہی کا باعث بنتا ہے۔ کائنات کی یہ مکمل نفی عشق کی ابتری کی وہ انتہا ہے جہاں اپنے نفس کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا، اور اس

---

[1] سینٹ جولین آف نار وچ (St. Julian of Nor Witch) کا قول ہے کہ ''گناہ لازمی'' ہے۔

طرح خود اپنے نفس پر اسے کائنات کی زندگی سے منقطع کر کے اس پر ظلم کیا جاتا ہے۔ بے پناہ مایوسی، بے پناہ تنہائی اور بے پناہ عذاب اس کی ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی۔ عشق کی اس انتہائی ابتری کے امکانات انسان کی روح کی گہرائیوں میں، انسان کے اعماق دل میں موجود ہیں، اور اس کا علاج یہی ہے کہ ان قوتوں کو جو محض انا کی طرف مرتکز ہیں الٹا کر کے ان کا رخ پھر سے کائنات کی طرف کر دیا جائے، یعنی شیطان کو اور جہنم کو الٹا کر کے پھر سے سورج اور ستاروں کو دیکھا جائے اور (کفارہ کے ذریعہ) کائنات سے صحیح رشتہ استوار کیا جائے، یعنی عشق کو مرتب کیا جائے اور ان خواہشات کو جو نفس پرستی کی وجہ سے خیر جزوی ہیں اور گناہ کے فریب میں گرفتار تھیں مرتب اور مربوط کر کے خیر کلی کی خواہش میں بدل دیا جائے۔ خیر کلی کی دنیا شیطان کی دنیا کو رد کرنے سے نہیں بلکہ اس کی تقدیس اور قلبِ ماہیت سے آباد ہوتی ہے۔ یا اقبال کے الفاظ میں یوں کہیں کہ ابلیس کو مسلمان کرنے سے آباد ہوتی ہے۔ یہی حصولِ نجات ہے اور یہی تجدیدِ شعور یا تعمیرِ خودی ہے۔

اقبال اور دانتے کے ابلیس میں جو فرق ہے شاید اس کی بڑی وجہ ان دو اساطیر کا فرق ہے جن سے اقبال اور دانتے نے استفادہ کیا ہے۔ اسلامی اسطور کے مطابق ابلیس اس معنی میں غدار نہیں ہے جس معنی میں عیسائی اسطور کے مطابق (جو اصلاً انجیل میں نہیں پایا جاتا بلکہ ایرانی اثرات کی وجہ سے بعد میں عیسائیت میں رونما ہوتا ہے)۔ اسلامی اسطور کے مطابق ابلیس صرف نافرمانی کرتا ہے اور آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیتا ہے کیونکہ اس کے خیال میں آدم اس کے مقابلہ میں حقیر ہے، وہ خاک کا بنا ہوا ہے اور ابلیس آگ کا۔ اقبال کو اس اسطور میں نئے معنی نظر آتے ہیں اور ان کیلئے ابلیس کا انکار اس آگہی کی دلیل بن جاتا ہے جو مجبوری فطرت کو توڑ کر آزادیِ عزم و عمل اور ذوقِ انتخاب اور مختاری کا اعلان کرتی ہے۔ اس بندگی میں جس میں یہ آگہی نہ ہو تو نہ تو لذتِ سوز و گداز ہے اور نہ خیر فعال۔

تجدید شعور یا تعمیرِ خودی کیلئے اقبال کے ہاں نہ تو کوئی ایسی باقاعدہ اسکیم ہے جیسی کہ دانتے کے یہاں، نہ ہی اتنا منفرد اور متنوع محسوس تجربہ ہے، لیکن عمومی طور پر ان کے یہاں تجدیدِ شعور کی انہیں شہادتوں اور کیفیات کی طرف اشارے ملتے ہیں جو دانتے اور تمام صوفیاء کے یہاں۔

خودی تخلیق وتولید مقاصد کا نام ہے، وہ عشق ومحبت سے محکم ہوتی ہے اور نظام عالم کو مسخر کرتی ہے۔ تربیتِ خودی کے تین مراحل ہیں، اطاعت، ضبطِ نفس اور نیابتِ الٰہی ۔ اسرارِ خودی میں یہ اسرارِ خودی ہم پر کسی محسوس تجربہ کے ذریعہ منکشف نہیں ہوتے، بلکہ ان کے بارے میں اقبال خطیبانہ اور معلمانہ (Didactic) انداز سے ہم کو بتاتے ہیں۔ چنانچہ اسرارِ خودی کی شاعری عظیم شاعری کے معیار سے گرجاتی ہے۔ یہی حال رموزِ بےخودی کا ہے۔لیکن اقبال کے فارسی کلام میں پیامِ مشرق، زبورِ عجم اور بڑی حد تک ارمغانِ حجاز میں شدید احساسات کی وہ جدلیات کارفرما ہے جس کی وجہ سے ہمیں عظیم شاعری کا پورا دباؤ محسوس ہوتا ہے۔خود پر لکچر کے مقابلہ میں اس قسم کی شاعری تعمیرِ خودی یا تجدیدِ شعور کے اعتبار سے کہیں زیادہ وقیع ہے۔

تجدیدِ شعور یا تعمیرِ خودی ایک مسلسل اور ہمہ گیر عمل ہے اور اس میں نفی (Negation) اور اثبات (Affirmation) کو برابر کا دخل ہے اور یہ دونوں راستے ایک ہوجاتے ہیں کیونکہ دونوں راستے عشق کے راستے ہیں۔ ''لا'' اور ''الا'' لازم وملزوم ہیں۔

زندگی شرح اشاراتِ خودی است      لا و الا از مقاماتِ خودی است

دانتے کو دستورِ اثباتی کا شاعر کہا جاتا ہے لیکن ان کے یہاں بھی اثبات اور نفی لازم و ملزوم ہیں جیسا کہ طربیۂ خداوندی کی داستان سے ظاہر ہے۔ دانتے یقیناً نیرنگیِ وجود کے منفرد پیکروں (Images) کا اثبات کرتے ہوئے حقیقتِ مطلق کے عرفان کی طرف آگے بڑھتے ہیں۔لیکن خود ان کی جنت میں تین مقامات ایسے آتے ہیں جہاں شعور پر تاریکی چھا جاتی ہے یا ''روح کی تاریک رات'' (Dark Night of Soul) طاری ہوجاتی ہے۔ پہلا مقام وہ ہے جہاں دانتے بیاترچے کے ہمراہ عمل کی زندگی (Active life) کے آخری آسمان یعنی کرۂ مشتری سے گزر کر فکر کی زندگی (Contemp Lative Life) کے پہلے آسمان یعنی کرۂ زحل میں داخل ہوتا ہے۔ یہاں بیاترچے کا تبسم جو عالم معنوی کو روشن کرتا ہے غائب ہوجاتا ہے اور مکمل خاموشی چھا جاتی ہے۔ دوسرا مقام وہ ہے جہاں کرۂ سیارگانِ ثابت میں وفورِ نور سے دانتے کی نظر خیرہ ہوجاتی ہے اور اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا یہاں تک کہ بیاترچے بھی۔ اس صورت میں جبکہ تمام پیکر (Images) غائب ہوجاتے ہیں دانتے کے لئے صرف اس عشق کا احساس باقی رہتا ہے جو

اس کے ضمیر وجود میں نفس زن ہے۔ تیسرا مقام وہ ہے جہاں فکر کی زندگی کے تیسرے آسمان یعنی فلک الافلاک (Primum Mobile) میں دانتے پہلے خدا کو ایک نکتہ کی صورت میں دیکھتا ہے کہ جس پر سارے وجود کا دارومدار ہے اور پھر یہ پیکر غائب ہو جاتا ہے اور دانتے آسمان میں تہارہ جاتا ہے یا ترسے کے ساتھ جو اس کیلئے جانا پہنچانا حامل الوہیت پیکر (God Bearing Image) ہے۔ دسویں آسمان یعنی عرش معلےٰ (The Empyrean) میں تمام پیکر دوبارہ نمودار ہو جاتے ہیں اور نفی اور اثبات کی راہیں ایک ہو جاتی ہیں، کیونکہ کائنات (کائنات شعور) کے تمام) (علامتی) پیکر اسی واحد حقیقتِ مطلق کا پرتو ہیں جس کے سوا اور کوئی چیز وجود نہیں رکھتی۔ لا الا الا اللہ (کاش اقبال بھی محض یہ کہنے کے بجائے کہ "لا و الاّ از مقامات خودی است" اسی طرح کسی محسوس تجربہ کے ذریعہ اس حقیقت کا انکشاف کرتے!) اثبات میں نفی مضمر ہے اور نفی میں اثبات۔ اگر اثبات بغیر نفی کے ہو تو پیکرِ حقیقت مطلق لے لیتا ہے اور بت پرستی شروع ہو جاتی ہے (کہ جس کا مطلب یہ ہے کہ لامحدود کو محدود کر دیا جائے)۔ انسان جلوۂ ذاتِ حق سے محروم ہو کر بت کدۂ صفات میں، اپنے ہی نفس کی پرچھائیوں کے اس طلسم میں کھو جاتا ہے جس کی علامت طربیہ خداوندی کی سائرن (Siren) ہے۔ اگر نفی بغیر اثبات کے ہو تو اس کا نتیجہ راہبانہ مجذوبیت ہوتا ہے جو لذتِ گناہ کیلئے ترستی رہتی ہے۔ اس صورت میں بھی نقش و حق غائب ہو جاتا ہے اور محض نفس کا فریب باقی رہ جاتا ہے۔ اقبال کے ہاں اس راہبانہ مجذوبیت کی علامت حکیم نطشہ ہے۔

او بہ لا درماندوتا الہ نہ رفت　　　از مقام عبدہ بے گانہ رفت

اثبات اور نفی کے لئے اقبال جلوت اور خلوت کی اصطلاحیں بھی استعمال کرتے ہیں (اگرچہ کہیں کہیں عقل اور عشق کا امتیاز کرتے وقت عقل کا تعلق جلوت سے اور عشق کا تعلق خلوت سے بتاتے ہیں اور اسی طرح جسم اور روح کا امتیاز کرتے وقت بھی جسم کو جلوت کی علامات قرار دیتے ہیں۔ لیکن ان مقامات پر اقبال کی مراد خلوت محض اور جلوت محض سے ہوتی ہے جن میں تضاد نظر آتا ہے، اس خلوت اور جلوت سے نہیں ہوتی جو "لا" اور "الا" کی طرح لازم و ملزوم ایک ہی عشق کے دو دستور ہیں، یعنی وہ نفی جس میں اثبات مضمر ہے، اور وہ اثبات جس میں نفی مضمر ہے۔) جاوید نامہ میں اہرمن کی آزمائش کرنے پر زرتشت ایسی خلوت قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں جو جلوت

سے ناآشنا ہو۔ وہ جلوۂ حق کو مظاہر کائنات سے الگ کر کے نہیں دیکھنا چاہتے۔

جلوۂ حق چشمِ من تنہا نہ خواست　　حسن را بے انجمن دیدن خطا است

چیست خلوت؟ درد و سوز و آرزوست　　انجمن دید است و خلوت جستجو است

عشق در خلوت کلیم اللّٰہی است　　چون بجلوت می خرامد شاہی است

خلوت و جلوت کمال سوز و ساز　　ہر دو حالات و مقامات نیاز

چیست آن؟ بگذشتن از دیر و کنشت　　چیست این؟ تنہا نہ رفتن در بہشت

چیست آن؟ بگذشتن از دیر و کنشت　　خلوت آغاز ست و جلوت انتہاست

گفتۂ پیغمبری درد سراست　　عشق چون کامل شود آدم گر است

اقبال نے سوز اور ساز کی جانی پہچانی اصطلاحوں کو بھی نفی اور اثبات کے معنی میں استعمال کیا ہے، راس احساس کے ساتھ کہ "مخالف ساز کا ہوتا نہیں سوز۔"

اقبال کے مقابلہ میں غالب محسوس تجربہ کی زبان میں زیادہ بات کرتے ہیں، اور ان کی یہ زبان اکثر اپنی منفرد تراکیب سے حسی پیکروں کی جدلیات کے ذریعہ تجربہ کے نئے نئے پہلو روشن کر کے نئے نئے اقدار و معانی کا انکشاف کرتی ہے۔ (اسی لئے میرے خیال میں اقبال کے مقابلہ میں غالب زیادہ بڑے شاعر ہیں)۔ لیکن جاوید نامہ میں اقبال نے غالب کے ایک شعر کی نہایت خوبصورت تفسیر خود غالب کی زبانی پیش کی ہے۔ نفی اور اثبات کے سلسلہ میں اس کا تذکرہ کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ غالب کا شعر۔

قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ　　اے نالہ نشانِ جگر سوختہ کیا ہے!

جس کے دوسرے مصرعہ کو "اے نالہ نشانِ جگر سوختۂ چیست؟" کر کے شعر کو فارسی جامہ پہنا دیا گیا ہے (اور ہمیں یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ "کیا ہے!" کو "چیست؟" میں بدلنے سے غالب کے اصلی شعر کے طنز یا (Irony) میں کمی آئی ہے یا نہیں)۔ شعر کی جو تفسیر دی گئی ہے اس سے ظاہر ہے کہ اقبال کے لئے قمری اور بلبل نفی اور اثبات کی (علامات ہیں جو عشق یا "نالہ" کے دو رنگ ہیں، ایک ارژنگی ہے جس کیلئے ایلیٹ (Plenutude) کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں اور دوسری بے رنگی جس کیلئے ایلیٹ کی اصطلاح ہے (Vacancy)۔ چاہے "رنگ" کا راستہ اختیار کرو چاہے

''بیرنگی'' کا، دونوں ہی راستہ سوزِ جگر کا نشان ہیں اور خدا تک پہنچتے ہیں (لیکن غالب کے اصلی شعر میں'' کیا ہے؟''! اسے ایک حیرت و استعجاب کی بھی کیفیت ظاہر ہے جو تفسیر کے مخصوص مقاصد کی خاطر نظر انداز کر دی گئی ہے)۔ خدا کا رنگ وہ ہے جس سے'' ارژنگی'' بھی ہے اور'' بے رنگی'' بھی۔ (وہ احسن الصبغہ ہے) جاوید نامہ میں غالب کی زبانی شعر کی تفسیر مندرجہ ذیل ہے:-

نالہ کو خیزد از سوزِ جگر  ہر کجا تاثیرِ او دیدم دگر!
قمری از تاپیر او وا سوختہ  بلبل از دے رنگہا اندوختہ!
اندرو مرگے باآغوشِ حیات  یک نفس اینجا حیات آنجا ممات!
آں چناں رنگے کہ ارژنگی ازوست  آں چناں رنگے کہ بے رنگی ازوست
تو ندانی این مقامِ رنگ و بوست  قسمتِ ہر دل بقدر ہائے و ہوست!
یا برنگ آیا بہ بے رنگی گذر  تانشائے کیری از سوزِ جگر!

حقیقت یہ ہے کہ عشقِ مرتب کی غیر موجودگی میں خلوت اور جلوت ایک دوسرے سے الگ ہو کر دونوں ہی فاسد ہو جاتے ہیں۔ مغرب کو'' جلوت کی ہوس'' نے رسوا کیا ہے اور مشرق کو کھوکھلی روحانیت (خلوتِ محض) نے فریب میں مبتلا کر کے بے عملی کی زندگی سکھائی ہے (اقبال اسی لئے خانقاہی تصوّف کے خلاف ہیں اور اگر افلاطون اور حافظؔ کی تصانیف سے اسے فروغ ملتا ہے تو وہ ان تصانیف کے بھی خلاف ہیں!)۔ مغرب اور مشرق کو اقبال اکثر اقدار کی علامات کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ

خودی کی موت سے مغربی کا اندروں بے نور  خودی کی موت سے مشرق ہے مبتلائے جذام
نہ مشرق اس سے بری ہے نہ مغرب اس سے بری  جہاں میں عام ہے قلب و نظر کی رنجوری

مشرق اور مغرب دونوں ہی نے جسم اور روح کو الگ کر کے غلطی کی ہے، مغرب جسم سے چمٹا ہوا ہے اور مشرق روح سے۔'' ضمیر مغرب ہے تاجرانہ'' اور ضمیرِ مشرق ہے راہبانہ'' اور دونوں ہی میں خودی کی موت اور دوزخ کی زندگی کے آثار نظر آتے ہیں، اگرچہ مغرب کی بڑھتی ہوئی مادیت کی طاقت سے انسان کو زیادہ خطرہ ہے۔ مگر دوزخ کی سب سے زیادہ ہولناک کیفیت اور وہ کیفیت جس میں ساری دوزخ سمٹ آتی ہے وہ کیفیت ہے جو دانتے کے جہنم کی ڈیوڑھی

(Vestibule) میں پائی جاتی ہے (جہنم 3)، یعنی روحانی جمود اور بے اعتنائی (جسے ایلیٹ (Indifference) کہتے ہیں)، خیر اور شر دونوں سے بے اعتنائی جس کی وجہ سے انسان خدا اور شیطان دونوں ہی کی نفرت مول لیتا ہے۔ یہ کیفیت موجودہ دور کی ایک بڑی لعنت ہے، اور ایلیٹ کی طرح اقبال اس پر ضربِ کلیم لگاتے ہیں۔ انہیں موجودہ دور سے شکوہ ہے کہ

نہ خدا رہا نہ صنم رہے، نہ رقیب دیر و حرم رہے　　　　نہ رہی کہیں اسد اللٰہی نہ کہیں ابولہبی رہی

ان کی شاعری جو تعمیر خودی اور تجدید شعور کا پیغام ہے دوزخ کے انہیں آثار کے خلاف ایک جہاد ہے۔

یقیناً اقبال کے عقائد کو بھی ان کی شاعری سے الگ نہیں کیا جانا چاہئے۔ لیکن عقائد کوئی بھی ہوں ان کو شاعری میں اساطیری وقعت لے کر محسوس تجربہ بننا چاہئے، تب ہی وہ آفاقیت و ہمہ گیری کے قریب آتے ہیں اور شاعرانہ اذعان کے ذریعہ ان لوگوں کو بھی فن کی سطح پر متاثر کرتے ہیں جو یہ عقائد نہیں رکھتے۔ شاعری عقائد کی اساطیری اقدار کو محسوس تجربہ میں تجسیم کرنے کا نام ہے۔ جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا ہے دانتے (اور شیکسپیئر) کے مقابلہ میں اقبال کے یہاں محسوس منفرد تجربہ کی کمی ہے، جس کی وجہ سے کئی مقامات پر اقدار کو حسی پیکروں کی جدلیات کے ذریعہ دریافت اور منکشف کرنے کی بجائے ان کو بس مان لیا گیا ہے۔ اس طرح دانتے کے مقابلہ میں اقبال کے یہاں حقیقت کی جدلیاتی اور ڈرامائی کھوج (Exploration) میں بھی کمی آجاتی ہے اور آفاقیت اور ہمہ گیری کی بھی، اور اسی اعتبار سے دانتے کے مقابلہ میں ان کا فن عظمت کے اس درجہ کو نہیں پہنچ پاتا جو دانتے کا حصہ ہے۔

فن میں حسی پیکروں کی تجسیم اور تشدید کا ایک مسلسل جدلیاتی عمل ہوتا ہے جس سے حقیقت کی کھوج کا ڈرامہ پیدا ہوتا ہے۔ ایسے حسی پیکر اقبال کے فن میں نسبتاً کم پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ شاعرانہ زبان کی سطح پر اگر ان کی شاعری کو دیکھا جائے تو دانتے اور شیکسپیئر کی زبان میں جو بات ہے اقبال کی زبان میں بیشتر مقامات پر وہ بات نہیں۔ بیشتر مقامات پر یہ احساس ہوتا ہے کہ اقبال اس منفرد محسوس تجربہ کی زبان میں بات نہیں کرتے جو اپنی منفرد محسوس تراکیب سے تجربہ کے نئے نئے پہلو روشن کر کے اقدار و معانی کو احساسات کی شکل دے دیتی ہے، بلکہ وہ بنی بنائی تراکیب اور

اصطلاحات شعر و تصوف کی روایات سے لیکر ان کو منفرد محسوس تجربہ میں منقلب کئے بغیر نظم کر دیتے ہیں، اور یہ بات ان کی فارسی شاعری میں زیادہ کھٹکتی ہے، خاص طور سے اسرارِ خودی، رموزِ بے خودی اور بڑی حد تک جاوید نامہ میں، اور اردو شاعری میں خاص طور سے ضربِ کلیم میں۔ خطابت محاسنِ کلام سے ہے، لیکن تمام محاسن کلام اور صنائع و بدائع کی طرح زبان کے ان نمونوں (Motifs) کو فن کے عناصر (Elements) میں یعنی منفرد حسی پیکروں میں منقلب ہونا ضروری ہے، اور ایسا اقبال کی شاعری میں بہت سے مقامات پر نہیں ہوتا جب کہ دانتے اور شیکسپیئر کے یہاں اکثر مقامات پر ایسا ہوتا ہے، بلکہ طربیہٗ خداوندی میں تو ہر مقام پر ایسا ہوتا ہے۔

یقیناً اقبال کے یہاں ایک بے مثال بلند آہنگی ہے، تخیّل کا ایک زبردست فشار ہے، لہجہ میں خلوص کی گرمی اور شدت ہے۔ اور یہ سب باتیں کسی تجربہ کی صورتِ حال کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ لیکن اس صورتِ حال کیلئے ضروری ہے کہ ذاتی تجربہ کی سطح سے ماوراء ہو کر تجربہ حسی پیکروں کے آفاقی رویا میں ڈھل جائے۔ اور اقبال کی شاعری میں جہاں بھی ایسا ہوتا ہے وہیں ان کی شاعری عظیم ترین شاعری کے درجہ پر پہنچ جاتی ہے۔ یہ بات ذوق و شوق، مسجدِ قرطبہ اور بالِ جبریل، پیامِ مشرق اور زبورِ عجم کے بیشتر اشعار کے بارے میں یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے۔ لیکن بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں محسوس تجربہ کی صورتِ حال کی کمی کی وجہ سے اقبال کا فن عظمت کے اس درجہ پر نہیں پہنچتا۔

دانتے نے بھی کہیں کہیں بنی بنائی یہاں تک کہ پٹی پٹائی اصطلاحوں (Eliches) سے کام لیا ہے لیکن اس طرح کہ ہر چیز کو فن کا عنصر بنا دیا ہے جو ایک منفرد اور آفاقی حسی پیکر ہے۔ مثال کے طور پر طربیہٗ خداوندی کا آغاز ہی ایک پٹی پٹائی اصطلاح "زندگی کے سفر" سے ہوتا ہے۔ لیکن جب دانتے کہتے ہیں۔ ہماری اس زندگی کے سفر کے بیچوں بیچ میں نے اپنے آپ کو ایک تاریک جنگل میں پایا، صراطِ مستقیم گم ہو جانے کے بعد۔

تو صرف ایک حرفِ ربط "بیچوں بیچ" کی موجودگی سے زندگی کا سفر ایک واقعی تجربہ بننے لگتا ہے اور جیسے جیسے ہم اس سفر میں دانتے کے سات آگے بڑھتے ہیں اس سفر کا تجربہ ہمارے لئے ایک جیتا جاگتا اور معنی آفریں اساطیری تجربہ بنتا جاتا ہے۔ یہ دانتے کی انتہائی عظمت کی دلیل ہے

کہ وہ کسی بھی قدر کو مان کر نہیں چلتے بلکہ ہر قدر کو تجربہ کی جدلیات کی روشنی میں دریافت کرتے ہیں۔ دانتے کے فن میں اس دریافت یا کھوج کا ڈرامہ بھی شدت سے ملتا ہے اقبال کے یہاں نہیں ملتا۔ بلکہ اقبال کے یہاں ایک طرح کے اکہرے پن کا اور اس طنز (Irony) کے عناصر زیادہ پائے جاتے ہیں۔ مثلاً غالب کا یہی شعر جس کی تفسیر اقبال جاوید نامہ میں پیش کرتے ہیں:-

قمری کفِ خاستر و بلبل قفسِ رنگ اے نالہ نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے!

''قمری کف خاکستر و بلبل قفس رنگ'' کے منفرد حسی پیکر میں ایک نئی حقیقت کی دریافت ہوتی ہے جس کی وجہ شاعرانہ تراکیب کی وہ ندرت ہے جس میں زبان کی خود گرفتگی کو توڑ کر اسے ایسی نئی تراکیب میں ڈھالا ہے جس سے تجربہ کی ایک نئی علامتی شکل میں اقدار و معانی کا انکشاف ہوتا ہے۔ ''قمری کفِ خاکستر'' کی جدلیاتی وحدت ''بلبل قفسِ رنگ'' کی جدلیاتی وحدت سے ہم آہنگ ہوتی ہے اور پھر یہ ''نالہ'' کی جدلیاتی وحدت سے ہم آہنگ ہوکر ''نشانِ جگر سوختہ'' کی جدلیاتی وحدت کی طرف بڑھتی ہے جس کے نتیجہ میں احساسات کے ایک نئے مرکب کی دریافت ہوتی ہے جس میں حیرت و استعجاب، تجسس و استفہام، یقین اور غیر یقینی کی مختلف کیفیات ہم آہنگ ہوگئی ہیں۔ ان تمام کیفیات کی جدلیاتی ہم آہنگی کے ساتھ ''نالہ'' سے ''نشانِ جگر سوختہ'' کے بارے میں کہا جاتا ہے اور ''نالہ'' نشان جگر سوختہ کے راز کو اپنے اندر چھپائے ہوئے ہے! (احساسات کے نئے جدلیاتی مرکب میں التجا کے ساتھ جھنجھلاہٹ بھی پائی جاتی ہے)۔ حسی پیکروں کا یہ جدلیاتی مرکب آفاقی اور ہمہ گیر ہے کیونکہ اس میں اساطیری تجربہ کے نقوش ہیں جو کائنات کی معنویت کے سلسلہ میں ہمیشہ انسان کو ہوا ہے اور ہوتا رہے گا۔ اس تجربہ میں عشق، مذہب، فلسفہ اور مابعد الطبیات کی سطحوں پر معانی کی تہیں موجود ہیں۔ یقیناً اس میں وہ معانی بھی موجود ہیں جو اقبال کی تفسیر سے ظاہر ہوتے ہیں۔ لیکن ہمیں یہ بھی احساس ہوتا ہے کہ اور نہ جانے کتنے امکانی معانی ہیں جو مختلف قارئین اپنے اپنے تجربہ کی روشنی میں ڈھونڈ سکتے ہیں۔ اگر عظیم ادب میں معانی کی یہ لامحدودیت نہ ہوتی تو تنقید کا کاروبار کب کا ختم ہو چکا ہوتا، اور دانتے اور شیکسپیئر پر ہزار ہا کتب کے باوجود اب بھی کتابیں لکھنے کا سلسلہ جاری نہ رہتا۔

اقبال کے کلام میں یقیناً کائنات سے ایک معنی آفریں رویا ملتا ہے جو قارئین کو تجدید

شعور پر آمادہ کرتا ہے، مگر بیشتر مقامات پر صرف ایسے لوگوں کو جو پہلے ہی سے ان کے مذہبی عقائد اور اقدار کو مانے ہوئے ہیں، سمجھے ہوئے ہیں اور اپنائے ہوئے ہیں، یا کم از کم ان سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ ان مقامات پر جو اس ''دائرہ برکت'' سے باہر ہوتے ہیں ان کے لئے ''مردِ مسلمان'' اور ''مردِ مومن''، اور ''محمدؐ'' و ''لا الٰہ الا اللہ'' وغیرہ جیسی مذہبی علامات اور اصطلاحات کا فن کی سطح پر اذعان کرنا مشکل ہوتا ہے، کیونکہ ان مقامات پر یہ علامات اور اصطلاحات تجربہ کے حسی پیکروں میں ضم نہیں ہوتیں اور ان کی اساطیری وقعت روشن نہیں ہوتی۔ برخلاف اس کے دانتے اور ایلیٹ جو اقبال کی طرح مذہبی عقائد اور اقدار کا استعمال کرتے ہیں ان عقائد اور اقدار کو محسوس تجربہ سے اس طرح ملوث کرتے ہیں کہ ان کی علامت اور اصطلاحات کو اسی صورت میں استعمال کرتے ہیں جب کہ محسوس اساطیری تجربہ سے ان کا جواز پیدا کرا لیتے ہیں۔ اقبال کے لئے دیدارِ محبوب سنتِ محمدیؐ کو اپنے اوپر رواں کرنا ہے لیکن ان کی شاعری میں بیشتر مقامات پر یہ سنت محسوس اساطیری تجربہ بن کر فارسی کے شعور پر رواں نہیں ہوتی۔ غالباً ایسا ہونا اس صورت میں ممکن ہے جب تجربہ کے کسی جامع محسوس اساطیری پیکر پر توجہ مرکوز کی جائے۔ دانتے کے یہاں ایسا پیکر بیا ترچے ہے لیکن اقبال کے یہاں اس کی کمی ہے، اس لئے دیدارِ محبوب کی راہ میں غیر اساطیری اور غیر شفاف مذہبی علامات و اصطلاحات کے پردے حائل ہو جاتے ہیں۔ لیکن ان مقامات پر جہاں کوئی جامع محسوس اساطیری پیکر موجود ہے اقبال کی شاعری عظیم ترین شاعری کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔ مثال کے طور پر مسجدِ قرطبہ میں خود مسجدِ قرطبہ ایسا پیکر ہے جس میں سنتِ محمدیؐ کی اقدار اساطیری شکل میں اس معجزہ فن میں نظر آتی ہیں جس کی خونِ جگر سے نمود ہے۔ چنانچہ یہ نظم ان لوگوں کو بھی اپیل کرتی ہے جو اس سنت کے مذہبی عقائد کو نہیں مانتے یعنی غیر مسلم ہیں۔ یقیناً ''مردِ مومن'' کی اصطلاح میں آفاقی اقدار امکانی طور پر موجود ہیں، مگر شرط یہی ہے کہ ان کو محسوس اساطیری تجربہ سے ملوث کیا جائے۔ مسجدِ قرطبہ کی طرح بالِ جبریل، پیامِ مشرق اور زبورِ عجم کے اکثر اشعار میں وہ محسوس اساطیری تجربہ موجود ہے جس میں عقائد کے اختلافات تحلیل ہو جاتے ہیں اور جو تمام علامات و اصطلاحات کو شفاف بنا دیتا ہے۔ اصول کی بات یہ ہے کہ ایسی شفافیت تب ہی پیدا ہوتی ہے جب فنی علامات محسوس، منفرد اور لامحدود ہوں، اور تب ہی ان علامات کے جدلیاتی عمل میں

آفاقیت اور ہمہ گیری بھی پیدا ہوتی ہے۔ جیسا کہ غالب کے مذکورہ بالا شعر سے ظاہر ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں فنی علامات کی شفافیت کیلئے ضروری ہے کہ فن کی سطح پر اصولِ تجسیم خداوندی کا اذعان کیا جائے کہ جس کے ساتھ اصولِ تخلیق اور اصولِ برکت کا اذعان بھی وابستہ ہے۔

اقبال ایک صوفی کی حیثیت سے اصولِ تجسیم خداوندی کا اذعان کرتے ہیں۔ مگر ایک شاعر کی حیثیت سے یعنی شاعری کی سطح پر وہ اس اصول کا اتنا کامل اذعان نہیں کرتے کہ ہر مقام پر فنی علامات میں اقدار کی تجسیم وتشدید کا جدلیاتی عمل جاری ہے، اور زبان کی جدت تراکیب تجربہ کے حسی پیکروں کے ذریعہ نئے نئے معانی کی تخلیق، تجسیم اور تشدید کا لطف بن جائے کہ یہی خلاقی، مشاقی اور آفاق گیری ہے۔ ایک عاشق کی حیثیت سے اقبال خلاقی، مشاقی اور آفاق گیری کے قائل ہیں اور وہ عشق کی تین شہادتوں کا تذکرہ بھی کرتے ہیں۔ لیکن ایک فن کار کی حیثیت سے ان کا عشق فن سازا اتنا کامل نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ فن کی سطح پر ان شہادتوں کو اس طرح پیش کرے جس طرح دانتے کرتے ہیں۔ بہت سے مقامات پر ان کے فن میں موضوعاتی عزم اور (ہیئتی) عمل کے درمیان خلیج نظر آتی ہے۔ کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اقبال کی شاعری میں عشق کی محسوس صورتِ حال (Concrate Lone Situation) کی بجائے بیشتر مقامات پر عشق کے بارے میں تذکرہ زیادہ ملتا ہے۔ ان کی عظیم ترین شاعری میں تو ایسا ہوتا ہے کہ عشق کی محسوس صورتِ حال کا تجربہ پایا جاتا ہے اور کسی نہ کسی شکل میں کبھی تیز کبھی دھندلی روشنی میں محبوب کا ''نقشِ حق'' بھی نظر آجاتا ہے۔ لیکن بہت سے مقامات پر جہاں اقبال کا موضوع عشق اور تعمیر خودی یا تجدید شعور ہے عشق کی محسوس صورتحال کی کمی ہے اور اس محبوب کے جامع اور اساطیری نقشِ حق کی بھی کمی ہے کہ جو محسوس اور منفرد ہوتے ہوئے بھی لامحدود ہو۔ بات وہی ہے کہ اقبال کے ہاں ایک بیاتر چے کی کمی ہے۔ ان کے تجدید شعور کے رویا میں روح تو ہے لیکن جسم کی کمی ہے (''مشرق کا مزاج ہے راہبانہ'') اور اسی لئے ان کا رویا اتنا جامع، ہمہ گیر اور احساس پرور نہیں ہے، اور اسی لئے اتنا شعور پرور بھی نہیں ہے جتنا کہ دانتے کا رویا۔

شاید بڑی حد تک اس کی وجہ مشرق کا وہ راہبانہ مزاج ہے جو فن کو بھی متاثر کرتا ہے، مشرق کی وہ ثقافتی روایات ہیں جن کی وجہ سے جسم کو مقدس اور حامل الوہیت قرار دینے کی بجائے

حرام(Taboo) قرار دیا جاتا ہے، وہی کھوکھلی روحانیت کا طلسم جس سے خود اقبال کو شکایت تھی مگر جوفن کی سطح پر مشرقی فن کار کیلئے اور خود ''شاعرِ مشرق'' کیلئے توڑنا مشکل ہے، وہی طلسم کہ جس کی وجہ سے روح اور جسم میں ثنویت پیدا ہوگئی ہے جسے زندگی سے دور کرنا اقبال کے فن کا مقصد تھا مگر جو خود ان کے فن میں موجود ہے اور اسی وجہ سے ان کا فن اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کے فن نے اپنے تنقیدی ذہن میں بھی ثنویت کو فروغ دیا ہے، چنانچہ اقبال شناسی کی تاریخ شاہد ہے کہ زیادہ تر نقادوں نے اقبال کو ایک مفکر، فلسفی یا حکیم کی حیثیت سے دیکھا ہے، ایک شاعر یا فن کار کی حیثیت سے کم۔ ''حکیمِ مشرق'' نے مشرق کے ذہنی مرض کی جو تشخیص کی ہے وہ صحیح ہے۔ انہیں احساس ہے کہ اس ثنویت کی وجہ سے مشرق کے پاس روح ہے مگر جسم نہیں، اس سے خانہ میں صہبا تو ہے مگر ''ساقی نہیں پیدا''۔ کچھ صوفیاء نے اس ثنویت کو دور کرنے کی کوشش بھی کی، مگر مشرق کے ذہن میں ہمیشہ ایک شگاف رہا ہے۔ چنانچہ اردو کے بہت سے صوفی شعراء کے یہاں بھی یہ شگاف نظر آتا ہے، اور ایک عشق کی دو غیر مربوط قسمیں ملتی ہیں، یعنی عشق مجازی اور عشق حقیقی، اور شعر یا تو عشقِ مجازی کا ہوتا ہے یا عشقِ حقیقی کا (جبکہ روحانی زندگی کے کلیت میں ''یا تو'' نہیں ہوتا)۔ یہ ضروری ہے کہ اکثر ایک بڑے شاعر کیلئے یہ دونوں مربوط اور کہیں کہیں ایک بھی ہو جاتے ہیں۔ لیکن بہت سے بڑے شاعروں کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان کا موضوع تو عشقِ حقیقی ہے لیکن وہ اسے مجازی پیکروں کے ذریعہ ظاہر کر رہے ہیں (کسی وجہ سے)۔ گویا شاعری تمثیل نگاری (Allegorical Writing) ہے جس میں شاعر کسی تجریدی خیال سے شروع کرتا ہے اور اس کو مثال سے سمجھانے کیلئے جسمانی پیکروں کو اس کے مترادف کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ یقیناً رومی جیسا عظیم شاعر اس ''تمثیل نگاری'' کے دائرہ میں رہتے ہوئے خیالات کے جسمانی پیکروں کو احساسات کی زندگی دے دیتا ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ بہت سے شعراء ان دو قطبین کے درمیان حرکت کرتے نظر آتے ہیں اور کبھی تجریدی خیال سے شروع کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور کبھی محسوس تجربے سے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اردو کے بہت سے شعراء کی نظر منفرد محسوس تجربہ پر اتنی گہری نہیں ہے جتنی کہ ہونا چاہئے اردو شاعری میں غالب کے یہاں اس گہری نظر کی مثالیں زیادہ ملتی ہے۔ اقبال کے یہاں اس کے مقابلہ میں کم۔ شاید اس وجہ سے بھی

کہ اقبال جس مشرقی مذہب کے مخصوص نظامِ فکر کا رویا پیش کرنے کا عہد کئے ہوئے ہیں اس میں جسم پر گہری نظر ڈالنے کی زیادہ گنجائش نہیں، بلکہ اس بات کو مشکوک سمجھا جائے گا۔ برخلاف اس کے دانتے کے ساتھ تجسیم خداوندی کا عقیدہ اور اس کے اساطیر ہیں ارو اسی طرح تجدید کے وہ تمام اساطیر ہیں جنہیں عیسائیت نے خود اپنے اندر جذب کرلیا لیکن جن کو کفر اور شرک کے خوف کی وجہ سے اسلام نے ہمیشہ دور رکھا۔ اس کے علاوہ دانتے کے پاس ایک نہایت جامع اور مربوط نظامِ فکر ہے جس کی وجہ سے ان کے ہر لفظ کے معنی ''بیاترچے'' ہیں، جو مسیح ہے، جو مظہرِ ذات حق ہے، جو عشق ہے چنانچہ دانتے کے لئے جسم مقدس ہے اور وہ اس پر نہایت گہری نظر ڈالتے ہیں۔ اسی طرح کائنات اور انسانی تجربہ پر بھی ان کی نظر نہایت گہری ہے۔ یہ سب کچھ اس نظامِ فکر اور اس اندازِ فکر کی بدولت بھی ہے جو دانتے کو میسر تھا اور ان کے انفرادی نابغہ کی بدولت بھی۔

دانتے کے نظامِ فکر میں گناہوں اور نیکیوں کو ترازو کے دو پلڑوں میں اکٹھا، ڈھیری کے حساب سے رکھ کر تولا نہیں جاتا کہ کونسا پلڑا بھاری ہے اور کونسا ہلکا تاکہ جزا و سزا کا فیصلہ کیا جائے۔ خدا عادل ضرور ہے مگر اس کے ہاتھ میں ایسی کوئی ترازو نہیں ہے۔ اس نے سزا اور جزا کا خودحرکی (Automatic) اور فطری نظام قائم کیا ہے۔ وہ ضمیرِ وجود میں ایک اصول فعل یعنی عشق بن کر موجود ہے کہ جو تمام وجود کی علت غائی (Final Cause) ہے۔ چنانچہ اس کا عدل اور رحمت دونوں ہی تجسیم خداوندی کی شکل میں ظہور پذیر ہو کر کائنات کی تفہیم کا باعث بھی بنتے ہیں اور انسانی نجات کا بھی۔ یہ اس کی خلاقی، مشتاقی اور آفاق گیری کی دلیل ہے اور اس کی تخلیق، تجسیم اور برکت و نجات کی شہادت۔ گناہ کی خواہش وجود کی کلیت کے خلاف ہونے کے باعث خود بخود عشق کے فیض سے روحانی عذاب کا باعث بنتی ہے اور خیر کی خواہش سعادت کا باعث۔ ہر گناہ اور ہر نیکی کی انفرادی طور پر اہمیت ہے، ایسا نہیں ہے کہ گناہوں اور نیکیوں کا اکٹھا حساب تو ہوگا ہی ابھی گناہ کرلیں پھر کچھ نیکیاں کرلیں گے، عبادت خیرات، حج وغیرہ، اور نیکی کا پلڑا بھاری کرلیں گے۔ بلکہ غالب نے تو ایک نکتہ اور پیدا کیا ہے، حساب اپنے آپ برابر ہوجائے گا، ناکردہ گناہوں کی حسرت کی بھی تو داد ملنا چاہئے۔ یقیناً یہ اسلام کے ایک سطحی تصور پر طنز ہے، اور کسی گناہ یا نیکی کی اصلی وقعت تو وہی ہے جو خدا کی نظر میں ہے (عام مسلمان اس بات کو یوں کہتا ہے کہ خدا کو کسی کی نہ جانے

کون سی بات پسند آ جائے، وہ بڑا رحیم ہے بخش دے گا)۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ سطحی تصور بہت عام ہے اور اسے اس عقیدہ سے بہت فروغ ملتا ہے کہ گناہوں اور نیکیوں کا اکٹھا تول کر حساب کیا جائے گا۔ اور دونوں میں سے کس کا پلڑا ابھاری ہو جائے گا یہ خدائے رحیم کی مرضی پر منحصر ہے، اور اس طرح نیت یا خواہش کی بات دب جاتی ہے اور ہر گناہ یا نیکی کی انفرادی وقعت کی بات بھی۔ برخلاف اس کے دانتے کے نظام فکر میں ہر گناہ یا نیکی کی انفرادی وقعت ہے۔ ہر گناہ معصوم مسیحؑ کو یعنی خداوند قدوس کو مصلوب کرنے کے مترادف ہے جو نہایت روح فرسا تصور ہے (اور اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ مسیحؑ کے مصلوب ہونے سے گناہ کرنے کی چھوٹ مل گئی ہے)، اور ہر نیکی تجسیم خداوندی کی پاکیزہ اور آزمائش بھری زندگی کو اپنے اوپر رواں کرنے کے مترادف ہے تاکہ مسیحؑ کا نقشِ حق انسان کے اندر اجاگر ہو اور اس کا اپنا وجود الوہیت سے ہم کنار ہو۔ اور صرف کردہ گناہوں کا ہی اس طرح حساب نہیں ہوتا بلکہ نا کردہ گناہوں کی حسرت کا بھی، بلکہ ان امکانی گناہوں کی خواہشات کا بھی جو شعور کی گہرائیوں میں موجود ہیں اور فطرتِ انسانی کو امکانی طور سے الوہیت سے دور رکھتی ہیں۔ اس طرح تجسیم خداوندی کے اذعان کی بدولت توبہ اور کفارہ (کفارہ کا اسلام میں ایسا کوئی تصور نہیں ہے جیسا کہ عیسائیت میں ہے) کے ذریعہ ہر گناہ، واقعی اور امکانی گناہ کا تزکیہ ہونا ضروری ہے تاکہ کل فطرتِ انسانی الوہیت سے ہمکنار ہو یہ تزکیہ اسی صورت میں ممکن ہے جب عشق اور الہام پر ایمان ہو یعنی تجسیم خداوندی کا دل سے اذعان کیا جائے (جس کیلئے مسیح کو تجسیم خداوندی کی تاریخ: واقعیت پر ایمان رکھنا ضروری نہیں) ورنہ نکوکاری کی زندگی کے باوجود فطرتِ انسانی اپنے امکانی گناہوں کی وجہ سے آیاتِ الٰہی یا کائنات کے مظاہر خداوندی کا اذعان نہ کر سکے گی اور الوہیت سے ہمکنار نہ ہو پائے گی اور اس رح انسان نکو کاری کے باوجود برکت و سعادت سے محروم رہے گا جیسا کہ طربیۂ خداوندی میں ورجل اور لمبو (Limbo) کی دیگر ارواح کا حال ہے۔ محض فطری نیکیاں کافی نہیں، برکت و سعادت کیلئے دینی نیکیاں بھی لازمی ہیں جو عشق کے مظاہر ہیں۔ اعمال تو محض ظواہر ہیں، ان کے محرکات جو انسانی روح کی گہرائیوں میں پوشیدہ ہیں انہیں دیکھنا چاہئے، اور یہ محرکات عشق کی ابتری یا سالمیت سے تعلق رکھتے ہیں اور برکت یا عذاب کا خود بخود سبب بنتے ہیں۔ برکت یا عذاب محض خدا کی مرضی،

محض اس کی خوشنودی یا ناراضگی کی بات نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق وجود کی گہرائیوں میں ایک اصولِ فعال سے ہے، ایک علت غائی سے ہے جو عشق ہے۔ محض اعمال کا تذکرہ کرنے سے کائنات کے سطحی تصور کو فروغ ملتا ہے اور وہ نظر پیدا نہیں ہوتی جو تجربہ کی گہرائیوں تک پہنچ سکے اور جس کا اقبال خود تذکرہ کرتے ہیں ("جگر خوں ہو تو چشم دل میں ہوتی ہے نظر پیدا")۔ اقبال عشق اور نظر کا تذکرہ تو بہت کرتے ہیں مگر فن کی سطح پر محسوس تجربہ سے عشق اور نظر کی ہمیشہ اس طرح شہادت نہیں دیتے جس طرح کہ دانتے۔ عرشِ معلیٰ تک صعود کرنے کیلئے وجود کی ان گہرائیوں تک اترنا ضروری ہے جہاں عشق کی ابتری اور گناہ کے امکانات پوشیدہ ہیں، جہاں ابلیس موجود ہے، جہاں سورج اور ستارے بالکل غائب ہو جاتے ہیں اور دانتے ایسا کرتے ہیں کیونکہ وہ تجربہ کو نہایت گہری نظر سے دیکھ کر وجود کی علتِ غائی کا ادراک کرتے ہیں۔ جن گہرائیوں تک دانتے پہنچتے ہیں اور پھر جن بلندیوں تک وہ صعود کرتے ہیں اور تاریک جنگل سے عرضِ معلیٰ تک جذبات و احساسات کے جدلیاتی مرکبات اور تجربہ کی متنوع اشکال کا جتنا وسیع رینج (Range) دانتے دریافت کرتے ہیں اتنا اقبال تو کیا دنیا کا کوئی شاعر نہیں کرتا۔ شیکسپیئر کے پاس بھی اتنا وسیع رینج نہیں ہے۔

اقبال کے جاوید نامہ میں نسبتاً یہ رینج بہت چھوٹا ہے اور احساسات کی تجسیم وتشدید میں نہ وہ تسلسل ہے، نہ وہ ندرت، نہ وہ متنوع اور نہ کھوج کا وہ ڈرامہ جو طربیۂ خداوندی میں ملتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہی ہے کہ جامع اور منفرد حقیقت محسوس کی کمی ہے۔ جاوید نامہ کے کرداروں کی انفرادیت دانتے کی جنت کے کرداروں کی انفرادیت کی طرح ماورائے جسم ہے۔ لیکن اقبال کے کرداروں کی انفرادیت اتنی زبردست شدت سے محسوس نہیں ہوتی۔ دانتے کی جنت کے کردار جسم نہ ہوتے ہوئے ہمیشہ منفرد محسوس نوری پیکروں کی اشکال میں ظاہر ہوتے ہیں، نہایت ڈرامائی انداز میں، اور ان کی سب سے بڑی خصوصیت وہ مخصوص ڈرامائی یا "جدلیاتی حرکت" ہے جو نور و رنگ و رقص ونغمہ کے مخصوص ماحول کی جدلیاتی ہم آہنگی میں تقریر اور مباحث اور گفتار اور رفتار اور حرکات و سکنات سے ظاہر ہو کر ان کی انفرادیت کی بے پناہ شدت کا باعث بنتی ہے۔ اقبال کے جاوید نامہ کے کرداروں میں اس "حرکت" کی کمی ہے جو تجربہ جدلیات سے پیدا ہوتی ہے، اور اسی لئے حقیقت کی کھوج کے اس ڈرامہ کی بھی کمی ہے جو اس جدلیات کے ذریعہ نئے نئے معانی کے ظہور

پذیر ہونے سے پیدا ہوتا ہے۔ جاوید نامہ کے کرداروں اور ماحول میں مکمل جدلیاتی ہم آہنگی کی کمی ہے۔ کہیں کہیں ماحول برائے نام ہے اور اس کے ہونے سے معانی میں کوئی خاص وقعت پیدا نہیں ہوتی، یا پھر محض سجاوٹ کے طور پر ہے، یعنی اقبال کے مناظر فنی علامات میں منقلب نہیں ہو پاتے اور ان سے حسی پیکروں کی تخلیق، تجسیم اور تشدید کے عمل کو فروغ نہیں ملتا۔ چنانچہ جاوید نامہ کے مناظر اور کرداروں میں محسوس اور لامحدود معانی کی وہ جدلیاتی ہم آہنگی نہیں ہے جو دانتے کی جنت کے کرداروں کی ''حرکت'' اور ماحول کی ''حرکت'' سے پیدا ہوتی ہے، اور اسی کے ساتھ ساتھ اس وجد (Ecstary) اور ترفع کی بھی کمی ہے جو ان مخصوص ''حرکت'' کی جدلیاتی ہم آہنگی سے، یعنی پیکروں اور نور و رنگ و رقص و نغمہ اور رفتار گفتار کی منفرد، محسوس اور اپنی معنی آفرینی کے اعتبار سے لامحدود ترنگوں کی جدلیاتی ہم آہنگی سے پیدا ہوتا ہے۔ جاوید نامہ میں فلسفیانہ بیانات و مباحث محسوس تجربہ کم بن پاتے ہیں جبکہ دانتے کی ''جنت'' میں ہر چیز محسوس تجربہ بن جاتی ہے اور اس تجربہ میں بے پناہ شدت اس لئے اور بھی پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کے پیچھے مقامِ کفارہ اور جہنم کا تجربہ ہے جو اس سے جدلیاتی طور پر ہم آہنگ ہوتا ہے۔ دانتے کے یہاں یہ احساس بڑھتا جاتا ہے کہ تجربہ کے تمام پیکر جن میں شیطان تک شامل ہے نورِ خداوندی کے عکس ہیں اور ہر چیز کے ایک ہی معنی ہیں، خدا یا عشق۔ اقبال کے یہاں ہمیں اس معرفتِ کلی کا محسوس تجربہ نہیں ہوتا حالانکہ اقبال کہتے ہیں کہ

ماہمہ یک دود مان نار و نور آدم و مہر و مہ و جبریل و حور

لیکن اقبال تمام پیکروں کی منفرد حقیقت محسوس کے جدلیاتی تجربہ سے جمالِ خداوندی کے دیدار کی طرف نہیں بڑھتے اور نہ ہی اس دیدار کا کوئی منفرد محسوس پیکر ان کے سامنے آتا ہے۔ جاوید نامہ کے آخر میں ندائے جمال ہے اور بس ایک غیر منفرد تجلیِ جمال ہے۔ بڑی کسم پرسی کی حالت بیچاری حورانِ بہشتی کی ہے جو ملّا کا منتہائے آرزو ہیں، لیکن ان کی طرف جو زندہ رود کا یہ رویہ ہے اس میں بھی عشقِ کامل یا عشقِ مرتب کی کمی ہے وہ بیچاری زندہ رود سے فریاد کرتی ہوئی رہ جاتی ہیں کہ ''یک دو دم با ما نشین'' با ما نشین، لیکن زندہ رود کہاں سنتے ہیں؟۔ حالانکہ خود بقول اقبال یہ حوریں بھی جمالِ خداوندی کا عکس ہیں۔ عشقِ کامل کا تقاضہ ہے کہ ان کے منفرد وجود کا اثبات

کرتے ہوئے جمالِ خداوندی کی طرف بڑھا جائے نہ کہ اس کو رد کرتے ہوئے۔ اقبال تمام منفرد محسوس پیکروں کے جدلیاتی تجربہ کے وسیلہ سے جمالِ خداوندی کی طرف نہیں بڑھتے۔ اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اقبال کے یہاں ایک جامع، منفرد اور محسوس حامل الوہیت پیکر، یعنی ایک بیاترچے اور اس کے نورانی تبسم کی کمی ہے کہ جس کی روشنی میں جنت اور پھر ساری کائنات کا تبسم ازلی نظر آئے، اور جس کے فیض سے شاعر وجد آفریں سعادت کی انتہائی بلندی تک صعود کرے۔ تجربہ کی گہری نظر سے نہ دیکھنے کی وجہ سے اقبال کے یہاں گناہ کی حقیقت کا کوئی گہرا انداز نہیں ملتا۔ اقبال کے یہاں اس طرح کے تجربوں کی کمی اور اس جدلیاتی ہم آہنگی کی کمی کی وجہ سے جس سے تمام پیکروں کے ایک ہی معنی ہیں سعادت کی حقیقت کا بھی کوئی گہرا اندازہ نہیں ملتا۔

چنانچہ یہ کہنا پڑے گا کہ اقبال کا رویا اتنا محسوس، جامع، ہمہ گیر، وقیع، معنی آفریں اور آفاقی نہیں ہے جتنا کہ دانتے کا رویا۔ اقبال کا عشق فن ساز اتنا کامل نہیں ہے جو اصولِ تخلیق، اصولِ تجسیم اور اصولِ برکت ونجات کا اتنا کامل اذعان کر سکے جتنا کہ دانتے کرتے ہیں۔ اگر فن تجدیدِ شعور ہے اور جیسا کہ دانتے کا خیال ہے حصولِ برکت ونجات کی راہ ہے تو یقیناً اقبال کے مقابلہ میں دانتے کا رویا کہیں زیادہ شعور پرور ہے۔ اقبال مشرق کے عظیم ترین شاعروں کی صف میں ہیں، لیکن اگر دانتے سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو عظمت کے درجہ کے اعتبار سے دانتے کا مقام ان سے کہیں زیادہ بلند ہے، جس مقام پر دانتے ہیں اس سے بلند تر مقام دنیا کا کوئی شاعر حاصل نہیں کر پاتا۔

دانتے پر اس معمولی سی تعارفی کتاب کا مقصد دانتے کے مطالعہ کی ترغیب دینا ہے۔ اور امید ہے کہ قارئین اپنے اپنے مطالعہ کے ذریعہ اس کتاب کی کوتاہیوں اور خامیوں کی تلافی کریں گے۔ دوسرا مقصد یہ بھی ہے کہ کچھ تنقیدی اشارات کے ذریعہ عظیم ترین ادب کے عناصر ترکیبی کی طرف توجہ دلائی جائے تاکہ تقابلی مطالعہ کے ذریعہ ہمارے اپنے ادب کی تفہیم وتنقید میں مدد مل سکے، اور ہم یہ دیکھ سکیں کہ ان عناصر کے اعتبار سے ہمارے کسی شاعر یا ادیب کی عظمت کا مقام کیا ہے؟ اس طرح کے موازنہ میں اس صورت میں آسانی ہوتی ہے جب دو شاعروں کے موضوع میں مماثلت ہو۔ اقبال کا تذکرہ اس کتاب میں اسی لئے کیا گیا ہے۔ یقیناً ایک ہی موضوع پر دو شاعروں کے موازنہ سے ادب کی تفہیم وتنقید کو فروغ مل سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بھی یاد

رکھنا چاہئے کہ شاعری تو محسوس تجربہ کی انفرادیت میں پائی جاتی ہے، اور اسی لئے شاعری ایک جیتی
جاگتی حقیقت ہے، اور موضوع ایک ہو تب بھی دو شاعروں کا انکشاف حقیقت مختلف ہو سکتا ہے اور
ان کے فن کی عظمت کے درجات بھی مختلف ہو سکتے ہیں۔ اہم بات تو یہی ہے کہ کوئی شاعر حقیقت کو
اپنے منفرد محسوس تجربہ سے کس طرح دریافت کرتا ہے اور اس کی یہ دریافت کس درجہ کل وجود کی
شعوری تسخیر کرتی ہے یعنی کس درجہ شعور پرور ہے۔

ختم شد

# کتابیات

A. Dante's Main Works

VitaNouva,edited by Kenneth Mckenzi (Boston,1922)

English translation by Thomas Okey, Temple Classics Edition (Londo, 1906) also by Mark Musa (Bloomington ,Ind;1962)

Rime, edited by G.Contini (Turin,1946)

English translations of most of these poems appear in the Temple Classics Edition (1906)

Convivo, edited byG.Busnelli and G.Vandelli (Florence,1934)

English translation by Phillip Wickstead, Temple Classic Edition (London 1903)

De Vulgari Eloquengtia, edited by A.Marigo (Florence 1938)

English Tanslations in the Temple Classics Editions of The Latin Works of Dante Aligheri (London ,1904).

De Monarchia, edited by Gustavo Vinay (Florence 1950)

English Translation in the Temle Classics Edition of The Latin Works of Dante Aligheria (London 1904)

Divine Comedia,edited by N.Sapegno (Florence) 1955-7)

English Tanslation (in prose) in the Temple Classics Editions (London,1899-1901); by John D.Sinclair (London) (1939-46) for Terza Tima version see the translation of Laurance Binyon (London, 1933-46) reprinted in The Portable Dante (New York, 1949),and that of Dorothy Sayers and Barbara Reynolds (Penguin Classics, 1949-62)

Erich Aeurbach' Dante:Poet of the Secular World, tanslated by Ralph Manheim (Chicago, 1961)................,

Figura in Scenes from the Drama of European Literature translated by Ralph Manheim (London, 1959)

Miguel Asin Islam and the Divine Comedy, translated by Sunderland (London 1926)

MIchale Barbi, Life of Dante, translated by P.Ruggiers (Cambridge, 1955)

Thomas G. Bergin, An Approach to Dante, (London, 1965)

Irma Brandes, The Ladder of Vision (London 1960)

Ernst Curtius European Li,terature and the Middile Ages, translated by W.Trask (London, 1953)

Umberto Cosmo, A Handbook to Dante Studies, English tanslation (Oxford, 1956)

Denis de Rougemont Love in the Western World, Translated by M. Belgion (New York, 1956)

H.Flanders Dunbar, Symbolism in Medieval Thought (Oxford, 1929)

T.S.Elilot, Selected Essays (London, 1952)

Francisco Flamini , Introduction to the Study of the Divine Comedy (Boston, 1910)

Jefferson B. Fletcher , Symbolism of the Divine Comedy (Oxford 1921)

Francis Furgussion, Dante's Darama of the Mind (Oxford 1953)

Edmund Gardner, Dante's Ten Heavens (London, 1904)....

Dante and the Mystics (London 1913)

Etienne Gilson, Dante the Philosopher tanslated by David Moore (New York, 1949)

C.H.Grandgent, Dante (New York, 1921)

C.S.Lewis, The Allegory of Love (Oxford, 1936)

Edward Moore, Studies in Dante, In four Series (Oxford, 1896-1917)

Doronthy L.Sayers, Introductory Papers on Dante (New York, 1954)

...............Further Papers on Dante (London 1957)

Scartazinni, A Handbook to Dante, Tanslated by Thomas Davidson (Boston, 1893)

Barbara Seward, The Symbolic Rose (New York , 1960)

Charles Singleton, An Essay on the Vita Nouva (Oxford 1949)

....................Commedia: Elements of Structure (Oxford 1954)

.................. Dante,s Allegory Speculum xxv (1650)

Bernard Stambler, Dante's Other World (London, 1958)

T.K. Swing The Fragile Leaves of the Sybil (West-Minister, Md. 1962)

Henry Osborne Tylor, The Medieval Mind (London.1925)

Karl Vosler, Medieval Culture: An Antroduction to Dante and His Times Translated by W.C. Lawton (London, 1929)

Phillip Wicksteed From Vita Nouva to Paradise (London, 1943)

Charles Williams, The Figure of Beatrice (London 1943)

Urdu Taranslation of the Inferno by Aziz Ahmed (Anjumane-Taraqqi-e-Urdu, Delhi-1943)

طربیۂ خداوندی از دانتے، پہلا حصہ جہنم

ترجمہ از عزیز احمد (انجمن ترقی اردو، دہلی، 1943ء)